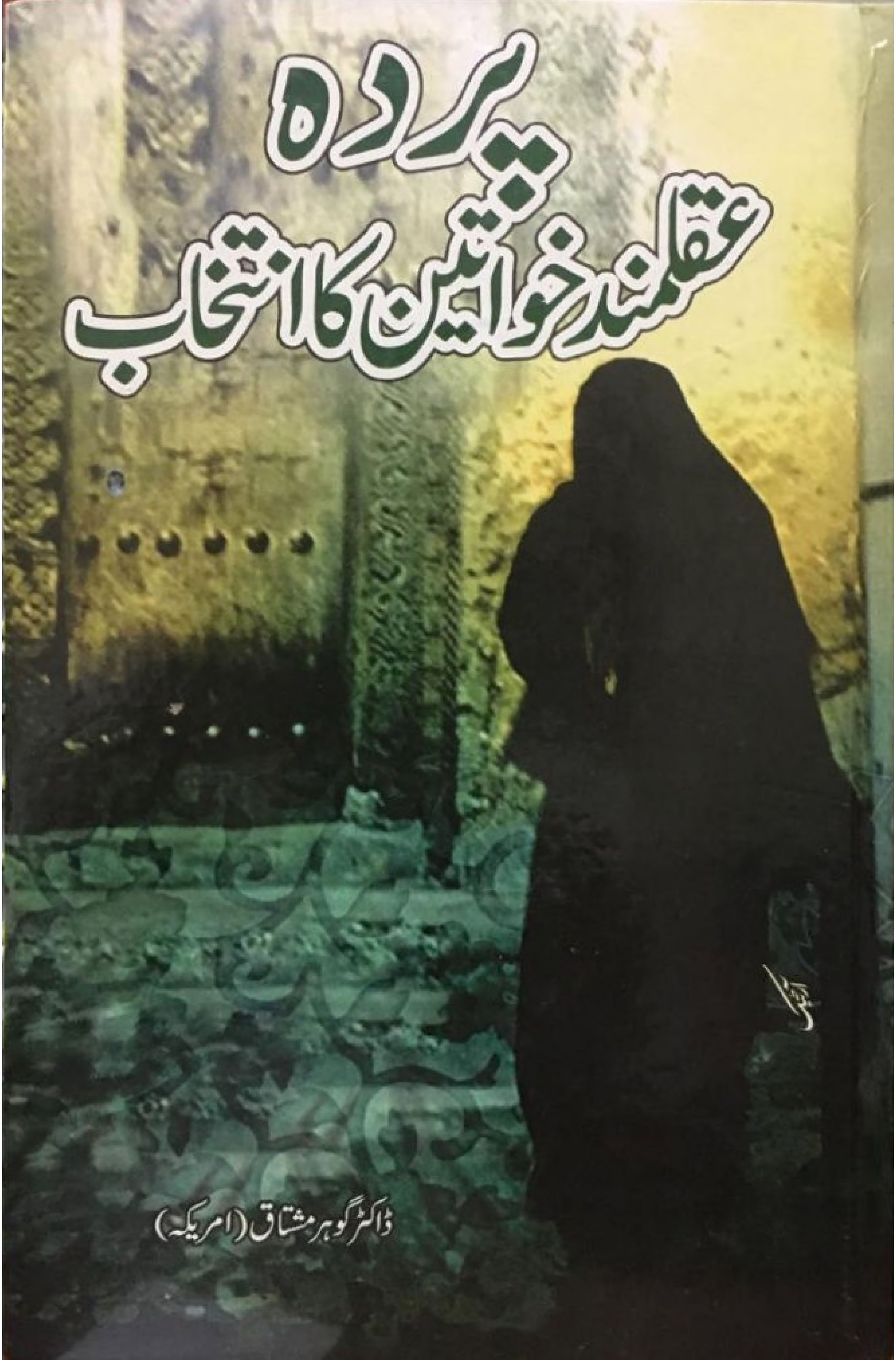


پردہ

عقلمند خواتین کا انتخاب

ڈاکٹر گوہر مشتاق (امریکہ)

پردہ
عقلمند خواتین کا انتخاب

مصنف:

ڈاکٹر گوہر مشتاق (امریکہ)

مکتبہ خواتین میگزین

منصورہ ملتان روڈ لاہور فون 042-35435667

پردہ، عقلمند خواتین کا انتخاب

مصنف : ڈاکٹر گوہر مشتاق

ناشر : عباس اختر اعوان

مکتبہ خواتین میگزین، منصورہ۔ملتان روڈ لاہور

اشاعت اول : مارچ 2011ء

مطبع : رانا پرنٹرز، لاہور

قیمت : 250روپے

ملنے کے پتے:

- ◆ ---- دی بک ڈسٹری بیوٹرز، کراچی، 021-2787137، 0334-3922268
- ◆ ---- البدر 5 رحمت بزنس سینٹر۔آئی ٹین مرکز۔اسلام آباد 0321-5144844
- ◆ ---- کتاب مرکز، گارڈن کالج روڈ، راولپنڈی 0333-5174525
- ◆ ---- مکتبہ تبلیغ اسلام، الاکرام بلڈنگ راولپنڈی 5962137
- ◆ ---- النور اسلامک بکس۔سنگاپور پلازہ۔صدر۔راولپنڈی 5794605
- ◆ ---- البدر پبلی کیشنز اردو بازار لاہور 042-37225030
- ◆ ---- ادارہ مطبوعات طلبہ، اچھرہ لاہور 042-37553991
- ◆ ---- عمر عبدالعزیز، نیویارک، امریکہ 00-1917-821-6149

بِيَدِ الْعَفَافِ أَصُوْنُ عِزَّ حِجَابِیْ

وَبِعِصْمَتِیْ اَسْمُوْ عَلٰی اَتْرَابِیْ

(عرب شاعرہ عائشہ تیموریہ)

(میرے اندر جو عفت ہے، وہ اِس وجہ
سے ہے کہ میں حجاب کی عزت کرتی
ہوں۔
اور میں اپنی عصمت اور شرم وحیا کی وجہ
سے اپنی ہم عمروں میں بلند مقام رکھتی
ہوں۔)

فہرست

کلماتِ تحسین (محترمہ مریم جمیلہ)

ڈاکٹر گوہر مشتاق کی کتاب "پردہ: عقل مند خواتین کا انتخاب" اسلام کے سوشل سسٹم پر ایک سائنسی تحقیق ہے۔ اِس کتاب میں حجاب کی اہمیت کے حوالے سے قرآن، حدیث، صحابہؓ اور علماء کرام کے فتاوٰی سمیت بہت سے دلائل جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اِس کتاب میں اسلام کے احکاماتِ حجاب اور معاشرے میں عورتوں، مردوں کے تعلقات کی نوعیت پر بحث کی گئی ہے۔ کتاب کی ایک منفرد بات یہ ہے کہ اِس میں عمرانی سائنسی علوم کے مستند اور موقر جرائد سے بے شمار حوالے دیئے گئے ہیں جو کتاب کی اہمیت میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہ کتاب لوگوں کے دلوں میں پردے کے حوالے سے پائے جانے والے شُبہات کو دور کرتی ہے۔

ڈاکٹر گوہر مشتاق کی یہ کتاب ایسے مناسب وقت پر منظرِ عام پر آئی ہے کہ جب مسلمان خواتین کے نقاب اور حجاب کے متعلق "روشن خیال" ممالک مثلاً فرانس، برطانیہ اور ہالینڈ میں بحث چھڑی ہوئی ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ یہ نام نہاد سیکولر اور آزاد خیال ممالک کپڑے کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے سے اتنے خائف ہیں (یعنی نقاب) جس سے مسلمان خواتین اپنے چہروں کا پردہ کرتی ہیں حتیٰ کہ ان ممالک میں اُنھوں نے پبلک مقامات پر عورتوں کو نقاب پہن کر جانے پر جرمانہ عائد کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ اصل میں نقاب نہیں بلکہ نقاب کے پیچھے مسلمان عورت کا نورانی چہرہ ہے جس کی ایمان کی حرارت سے یہ لوگ خائف ہیں۔ اس کتاب کی ایسے وقت میں شدید ضرورت تھی جبکہ نگاہیں ماڈرن ازم کی چمک دمک سے خیرہ ہو چکی ہیں۔ جب شرم و حیا اپنی قدر و قیمت کھو چکی ہے اور مسلمانوں نے اسلام کا معذرت خواہانہ ایڈیشن قبول کر لیا ہے۔

مریم جمیلہ (امریکن نژاد نومسلمہ)

لاہور

حرفِ تائید (محترمہ اُم عبد منیب)

محترم ڈاکٹر گوہر مشتاق صاحب علمی اور دینی حلقوں میں ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ گذشتہ دو دہائیوں میں ان کے بہت قیمتی مضامین مختلف رسالوں کی زینت بن چکے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے ان فکر انگیز موضوعات کو کتابی شکل میں بھی ڈھالنے کا کام کیا ہے۔

موصوف امریکہ میں مقیم سائنسدان ہیں اور کینسر کے علاج پر تحقیق کر رہے ہیں۔علوم اسلامیہ سے بھی خوب بہرہ مند ہیں اور امریکہ کے تعلیمی اداروں، مساجد اور اسلامی سینٹروں میں جمعے کے خطبات اور لیکچرز دیتے ہیں۔اللہ کی طرف سے انہیں یہ اضافی خوبی عطا ہوئی ہے کہ وہ علوم عصریہ اور یورپی محققین کی قرآن وسنت کی تصدیق وتائید پر مبنی اسباق اخذ کر لیتے ہیں۔مزید خوش بختی یہ کہ انہیں رب کریم نے ان اسباق ونتائج کو دوسروں تک پہنچانے کا بھی سلیقہ عطا کیا ہے۔

اس دور میں جس قدر مادی ترقی ہوئی ہے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی ،حرف ونقش اور عکس تو پوری دنیا پر چھا گئے ہیں۔ان کی تیز رفتاری کا یہ عالم ہے کہ ایک سیکنڈ میں پوری دنیا میں ایک خبر یا ایک پیغام پہنچایا جا رہا ہے۔ابلاغ کی اس تیز رفتاری ہی کے بل پر اب ہر شخص اور ہر گروہ اپنی سوچ اور لائحہ عمل کو دوسروں پر ٹھونسنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔مذہب اور خدا سے آزادی کے ساتھ ساتھ والدین ،خاندان ، اساتذہ کی اطاعت واحترام اور بیوی بچوں کے حقوق وفرائض سے بھی اپنی جان چھڑا لینے کا رجحان عام ہو چکا ہے۔

یورپ میں ریاست اس ادارے کا نام ہے جو عوام کی نفسانی خواہشات اور جنسی انارکی کو قانونی شکل دے کر انہیں مزید آوارگی کے مواقع مہیا کرتا ہے۔اس کے ہاں اگر مرد اور عورت باہمی رضامندی سے شوہر اور بیوی کی طرح جو چاہیں کر گزریں، سب روا ہے۔اگر اس فعل میں ناجائز بچے ہو جائیں یا آ جائیں تو حکومت نے عوام کو سبک دوش رکھنے کے لیے چلڈرن ہومز بھی بنا رکھے ہیں۔ریاست عوام کو ہر طرح کی کھلی چھٹی دے کر خود مسلم دنیا پر بالادستی کے خواب دیکھتی

اور پھر ان خوابوں کی تعبیر حاصل کرنے کے لیے بارود کو مختلف شکلیں دے کر مختلف بہانے تلاش کر کے..... مختلف مسلمان ممالک کو اڑانے کے لیے ڈرون حملے کرنے اور میزائل گرانے کے کھیل میں مست رہتی ہے۔ یورپ کے شاطر مردوں نے آزادیٔ نسواں کے نام پر آج سے دو صدی قبل جو شوشہ چھوڑا تھا، اب ان کے یہاں مساواتِ مرد و زن اور عورتوں کے حقوق کی بازیابی کا چولا پہن کر بھیانک روپ اختیار کر چکا ہے۔ اس چولے پر مساج سینٹر، ڈاگ میرج، ہم جنس پرستی، برہنگی کو اپنا لباس کہنے والے ماہی منڈے، ایڈز، نو نو سالہ کنواری ماؤں کے کنکھجورے چپٹے اسے اور زیادہ کریہہ، خوفناک اور وحشت ناک بنا رہے ہیں۔

اہل یورپ کو یہ خوب معلوم ہے کہ ان کی یہ آوارگی، اسلام کی نظر میں بہت بڑی بدتہذیبی، بے حیائی اور بدذوقی ہے۔ صرف اسلام ہی اُس کی اِس فکری آوارگی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ لہٰذا وہ جہاں مسلمانوں کو طاقت کے بل پر اپنا محکوم بنانے کے لیے عالمی سیاست میں دہشت گردی کا شور مچا رہا ہے، وہاں اسلام کو فکری طور پر بھی نیچا دکھانے میں ہمہ تن محو ہے۔ اس کا بس نہیں چلتا، ورنہ وہ اسلام جیسے مہذب، شائستہ، باوقار، فطرت سے ہم آہنگ زندگی کے جمالیاتی پہلوؤں کے محافظ، عفت و عصمت کے نگران، مذہب کی روایات و اقدار کو چن چن کر مٹا دے۔

اسلام دشمنی میں یورپ اب اس قدر بوکھلا گیا ہے کہ اس نے اپنی ذلیل و خسیس حرکات سے مغلوب ہو کر رسول اقدس ﷺ کے خاکے اڑانے کی جسارت کی، قرآن پاک کے مقدس اوراق کو ٹوائیلٹ میں پھینکا۔ اپنے ہاں رہائش رکھنے والے مسلمانوں کو مساجد کے مینار نہ بنانے کا قانون جاری کیا۔ مسلمان بچیوں کو سر ڈھانپنے سے روکنے کا قانون بنایا حتیٰ کہ بھری عدالت میں حجاب کی قانونی جنگ لڑنے والی مروہ شربینی کو قتل کر دیا۔

اسلام دشمنی کے نشے میں دُھت اہل یورپ کو یہ معلوم ہی نہیں کہ اسلام انسانی فطرت ہے، یہ ہر شخص کے دل کی آواز ہے۔ اُسے جتنا ختم کرنے کی کوشش کی جائے، لوگ اتنا ہی اُس

کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ یورپی نسلیں تیزی سے اسلام کے سائے میں پناہ لینے کے لیے پیش قدمی کر رہی ہیں۔ گذشتہ پانچ سالوں میں صرف امریکہ میں 36 ہزار افراد اسلام قبول کر چکے ہیں۔

پوپ کی حجاب مخالف مہم ہی کے جواب میں زیرِ نظر تصنیف "پردہ عقل مند خواتین کا انتخاب" لکھی گئی ہے، جسے مصنف محترم نے اپنی مومنانہ فراست اور اسلام کی فتح مندانہ تعلیمات کو یک جا کر کے یورپی محققین کی تحقیقات ہی سے یہ خوب صورت مرقع تیار کیا ہے۔ اِسے پڑھنے کے بعد ان شاء اللہ مسلمان خواتین میں اپنے دین پر فخر کے جذبات پیدا ہوں گے، اسلام پر عمل کرنے کی تحریک ہوگی، عفت وعصمت کی حفاظت اور نقاب وحجاب سے بجا طور پر محبت بڑھے گی، ان شاء اللہ!

رب کریم مصنفِ گرامی کو جزائے خیر دے۔ اُن کے ایمان، صحت، اولاد اور مال میں برکت عطا کرے۔ اور ناشر کے لیے اِسے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین۔

احقرہ: اُم عبد منیب

ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ

حجاب، ہمارا اِفتخار

(ڈاکٹر سمیحہ راحیل قاضی)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ ہر دین کا ایک امتیازی وصف ہوتا ہے اور اسلام کا امتیازی وصف "حیا" ہے۔ یعنی حیا مسلمانوں کی شناخت ہے اور یہی وہ بنیادی صفت ہے جس کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات کا درجہ پا کر حیوانوں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ پردہ اور حجاب اسی بنیادی وصف کا اظہار ہے۔ عورت اللہ تعالیٰ کی وہ حسین تخلیق ہے جس کی وجہ سے اس کائنات میں رنگ بھر گئے ہیں اور عورت ہی وہ ذات ہے جس کو اللہ رب العالمین نے اپنی صفت تخلیق سے نوازا ہے۔ یعنی وہ ایک بے جان لوتھڑے کو اپنا خونِ جگر دے کر انسان بناتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ حجاب اور پردے کی صفت اتنی محبوب ہے کہ ہر تخلیق کرنے والی ہستی کو اپنی طرح حجاب میں رہنے کا پابند بناتا ہے تاکہ وہ اپنی تخلیق کی بہتر حفاظت اور پرورش کر سکے۔

اقبال فرماتے ہیں:

در نگر ہنگامہ آفاق را زحمتِ جلوت مدہ خلاق را

حفظ ہر نقش آفرین از خلوت است خاتم اُو را نگین از خلوت است

آفاق کے سارے ہنگامے پر نظر ڈالو تخلیق کرنے والی ہستی کو جلوت کے ہنگاموں کی تکلیف نہ دو اس لیے کہ ہر تخلیق کی حفاظت کے لیے خلوت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے صدف کا موتی خلوت میں جنم لیتا ہے۔(1)

---

1. علامہ اقبال۔ جاوید نامہ۔ محکمات عالم قرآنی

قوموں کی زندگی میں عورت کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اُن کو دنیا میں سربلندی اور سرفرازی کا مقام دینے کا سہرا مضبوط اور اعلیٰ اخلاق کی حامل عورت کے سر ہی ہوتا ہے اور عورت سے اگر حیا کی صفت ختم ہو جائے تو معاشرہ حیوانیت کا شکار بن کر نسلوں میں بگاڑ اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔

حیا، پردہ، حجاب، عفت اور عصمت ایک پورا نظام زندگی ہے جو اسلام ایک عورت کو عطا کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کے وقار اور مرتبہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ جو چیز جس قدر قیمتی ہے اُسے اتنا ہی پردوں میں مستور رکھا گیا ہے۔ اور جس چیز کی جس قدر حفاظت اور تحفظ مقصود ہو اُسے اتنا ہی بیرونی آلائشوں اور ماحول کی کثافتوں سے دور رکھا جاتا ہے۔ دنیا کے اندر پائی جانے والی تہذیبیں اور ثقافتی روایات اِس پر متفق ہیں کہ جو چیز اپنی قدر و قیمت کے اعتبار سے جس قدر اہم ہوگی اسی قدر اس کو خفیہ، پوشیدہ اور چھپا کر رکھا جاتا ہے تا کہ وہ ہر قسم کے بیرونی اور خارجی دباؤ اور اثرات سے محفوظ رہ سکے اور اس کی قدر و قیمت میں کوئی فرق نہ آئے۔ قیمتی اشیاء کو پردے میں رکھنا عقل اور فطرت دونوں کا مشترکہ تقاضا ہے۔ اس لیے اگر کوئی اس فطری اصول کو توڑتا ہے تو خرابی پیدا ہونا ایک ناقابل انکار حقیقت بن جاتا ہے۔

تہذیب جدید نے اس فطری اصول سے بغاوت کر کے عورت کو محبت اور حفاظت کے حصاروں سے نکال کر آزادی، مساوات اور حقوق کے نام نہاد نعروں کے دھوکے میں مبتلا کر کے شمع محفل اور (Commercial Commodity) بنا دیا ہے۔ عالمی استعماری طاقتوں نے اُمت مسلمہ پر تہذیبی یلغار کرتے ہوئے اسلامی شعائر کو ہدف بنایا ہوا ہے، جہاد، ناموس رسالتؐ، خاندانی نظام اور حجاب ان کے خصوصی اہداف ہیں۔ ہر جگہ پر اُن شعائر کو جو تہذیب اسلامی کی علامات ہیں، انتہاپسندی، قدامت پرستی اور دہشت گردی سے جوڑا جا رہا ہے۔ فرانس، ہالینڈ، ڈنمارک، بیلجیئم اور اٹلی حجاب پر پابندی عائد کر چکے ہیں۔ اُمت مسلمہ بالخصوص مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمان اُن متعصب رویوں اور امتیازی قوانین کی وجہ سے مسائل سے

دوچار ہیں۔خود ترکی میں جوکہ عظیم الشان خلافت عثمانیہ کا مرکز اور مسلمانوں کے تہذیبی عروج کا علمبردار رہا ہے، حجاب پر پابندی عائد کردی گئی تھی۔وہاں کی باحجاب رکن پارلیمنٹ مروہ قاوچی انٹرنیشنل مسلم ویمن یونین میں میری ساتھی رہ چکی ہیں۔ہم نے اُس وقت سے حجاب کے لیے ایک انٹرنیشنل موومنٹ شروع کرلی ہوئی تھی جب اُسے حجاب کی وجہ سے اسمبلی کی رکنیت اوراپنے ملک کی شہریت سے بھی محروم کردیا گیا تھا۔2004ء میں لندن میں "اسمبلی فار دی پروٹیکشن آف حجاب" کے زیراہتمام ایک اجلاس منعقد کیا گیا اور حجاب کے خلاف متعصّبانہ رویوں کے خلاف ایک مشترکہ پلیٹ فارم سے آواز بلند کرنے کے لیے باقاعدہ، منظّم اور مربوط تحریک چلانے کا فیصلہ کیا گیا۔علامہ یوسف القرضاوی صاحب کی قیادت میں 4 ستمبر کو عالمی یومِ حجاب قرار دے دیا گیا۔پاکستان میں میرے والد محترم قاضی حسین احمد جوکہ اُس وقت جماعت اسلامی پاکستان کے امیر تھے،اِس تحریک کے قائد اور علمبردار بنے اور ہم نے اُن کی سرپرستی اور راہنمائی میں 2004ء سے ہی 4 ستمبر کو عالمی یوم حجاب قرار دے کر اس تحریک کا آغاز کیا۔طالبان کی قید سے رہائی پا کر مسلمان ہونے والی مشہور برطانوی صحافی ایوان ریڈلے نے مجھے ایک کانفرنس میں بتایا: "فرانس میں حجاب پر پابندی اس لیے عائد کی جاچکی ہے کہ وہاں کی خاتونِ اول جوکہ ایک عریاں ماڈل رہ چکی ہے کی عریاں تصاویر نیٹ پر بآسہولت دستیاب ہیں اور انہیں یہ بات بہت بُری لگتی ہے کہ جب ہم سارے زمانے کے لیے دستیاب ہیں تو یہ مسلمان عورت کیوں چھپی ہوئی ہے۔حجاب اُن کے لیے ناقابلِ برداشت تصور اور نظریہ ہے۔"

فرانس جو کبھی روشنیوں، خوشبوؤں، فنون اور آزادی کا ملک سمجھا جاتا تھا۔آج حجاب پر پابندی کی وجہ سے وہاں مسلمانوں کے لیے متعصّبانہ رویے عام ہوگئے ہیں۔

اِس ایک گز کے خطرناک کپڑے نے فرانس اور یورپ کی اربوں ڈالر کی فیشن انڈسٹری کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر پر رکھا ہوا ہے اور حجاب کے اِس ٹکڑے سے اُن کی معیشت کو زبردست خطرات لاحق ہیں۔دوسری طرف شرق وغرب ایک ایسی مسلمان نسل کو وجود میں آتا دیکھ رہی ہے جو اپنے شعائرِ اسلام اور اپنی تہذیبی علامتوں کو فخر وانبساط کے ساتھ اپنا رہی ہے اور اس کی خاطر ہر

طرح کے جبر اور تعصب کا مقابلہ کررہی ہے۔حتیٰ کہ اسی حجاب کی خاطر ہماری شہید بہن مروہ الشربینی نے اپنی جان کا نذرانہ دے کر ہماری اس حجاب کی تحریک کے لے مینارۂ نور بننے کی سعادت حاصل کرلی ہے۔

مشرق ومغرب میں بیدار ہونے والی مسلمان عورت اپنی اقدار وروایات پر کسی طرح کا سمجھوتہ نہ کرنے کے لیے تیار ہےاوروہ کسی کو بھی یہ حق نہ دے گی کہ وہ زبردستی اُس پر اپنا تسلط تسلیم کرالے۔اسلام مکالمے،رواداری،امن ومحبت اور سلامتی واخوت کا دین ہے۔مسلمان عورت انہی نظریات کے ساتھ پروان چڑھتی ہے۔وہ آج بھی دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے اور" جیو اور جینے دو" کے اصولوں پر اس زمین کو محبت اور سلامتی کی آغوش میں دینے کے لیے سرگرداں ہے مگر آج اس کے بنیادی فریضے حجاب کی پابندی،اس کے خاندان میں بنیادی اور دھڑکتے ہوئے دل کی مانند کرداراور مخلوط معاشرے کی تباہ کاریوں سے بچتے ہوئے محفوظ اور محبت بھرے گھریلو کردار کو شک وشبے کی نظر سے دیکھا جارہا ہےاوراس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ آئیں عورت کا تحفظ کریں،اس کی حیا اوراس کے پردے کا تحفظ کریں تا کہ ہم آنے والی نسلوں کا تحفظ کرسکیں اور اچھے خاندان وجود میں لاکر اچھے معاشروں اور اچھی قوموں سے اس زمین کو آباد کرسکیں۔

محترم ڈاکٹر گوہر مشتاق صاحب کے قلم کی میں بے حد مداح رہی ہوں۔ماہنامہ چمن بتول میں ان کی نگارشات کو بڑے شوق اور تفصیل سے پڑھتی رہی ہوں۔جب میں نے پنجاب یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی میں داخلہ لیا اور اپنے تحقیقی مقالے کے لیے طریقہ تحقیق اور اُس کی تفصیلات کا علم حاصل کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ ہمارے تحقیق کے معیار پر بہت چند مصنفین ہیں جو پورے اُترتے ہیں۔ اُن چند مصنفین میں ڈاکٹر گوہر مشتاق کا نام مجھے بہت نمایاں نظر آیا کیونکہ تحقیقی مقالے میں آپ کو تمام معلومات اور حقائق کا حوالہ دینا پڑتا ہے کہ یہ بات کس مصنف کی کون سی کتاب کے کونسے صفحے پر ہےاوراس کا ناشر کون ہے۔اسی حوالے سے اپنی عزیز

بہن صائمہ اسماء سے رابطہ کیا کہ ڈاکٹر گوہر مشتاق صاحب کا نام پتہ عنایت کر دیں تا کہ میں اپنے تحقیقی مقالے میں اُن کی مدد لے سکوں۔ اُس نے فوراً اُن کا ای میل ایڈریس بھجوا دیا اور میں نے اُن کی خدمت میں اپنا سوالنامہ اور درخواست بھجوائی کہ خاندان کے ادارے پر میری اِس تحقیق میں میری راہنمائی فرمائیں۔ مجھے بڑی خوشگوار حیرت ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب نے کچھ ہی دن بعد مجھے اُس موضوع پر بہت اہم کتابوں کی فہرست اور نہایت ہی اہم حقائق کا تجزیہ بھجوایا جو میری تحقیق میں بہت مفید اضافہ ثابت ہوا۔ میں اِس پر ان کی نہایت شکر گزار اور ممنونِ احسان ہوں۔

حجاب چونکہ میرا اپنا پسندیدہ موضوع ہے جس پر مجھے ہر وقت اپنی معلومات کو Update رکھنا پڑتا ہے تا کہ جس چیز کو ہم نے اپنا وجہ افتخار بنایا ہے اُس کی صداقت اور اُس کے فوائد کو ہم پورے عالم پر آشکار کرا سکیں کہ یہ حجاب، جبر کی نہیں بلکہ آزادی اور وقار کی علامت ہے جس کو مسلمان عورت صرف اپنے رب کریم کے حکم کی وجہ سے اپنے وجود کا فخر بناتی ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر گوہر مشتاق صاحب کے قلم کی شان میں مزید اضافہ کا سبب بنے گی اور ہمارے ایمانی جذبوں کو حرارت بخشے گی۔

اِس کتاب کے مطالعے سے ہمارا یہ یقین اور پختہ ہو جائے گا کہ حجاب ہمارا فخر بھی ہے اور حق بھی۔ یہ ایک تکریم ہے جو ہمیں ہمارے رب نے عطا کی ہے اور یہ ایسی وردی ہے جو ایک سپاہی اپنی ڈیوٹی ادا کرتے ہوئے پہنتا ہے جو اُسے ایک الگ شان سے نوازتی ہے۔ یہ ایک ایسا تحفظ ہے جو ہمیں وقار عطا کرتا ہے اور اس کی وجہ سے ہم تمام زمانے کو انکار کر دیتے ہیں کہ ہماری زینت تمہارے لیے نہیں ہے۔ حجاب میں عورت ویسے ہی محفوظ ہوتی ہے جس طرح سیپ میں موتی محفوظ رہتا ہے۔ حرم کی پاسبانی اور اپنے شعائر کی حفاظت کے لیے نیل کا ساحل تو بیدار ہو گیا ہے۔ آیئے ہم کاشغر کی خاک تک کو بیدار کرنے کے لیے اپنے حصے کی شمع جلاتے جائیں۔

کی اردو میں کتابیں درج ذیل ہیں:

1-----ایک آنکھ والا دجال ۔ (ادارہ بتول، لاہور)

2-----موسیقی، اسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں (اذان سحر پبلی کیشنز، لاہور)

3-----انسانی دل اور قبولِ اسلام ۔ ایک مذہبی اور سائنسی تجزیہ ۔

(اذان سحر پبلی کیشنز، لاہور)

4-----معرکۂ روح وبدن ۔ (ادارہ بتول، لاہور)

5-----پردہ : عقلمند خواتین کا انتخاب ۔ (مکتبہ خواتین میگزین، لاہور)

6-----داڑھی کی اہمیت قرآن وسنت اور جدید سائنس کی روشنی میں

(اذان سحر پبلی کیشنز، لاہور)

7 -----دجالی دور اور مسلم نوجوان ۔ (اذان سحر پبلی کیشنز، لاہور)

مقدمہ

دورِ جدید کے انسان کے لیئے اسلامی احکامات کو سمجھنا جتنا آسان ہوگیا ہے وہ پہلے کبھی نہ تھا۔ دورِ جدید میں سائنسی ترقی بالخصوص بیسویں صدی کی سائنسی دریافتوں نے اسلامی احکامات کو پہلی دفعہ خالص علمی بنیادوں پر قابلِ فہم بنادیا ہے۔ اِن سائنسی دریافتوں کا تعلق نہ صرف طبعی سائنسی علوم (Physical Sciences) سے ہے بلکہ عمرانی علوم (Social Sciences) بھی اُن میں شامل ہیں۔ اسلام جو ہمیشہ سے دینِ فطرت تھا، اب دورِ جدید میں سائنس نے ثابت کردیا ہے کہ اسلام کی سوشل تعلیمات اور احکامات کا مقابلہ کسی دوسرے مذہب یا ازم کی تعلیمات نہیں کرسکتیں۔ سائنس سے واقف ایک جدید انسان کے لیئے آج مذہب اسلام کو ماننا توہمات (Superstitions) کو ماننا نہیں بلکہ ممکنات کو ماننے کے مترادف ہے۔

اِس کتاب کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اجتماعی زندگی میں عورت اور مرد کے تعلق کی صحیح بنیادیں کیا ہیں اور شریعت اسلامی نے اس سلسلے میں پردے کی جو حدود و قیود مقرر کی ہیں، اُن کی حکمتیں جدید سائنسی علوم کی روشنی میں کیا ہیں۔ اِس کتاب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مغرب کے معاشرتی نظام (Western Social System) میں مروج اخلاقی اقدار (Moral Values) نہ صرف انسانی فطرت کے خلاف ہیں بلکہ انسانیت کے لیئے تباہ کن بھی ہیں۔ اِس کتاب میں عمرانی سائنسی تحقیقات پیش کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ فطرت کے قوانین سب سے اعلیٰ ہیں اور فطرت نے مرد اور عورت دونوں کو جو ذمہ داریاں سونپی ہیں (Nature Assigned Division of Labour) اُن کی مخالفت کر کے ہم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

تحریکِ نسواں کے علمبردار بہت عرصے سے یہ واویلا کر رہے ہیں کہ مرد اور عورت بالکل ایک جیسے ہیں سوائے اس کے کہ اُن کے جسموں کی بناوٹ اور جنسی وظائف مختلف ہیں۔ تحریک

نسواں والوں کے مطابق مرد اور عورتوں میں جو فرق ہمیں نظر آتے ہیں، وہ تمام معاشرے نے مصنوعی طور پر بنائے ہوئے ہیں اور ماحول کے زبردستی اثرات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہی چیز ہم مسلمان ممالک میں دیکھتے ہیں جہاں کے تحریک نسواں کے حامی (Feminists) اور مغرب زدہ روشن خیال مفکر حضرات 1950ء کے دور میں ابھی تک جی رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ عورتوں اور مردوں کی معاشرتی ذمہ داریوں میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے۔ عورتوں کو گھروں سے باہر نکل کر مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا چاہیے تاکہ ہم یک جنسی سوسائٹی (Unisex Society) قائم کرسکیں تاہم ان کے یہ دعوے سائنسی حقائق پر کم اور اپنے ذاتی نظریات یا سیاسی عزائم پر زیادہ مشتمل ہوتے ہیں۔

موجودہ زمانے میں جبکہ عالمی میڈیا اور اقوام متحدہ (United Nations) دراصل "اسلام کے خاندانی نظام کے خلاف اقوامِ متحدہ" (United Nations against Islamic Family System) بن چکے ہیں، اِس بات کی ضرورت تھی کہ جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں اسلام میں خواتین کے مقام پر کتاب لکھی جائے۔ اس کتاب میں، میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ جو بھی سائنسی تحقیق پیش کروں، وہ مامور اور مؤقر سائنسی جرائد (Scientific Journals) سے مکمل حوالوں کے ساتھ ہوں۔

آج ہمارے پاس سائنسی حقائق اور دلائل موجود ہیں، جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ مردوں اور عورتوں میں پیدا ہونے سے بھی پہلے فرق (Gender differences) موجود ہوتے ہیں۔ تاہم عوام، مسلمان ممالک کے روشن خیال مفکر اور تحریک نسواں کے حامیوں کو مردوں اور عورتوں کے دماغی فرق کی سائنس یعنی "Science of Brain Sex" کی کچھ خبر نہیں ہے۔

آج کے جدید مغربی کلچر میں ہم یہ عجیب ستم ظریفی دیکھتے ہیں جو مردوں اور خواتین کے لباس سے عیاں ہوتی ہے۔ مردوں کے لیے مکمل اور ڈھیلے ڈھالے کپڑے جبکہ عورتوں کے لیے چُست اور باریک (tight and transparent) کپڑے فیشن سمجھے جاتے ہیں۔ مرد اگر مکمل کپڑوں سے اپنے جسم کو نہ ڈھانکیں اور سوٹ نہ پہنیں تو اُن کا لباس نامکمل سمجھا جاتا ہے

جبکہ عورتوں کے لباس سے جتنا زیادہ جسم باہر جھانکے، ان کے لباس کی تعریف کی جاتی ہے۔ عورتوں کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ کم تر لباس پہننے سے معاشرے میں اُن کی عزت بڑھتی ہے۔ مرد حضرات عورت کے جسم کی کمرشل اشتہارات ،میڈیا، ٹی وی اور رسالوں میں نمائش کر کے خوب پیسہ کماتے ہیں۔ عورت کے جسم کا میڈیا پر ہر صورت میں استحصال کیا جاتا ہے۔ امریکہ کے یہودی مفکر نیل پوسٹ مین (Neil Postman) نے اسی بارے میں اپنی کتاب "Conscientious Objections" میں لکھا تھا کہ ہماری تصاویر کی شوقین سوسائٹی (Image-based society) دراصل شہوت پرستی (Sexuality) میں غرق ہے اور اب ٹی وی، فلم اور اشتہارات کے کیمروں نے ہمارے معاشرے کی نوعمر لڑکیوں کا رُخ کرلیا ہے تا کہ اُن سے اُن کی معصومیت چھین لے۔ نیل پوسٹ مین کے الفاظ میں:

”آجکل کا میڈیا حیا سوز مناظر کی بھر مار کر کے پوری آبادی کو ایک شدید قسم کے جنسی جذبات کے ہیجان (high sexual excitement) میں رکھتا ہے۔“(1)

مغرب کی خاتون مصنف اور محقق وینڈی شیلیٹ (Wendy Shelit) نے اپنی کتاب "A Return to Modesty" (شرم وحیا کی طرف واپسی) میں اس بات پر افسوس کیا ہے کہ موجودہ روشن خیالی کے دور (Age of Enlightenment) میں عورت کی شرم و حیا (Modesty) اور مرد کی اپنی عورت کے لیئے غیرت (Male Honour) کے کوئی معنی نہیں رہے۔(2)

میں زیر نظر کتاب اسی لیئے لکھ رہا ہوں تا کہ اس کھوئی ہوئی اخلاقی قدر کو دوبارہ سے دریافت کیا جائے اور اسلام کے پردے کے قوانین کی ابدیت اور افادیت کو ثابت کیا جا سکے۔ اسلام انسانی تاریخ میں عورتوں کا سب سے بڑا محسن ہے۔ اسلام کے قوانین حجاب میں عورت کے

---

(1) Postman, Neil (1992). Conscientious Objections. New York, Vintage Books.

(2) Shalit, Wendy (1999). A Return To Modesty: Discovering the Lost Virtue. New York, The Free Press.

لیئے آزادی، تحفظ اور پناہ موجود ہے۔ جب ایک مسلمان عورت پردہ کرتی ہے تو وہ باہر کی دنیا کی نظروں کی چوری (Visual Theft) سے اپنے جسم کو بچاتی ہے۔ جدیدیت کے خراب اخلاقی موسم میں پردہ دراصل ایک عورت کے لیئے "اخلاقی برساتی" (Moral Raincoat) کا کام دیتا ہے اور طوفانی موسم کے بُرے اثرات سے اُسے بچاتا ہے۔

اِس کتاب کے لکھنے کے دوران جن لوگوں نے میری معاونت کی، اُن کا میں شکر گزار ہوں۔ اُن میں میرے اساتذہ بالخصوص عبدالرحمٰن کاشمیری اور امام طارق شمی التیونسی شامل ہیں۔ اسکے علاوہ میں محقق اسلام حافظ محمد زبیر صاحب کا خصوصی طور پر ممنون ہوں کہ نہ صرف میں نے اُن کی علمی تحقیقات سے استفادہ کیا بلکہ اُن سے بعض احادیث کی تخریج میں بھی بلاواسطہ فیض حاصل کیا۔ میرے والدین (مشتاق حسین چوہدری اور فریدہ مشتاق) اور میری خالہ اور ساس خالدہ اشتیاق بھی خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔ میں اپنی بیٹیوں حادیہ اور حریم اور اپنی بیوی سعدیہ کی اسلامی حجاب سے محبت اور اپنے بیٹوں عنایت اللہ اور حبیب اللہ کی معاونت کا شکر گزار ہوں۔ مزید برآں، میں سعدیہ کا اس لیئے بھی ممنون ہوں کہ اُس کے زنانہ وجدان (feminine intuition) نے اِس کتاب کے لکھنے میں قدم بقدم پر میری معاونت کی۔

وَمَاتَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰه

گوہر مشتاق

امریکہ 2011ء

باب 1

خواتین معاشرتی عمارت کا سنگ بنیاد ہوتی ہیں

قرآن میں سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ○ (النساء: ١)

"لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دُنیا میں پھیلا دیے۔ اُس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔ یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔"

چونکہ مرد اور عورت کو ایک ہی جان سے پیدا کیا گیا ہے، اس لیئے اللہ کے ہاں اُن کا مقام برابر ہے۔ چودہ سو سال پہلے اسلام نے عورتوں کو مرد کے برابر مقام عطا کر کے خواتین کی اخلاقی اور روحانی ترقی کو لامحدود کر دیا۔ انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ اسلام وہ مذہب ہے جس نے عورت کو ایک منفرد شخصیت عطا کی۔ قرآن نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا۔ وہ لباس کی طرح ایک دوسرے کی شخصیت کی تکمیل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کا معاشرتی نظام فطرت کے عین مطابق ہے۔ ہم اس دنیا میں فطرت سے جنگ کر کے کبھی جی نہیں سکتے۔ بلکہ

فطرت کے اصولوں کے عین مطابق رہنے میں ہی ہماری بقا ہے۔ مغرب کے عمرانی سائنس دان (Social Scientists) اور مفکرین بھی زمانے کی ٹھوکریں کھا کر اسی نتیجے پر پہنچ رہے ہیں جس کی طرف روزِ اول سے اسلام انسانیت کی راہنمائی کر رہا تھا۔

گوکہ آج کے مغربی میڈیا (Reuters, BBC, CNN) وغیرہ کا مقصد ہی اسلام کا کو بدنام کرنا اور یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلام میں خواتین پر ظلم کیا جاتا ہے تاہم یہی مغربی میڈیا اس بات پر حیران اور خائف ہے کہ مغربی ممالک میں اسلام قبول کرنے والے نومسلموں میں سے 80فی صد خواتین ہیں یعنی ہر نومسلم مرد کے مقابلے میں چار خواتین اسلام قبول کرتی ہیں۔ اگر اسلام عورتوں کو آزادی نہیں دیتا تو آخر کیوں یورپ اور امریکہ کی خواتین اسلام قبول کر کے اُس کی "قید" میں آنا پسند کر رہی ہیں۔ یہ کوئی حُسنِ اتفاق نہیں۔

اُن مغربی نومسلم خواتین کو ضرور اسلام میں عزت، وقار اور آزادی نظر آتی ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام قبول کرتی ہیں۔ لندن کے ٹائم میگزین (Time Magzine) کی 9 نومبر 1999ء کی اشاعت میں خاتون صحافی لُوسی بیرنگٹن (Lucy Berrington) رقمطراز ہے:

"مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ برطانوی نومسلموں کی اکثریت خواتین پر مشتمل ہے، ان حالات میں جبکہ مغرب میں یہ خیال عام ہے کہ اسلام عورتوں کو حقیر سمجھتا ہے۔ امریکہ میں خواتین نومسلموں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں چار گنا زیادہ ہے جبکہ برطانیہ میں دس سے بیس ہزار نومسلموں کا بڑا حصہ خواتین نومسلموں پر مشتمل ہے جو کہ برطانیہ کی ایک سے ڈیڑھ ملین مسلم کمیونٹی کا حصہ ہیں۔"

اسی طرح امریکہ کی یونیورسٹی آف وسکانسن کی خاتون محقق پروفیسر میک گنٹی (Anne Manssen McGinty) نے اپنی کتاب Becoming Muslim; Western

Women's Conversion to Islam میں سویڈن اورامریکہ کی نومسلم خواتین پر تحقیق کی۔وہ لکھتی ہیں کہ تمام خواتین جن کا انھوں نے سروے کیا،وہ حجاب لینے کی انتہائی شوقین تھیں بلکہ میک گنٹی کے الفاظ میں حجاب مغرب میں قبول اسلام کی ایک طاقتور علامت بن گیا ہے۔

"The veil has become a powerful symbol of the complexity of Islamic conversion." (1)

پروفیسر میک گنٹی کے مطابق اُن مغربی نومسلم خواتین نے انہیں بتایا کہ اسلام نے انہیں ایک نئی قسم کی نسوانیت (new type of womenhood) آزمانے کا موقع عطا کیا۔ایسی نسوانیت جس میں عفت وپاکدامنی پر زوردیا جاتا ہےاور جس میں عورت کے چہرےاور جسم کی بجائے اُسکی اندرونی شخصیت کی اہمیت دی جاتی ہے۔

سویڈن کی اپسالا یونیورسٹی (Uppsala University) کی محقق طالبہ میڈ یلین سلطان نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے "Vi belev Muslimes" میں سویڈن کی نومسلم خواتین کے تجربات کا بحیثیت ایک سوشیالوجسٹ کے تجزیہ کیااور یہ نتیجہ نکالا:

"اُن نومسلم خواتین نے مسلمانوں کی عائلی زندگی (Family Life) کے ساتھ اپنی گہری وابستگی پر زوردیا۔اُن خواتین نے اس بات کواجاگر کیا کہ اسلام میں عورتوں اور مردوں کے درمیان برابری ہے ... وہ اب اپنے آپ کوآزاد خواتین (Liberated Women) سمجھتی ہیں، جنھوں نے حجاب کر کے اپنے آپ کو معاشرے کی ہوس بھری نگاہوں سے آزاد کرلیا ہے ... نومسلم خواتین اسلام قبول کر کے ہماری جدید سوسائٹی کے عورت کو اُس کی جسمانی ساخت

---

(1) McGinty, Anna Mansson (2006) Becoming Muslim: Western Women's Conversions to Islam. New York, Palgrave MacMillan.

کی بناپر جانچنے کے جنون کے خلاف احتجاج کرتی ہیں۔اس کی وجہ مغرب میں خواتین کے لیے حالاتِ زندگی مشکل ہیں جس میں عورت کو بیک وقت اپنے کیریئر کی فکر بھی کرنی پڑتی ہے اور گھریلو ذمہ داریاں بھی سنبھالنی پڑتی ہیں۔یہ بھی ان کے قبولِ اسلام میں کردار ادا کرتی ہے۔ اُن میں سے بہت سی خواتین یہ محسوس کرتی تھیں کہ ان کی زندگی میں کوئی مقصد نہیں ہے اور عیسائیت بھی انہیں کوئی متبادل راہ نہیں پیش کرتی۔" (1)

سویڈن کی نومسلم خواتین نے میڈلین سلطان کو بتایا کہ وہ اب اپنے آپ کو آزاد (Liberated women) خواتین سمجھتی ہیں۔جنھوں نے حجاب کر کے اپنے آپ کو معاشرے کی ہوس بھری نگاہوں سے آزاد کرلیا ہے۔

اگر ہم تاریخ کے صفحات پر نظر ڈالیں تو ہم دیکھیں گے کہ ٹھیک اُس وقت جبکہ رسول کریم ﷺ نے انسانیت کو پیغام دیا کہ اپنی عورتوں سے نرمی کا سلوک کرو، یورپ میں عورت کے مقام کو متعین کرنے کے لیئے کانفرنس منعقد ہوئی۔اس کانفرنس میں عیسائی مذہبی علماء کونسل آف میکون (Council of Macon) میں 585ء میں جمع ہوئے اور اس پر بحث کی کہ کیا عورت کے اندر روح موجود ہے یا یہ روح کے بغیر صرف جسم پر مشتمل ہے۔آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ عورت کے اندر روح نہیں ہوتی جو اُس کی نجات کر سکے اور انہوں نے اس سے صرف مریمؑ کو مستثنٰی قرار دیا۔

اُسی زمانے میں 586ء میں فرانس میں بھی ایک کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں اِس بات پر بحث ہوئی کہ کیا عورت کے اندر روح پائی جاتی ہے یا نہیں اور اگر روح ہے تو کیا جانوروں والی

---

(1) Sultán Sjöqvist, Madeleine (2006) Vi blev muslimer Svenska kvinnor berättar. En religionssociologisk studie om konversionsberättelser. Uppsala: ACTA Universitatis Upsaliensis (Theses from Uppsala University, Department of Theology, Sociology of Religions)

روح ہے یا انسانوں والی۔ آخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ عورت میں روح پائی جاتی ہے لیکن اُس کی تخلیق کا مقصد صرف مرد کی خدمت کرنا ہے۔ مغرب میں ارسطو کو اُستادِ اول کہا جاتا ہے۔ اسی ارسطو نے کہا تھا کہ عورتیں مردوں سے کم تر ہیں کیونکہ اُن کے منہ میں مردوں کے مقابلے میں کم دانت ہوتے ہیں۔ اسی بات کا ذکر عصر حاضر کے دہریہ فلسفی برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell) نے اپنی کتاب Impact of Science on Society (مطبوعہ: 1956ء) میں کیا تھا۔ "ارسطو کا یہ نظریہ تھا کہ عورتوں کے منہ میں مردوں سے کم دانت ہوتے ہیں گو کہ اس نے دو مرتبہ شادی کی لیکن اس نے اپنے اس نظریے کی صداقت معلوم کرنے کے لیئے اتنا نہیں کیا کہ اپنی بیویوں کے منہ میں دانتوں کو گن لیتا۔" (1)

اسلام نے عورت کو اتنا بلند مقام عطا کیا کہ قرآن نے ایک پوری سورت کا نام "سورۃ النساء" رکھ دیا اور ایک دوسری سورت "سورۃ مریم" اور تیسری "المجادلۃ" (تکرار کرنے والی)۔ اسلام نے خواتین کے مقام کو بلند کر کے مردوں کے برابر کر دیا۔ عورتوں کو مردوں کی طرح اللہ پر ایمان لانے اور اُسکی عبادت کرنے کا حکم ہے۔ عورتوں کو مردوں کی طرح آخرت میں جزا و سزا ملے گی۔ عورتوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کریں۔ حق بات کی نصیحت کریں، نیکی کا حکم دیں، برائی سے روکیں اور اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیں۔ اسلام خواتین کو جائیداد رکھنے، اپنی ملکیت کی اشیاء کو خریدنے، بیچنے، وراثت میں حاصل کرنے، صدقہ میں دینے اور تحائف بھی دینے کا حق عطا کرتا ہے۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ عورت کی ملکیت میں دولت کو اسکی مرضی کے بغیر لے۔ علم حاصل کرنا بھی خواتین کا حق ہے، بالخصوص مذہبی علم اُن کو سکھانا اُن کے باپ، بھائی اور خاوند کا فرض ہے۔ عورت کی زندگی، ملکیت، عزت اُسی طرح مقدس ہیں جس طرح مرد کی۔ اگر وہ کوئی جرم کرے گی تو اسکی سزا مرد کے برابر ہوگی اور اگر اس کے ساتھ ظلم ہوگا تو اُس کی تلافی اسی طرح کی جائے گی جیسے کسی مرد پر ظلم کی صورت میں

---

(1) Russel, Bertrand (1956) Impact of Science on Society, New York.

اس مرد کے نقصان کی تلافی کی جاتی۔ اِن تمام باتوں کے ساتھ ساتھ اسلام یہ بھی سمجھتا ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے سے مختلف ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالأُنثَى (سورة آل عمران: آيت ٣٦)

ترجمہ: اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا۔

لیکن اِس فرق کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دونوں جنسیں ایک دوسرے کی دشمن ہیں۔ اُن کی پیدائش ایک دوسرے سے ہوئی ہے اور انہیں ایک دوسرے کے لیے تخلیق کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (سورة الروم- ٢١)

"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں تا کہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی۔"

دراصل اسلام نے عورت کی نسوانیت کی ہمیشہ قدر کی ہے۔ اسلام نے عورت کے حقوق اور ذمہ داریاں مرد کے برابر رکھی ہیں لیکن ایک جیسی (Identical) نہیں رکھیں۔ مرد اور عورت برابر ہیں لیکن ایک جیسے نہیں۔ اسلام عورتوں اور مردوں کے لیئے مختلف دائرہ کار مقرر کرتا ہے۔ معاشرے میں عورتوں اور مردوں کے تعلقات کی فضا کو صحت مند رکھنے کے لیئے اسلام کچھ قوانین مقرر کرتا ہے۔ عورت کی نسوانیت کی حفاظت اور اُسے استحصال سے بچانے کے لیئے اسلام خواتین اور اُنکے استحصال کے درمیان رکاوٹ کھڑی کرتا ہے اور عورت کو معاشرے کے بھیڑیوں اور شکاریوں سے بچاتا ہے۔ اسلام اِس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ خواتین مردوں کے مقابلے میں صنف نازک ہیں، اس لیئے اُن کے نان نفقہ اور دیگر معاشی ذمہ داریاں مرد پر ڈالتا ہے۔ اسلام

کسی مرد کو اِسکی اجازت نہیں دیتا کہ وہ بنیادی ضروریات کے حصول کے لیئے عورت کو گھر سے باہر نکلنے پر مجبور کرے، جس چیز کے ہاتھوں آج مغرب کی عورت تنگ ہے (جیسا کہ اگلے ابواب میں اِس بات پر بحث ہوگی)۔

مثبت مسلمان خاتون کی طاقت

(The Power of a Positive Muslim Woman)

اسلام نے عورت کو بعض ایسے حقوق عطا کیئے ہیں جن سے مرد حضرات محروم ہیں۔ایام حیض میں وہ نماز اور روزہ سے مستثنیٰ ہوتی ہیں۔عورت پر معاشی ذمہ داریاں نہیں ڈالی گئیں۔ماں کی حیثیت سے اللہ کی ہاں اُس کا مرتبہ اور مقام باپ کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ماں اپنی اولاد کی تین چوتھائی محبت اور خدمت کی حقدار ہوتی ہے جبکہ باپ کے لیئے صرف ایک چوتھائی حصہ باقی بچتا ہے۔بیوی کی حیثیت سے وہ اپنے ہونے والے خاوند سے اپنی مرضی کے مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے جو اُس کی ملکیت بن جاتا ہے۔(لڑکی والوں کی طرف سے لڑکے والوں کو جہیز دینے کی رسم تو مسلمانوں نے ہندو مذہب سے محبت میں اختیار کی ہے ورنہ اسلام نے اس کا حکم نہیں دیا تھا)۔بیوی کی حیثیت سے اُس کی معاشی ضروریات کا بوجھ اُس کے خاوند پر ہوتا ہے۔اُسے گھر کے اخراجات ادا کرنے میں خاوند کے ساتھ شریک نہیں ہونا پڑتا۔عورت ایک آزاد شخصیت رکھتی ہے، جس کی روحانی ترقی پر کوئی رکاوٹ نہیں۔وہ اپنی فطرت کے لحاظ سے کسی صورت مرد سے کم نہیں۔دونوں کو اللہ کے حضور جوابدہ ہونا ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ

''جواب میں ان کے رب نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔خواہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے سے ہو۔''

دراصل ایک مثبت خاتون کی طاقت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ ایک بیوی کی حیثیت سے مرد کے اندر کی مخفی بے پناہ صلاحیتیوں کو ایک صحیح سمت عطا کرتی ہے اور وہ ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔ شادی کے ذریعے ایک بیوی مرد کو مہذب بناتی ہے اور اس میں اپنی فیملی کو چلانے کے لیئے احساس ذمہ داری اور انفرادیت کا احساس پیدا کرتی ہے۔

حقوق نسواں کے علمبردار یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سوسائٹی کی بنیاد مردانہ بالا دستی (male dominance) پر ہوتی ہے جس میں عورت کا استحصال ہوتا ہے۔ ثبوت کے طور پر وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مرد کی نسبتاً زیادہ کمانے کی صلاحیت سے عورت کا استحصال ہوتا ہے حالانکہ یہ دعویٰ صحیح نہیں کیونکہ معاشی پیداوار معاشرے پر کنٹرول کی نشانی نہیں بلکہ معاشرے کی خدمت (Social Service) کی علامت ہوتی ہے۔ فی الحقیقت معاشرے کی بقاء کا انحصار عورت کی طاقت پر ہوتا ہے۔ ایک عورت اولاد پیدا کر کے معاشرے کی معیشت پر نہ مٹنے والا نقش چھوڑتی ہے۔ امریکی ماہر معاشیات اور معاشرتی نقاد جورج گلڈر اپنی کتاب (Men & Marriage) میں لکھتا ہے:

''اولاد پیدا کرنے کی صورت میں ہر عورت تخلیق کا ایسا کارنامہ سرانجام دیتی ہے کہ جس سے وہ اس دنیا کے نقشے کو بدل دیتی ہے (یعنی آبادی میں اضافہ کر کے) اور یہ ایسی چیز ہے کہ جس میں انتہائی قابل مرد بھی عورت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ عورتیں مارکیٹ کی معیشت کو کنٹرول نہیں کرتیں بلکہ معاشرتی زندگی کی معیشت کو کنٹرول کرتی ہیں جس پر ہمارے معاشرے اور ہماری زندگیوں کا انحصار ہوتا ہے ..... خواتین کے باطن میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں وہی معاشرے کی ظاہری زندگی کا فیصلہ کرتی ہیں اور اسی چیز پر قوم کی خوشی، قوت، تخلیقی صلاحیت، اخلاقی اقدار اور یکجہتی کا انحصار ہوتا ہے۔ جب اس میں زوال آجائے تو پوری سوسائٹی کی عمارت نیچے آگرتی ہے۔'' (1)

---

(1) Gilder, George (2001) Men and Marriage. Louisiana, Pelican Publishing Company.

تاریخ اسلام مثبت خواتین کی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ جنھوں نے تاریخ کے صفحات پر گہرے نقوش چھوڑے۔انہوں نے اپنے گھروں میں رہتے ہوئے معاشرے پر وہ اثرات چھوڑے،جن پر گھر سے باہر رہنے والے مرد بھی رشک کرتے ہیں ۔مثلاً

۱۔پہلا فرد جو رسول کریم ♋ پر ایمان لایا،وہ ایک خاتون تھیں یعنی حضرت خدیجہؓ۔

۲۔اس دنیا کا پہلا فرد جس نے رسول اللہ ♋ کی اقتداء میں نماز پڑھی،وہ ایک خاتون تھیں یعنی حضرت خدیجہؓ۔

۳۔اسلام کے راستے میں پہلی شہید بھی ایک خاتون تھیں یعنی حضرت سمیہ ♎ جو عمار بن یاسر ♍ کی والدہ تھیں۔

۴۔حضرت عمرؓ بن خطاب کہ جن کے اسلام قبول کرنے سے مکہ کے مجبور مسلمانوں کو تقویت حاصل ہوئی۔اُن کے اسلام لانے کا موجب اُن کی بہن حضرت فاطمہ بنت خطاب ♎ تھیں۔

۵۔ جب آفتاب نبوت طلوع ہوا اور رسول اکرم ♋ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ♋ گھر آکر خوف کی حالت میں کانپ رہے تھے تو ایک خاتون یعنی حضرت خدیجہ ♎ نے آپ ♋ کو کمبل اوڑھایا اور تسلی دی۔اسی طرح جب حضور ♋ اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے اور آفتاب نبوت غروب ہو رہا تھا تو آنحضرت ♋ کا سر ایک خاتون یعنی حضرت عائشہ ♎ کی گود میں تھا۔

۶۔ جب حضرت ابوبکر صدیق ♍ کے دور میں قرآن کو تحریری صورت میں جمع کیا تو قرآن کے پہلے مکمل مصحف کو ایک خاتون یعنی عمر فاروق ♍ کی بیٹی حضرت حفصہ ♎ کی تحویل میں دیا گیا۔

۷۔ قرآن نے نیک خواتین کو حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ(غیب کی حفاظت کرنے والیاں یا کسی کی

غیر موجودگی میں حفاظت کرنے والیاں) کہا ہے۔(سورۃ النساء:۳۴)

یہ دلچسپ بات ہے کہ اگر ہم احادیث کی تاریخ دیکھیں تو ہمیں رسول کریم ﷺ کی ایک بھی ایسی حدیث نہیں ملے گی جو کسی خاتون راوی کے جھوٹ کی وجہ سے رد کی گئی ہو۔

امام ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:

''ایسے بہت سے مرد حضرات جنہوں نے جھوٹی احادیث گھڑیں لیکن تاریخ اسلام میں ہمیں ایک بھی ایسی عورت نہیں ملتی کہ جس پر اس بات کا الزام لگا ہو کہ اُس نے حضور ﷺ کی طرف جھوٹی حدیث منسوب کی ہو۔''

اِس لحاظ سے دیکھا جائے تو تاریخ اسلام میں خواتین نے اسلامی علوم کو اگلی نسلوں تک ہمیشہ دیانتداری کے ساتھ منتقل کیا اور یہی ایک مثبت خاتون کی طاقت ہے۔

وہ میدان جن میں خواتین مردوں سے بہتر ثابت ہوتی ہیں

اسلام میں عورت کا درجہ مرد کے برابر (Equal) ہے مگر اسلام مرد اور عورت کو ایک جیسا (Identical) تسلیم نہیں کرتا۔ چونکہ عورت کو مرد سے پیدا کیا گیا، اس لیئے دونوں ایک دوسرے کی شخصیت کی تکمیل کرتے ہیں۔ مرد اور عورت دونوں کی شخصیات میں اللہ تعالیٰ نے بعض کمزوریاں فطرتاً رکھی ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کی کمی اور کمزوریوں کو پورا کرتے ہیں۔ واقع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو جوڑے (Pairs) کی صورت میں تخلیق فرمایا ہے:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کلھا۔ (سورۃ یٰسین: ۳۶)

(پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو جوڑے جوڑے کی صورت میں پیدا فرمایا)

یہ جوڑے (Pairs) انسانوں میں بھی ہیں، جانوروں میں بھی، نباتات میں بھی اور اللہ تعالیٰ کی دوسری تخلیقات میں بھی جن کا انسان کو علم نہیں۔ اگر اس نقص سے کوئی پاک ہے تو وہ

اللہ کی ذات ہے جس کا نہ کوئی جوڑ ہے اور نہ کوئی ہمسر۔

اوپر بیان کی گئی بحث سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ بعض میدانوں میں مرد اپنی کارکردگی میں خواتین سے بہتر ہوتے ہیں اور بعض میدانوں میں خواتین اپنی صلاحیتوں اور کارکردگی میں مردوں سے کئی گنا بہتر ہوتی ہیں۔

وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَى (سورۃ آل عمران:۳٦)

(اور مرد عورت کی طرح نہیں ہوتے)

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مردوں اور عورتوں کے لیئے مختلف دائرہ کار مقرر کر دیئے ہیں۔ بہت مدت سے ہم مردوں کی عورتوں کے مقابلے میں اعلیٰ صلاحیتوں کا چرچا سنتے آرہے ہیں مثلاً مرد، عورتوں سے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں، اُن سے زیادہ تیز رفتار کے ساتھ بھاگ سکتے ہیں، عورتوں سے زیادہ دور تک دیکھ سکتے ہیں، مرد عورتوں سے زیادہ جنگجو ہوتے ہیں، زیادہ خطرات مول لیتے ہیں، مرد عورتوں کی طرح جذباتی نہیں ہوتے، وغیرہ وغیرہ۔ اسکے برعکس عورتوں کے حقوق کے حامی حتیٰ کہ تحریک نسواں والے بھی اس سے واقف نہیں کہ کن میدانوں میں خواتین مردوں سے کئی گنا زیادہ بہتر صلاحیتیں رکھتی ہیں۔

آج جدید سائنسی تحقیقات ہمیں بتاتی ہیں کہ خواتین کے حواسِ خمسہ (five senses) مردوں سے زیادہ تیز ہوتے ہیں بالخصوص خواتین اور بچیوں کی قوت سماعت مردوں سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔(1)

خواتین کی قوت گویائی بھی مردوں سے اعلیٰ ہوتی ہے۔ چھوٹی لڑکیاں، لڑکوں سے پہلے بولنا شروع کرتی ہیں، اُن سے پہلے کتابیں پڑھنا شروع کر دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بولنے کی

---

(1) Garai, J. E. and Scheinfeld, A. (1968). "Sex Differences in Mental and Behavioral Traits." Genetic Psychology Monographs 77: 169-299.

بیماریاں مثلاً ہکلانا وغیرہ لڑکوں میں لڑکیوں کی نسبت کہیں زیادہ پائی جاتی ہیں۔(1)

فی الحقیقت، لڑکیوں کے قوت گویائی سے متعلقہ دماغی حصے (brain regions) لڑکوں کے مقابلے میں 6 سال زیادہ ترقی یافتہ ہوتے ہیں۔(2)

اب ہم سمجھ سکتے ہیں کہ بچے جب پورے دن گھر میں ماں کو سوال کر کر کے کھپاتے ہیں تو ماں کی قوت گویائی کی صلاحیتوں کا تیز ہونا کیوں اہم ہے اور گھر کے کسی کونے میں یا آدھی رات کے وقت بچہ جب روتا ہے تو باپوں کے کانوں پر اکثر اوقات جوں تک نہیں رینگتی لیکن اپنی سننے کی اعلیٰ صلاحیتوں کی وجہ سے ماں بچے کو سنبھالنے کے لیے فوراً پہنچ جاتی ہے۔

سائنسی تجربات نے یہ بھی بتایا ہے کہ خواتین چاہے چھوٹی بچیاں ہوں یا بڑی عورتیں، چہرے کے تاثرات (face reading) میں بہت ماہر ہوتی ہیں حتیٰ کہ ساڑھے تین سال کی لڑکیاں پانچ سال کے لڑکوں کے مقابلے میں کسی کے چہرے کے تاثرات اور خفگی کے تاثرات کو کئی گنا بہتر انداز میں پڑھ سکتی ہیں۔(3)

اس میں شک نہیں کہ خواتین ہی خاندانوں کو جوڑ کر رکھتی ہیں اور اس میں اُن کی مزاج شناسی کا گہرا دخل ہوتا ہے۔ مزید برآں، بچہ اپنی پریشانی کو سب سے چھپا لیتا ہے لیکن اپنی ماں سے نہیں چھپا سکتا۔ بالآخر بچے اپنی ماں کے آگے اپنے ''چھوٹے چھوٹے راز'' اُگل دیتے ہیں اور اپنی پریشانیاں انہیں اپنی ماں کو بتانی ہی پڑتی ہیں۔ آخر وہ ماں سے اپنی پریشانیاں کیسے

---

(1) Durden-Smith, J. & De Simone, D. (1983). Sex and the Brain. London, Pan Original.

(2) Hanlon, Harriet, Robert Thatcher and Marvin Cline (1999). "Gender Differences in the Development of EEG Coherence in Normal Children." Developmental Neuropsychology 16(3): 479-506.

(3) Boyatzis, Chris, Chazan, E. & Ting, C.Z. (1993). "Preschool children's decoding of facial emotions." Journal of Genetic Psychology 154: 375-382.

چھپائیں کہ ماں کو اللہ نے ایسی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں کہ وہ اپنے بچوں کے چہرے پر سے اُن کی اندرونی حالت کو پڑھ لیتی ہے۔ حتیٰ کہ جوان شادی شدہ بچے بھی اپنی ماؤں کے سامنے بہت کم اپنی پریشانیوں کو چھپا سکتے ہیں۔

خواتین کی اندھیرے میں دیکھنے کی صلاحیت بہتر ہوتی ہے جبکہ مردوں کی تیز روشنی میں دیکھنے کی صلاحیت زیادہ تیز ہوتی ہے۔ اِس لحاظ سے گھر سے باہر دن کی تیز روشنی میں مرد کو کام کرنے کے لیئے اللہ تعالیٰ نے یہ صفت عطا کی ہے جبکہ گھر کے اندر جہاں باہر کے مقابلے میں ہمیشہ کم روشنی ہوتی ہے، عورت کو اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کی اعلیٰ صلاحیت دی ہے۔ پھر رات کی تاریکی میں بچے کی ضروریات کا جائزہ لینا ایسا مشکل کام ہے کہ یہ صرف وہی انجام دے سکتا ہے جسے اندھیرے میں دیکھنے کی صلاحیت اعلیٰ حاصل ہو۔

سائنسی تحقیقات کے مطابق خواتین کی بصری یاداشت (Visual Memory) بھی مردوں کے مقابلے میں بہتر ہوتی ہے۔ (1)

اپنی اعلیٰ بصری یاداشت کی وجہ سے خواتین مردوں کی مقابلے میں گھر کو سجانے کا کام بطریق احسن کرتی ہیں اور انہیں گھروں کے اندر کی سجاوٹ کا انداز بھی زیادہ اچھی طرح یاد رہتا ہے۔ چنانچہ جب بیویاں اپنے خاوندوں سے یہ گلہ کریں کہ "میری فلاں سہیلی کے گھر میں فلاں فلاں چیزیں اتنی اچھی سجی ہوئی تھیں جبکہ ہمارے گھر میں یہ سب کچھ نہیں ہے۔" (جبکہ مردوں نے اُس سجاوٹ پر کوئی توجہ نہیں دی ہوتی) تو خاوندوں کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ دراصل اللہ نے خواتین میں گھروں کو سجانے کا ذوق بہت اعلیٰ پیانے پر رکھا ہے۔ ہاں البتہ خواتین اپنے اِس سجاوٹ کے ذوق کو صحیح تسکین صرف جنت ہی میں کرسکیں گی۔ جہاں کی خوبصورتی اور اندرونی سجاوٹ (Interior Designing) کا کوئی مقابلہ نہیں، جہاں کے محلوں میں ایک اینٹ سونے کی تو دوسری چاندی کی ہوگی۔ جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے تو یہ تو ایک مسافر کی عارضی

---

(1) McGuiness, D. (1976). "Sex Differences in Organization, Perception and Cognition." Exploring Sex Differences, Lloyd, B. & Archer, J. (eds.). London, Academic Press. pp. 123-155.

قیام گاہ ہے جبکہ آخرت کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے۔

جدید سائنسی ریسرچ سے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ خواتین کی قوت ذائقہ (Sense of Taste) مردوں سے زیادہ لطیف اور تیز ہوتی ہے۔(1)

یہی وجہ ہے کہ گھر میں لذیذ کھانے بنانے میں خواتین کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے خواتین کو اعلیٰ قوتِ ذائقہ عطا فرمائی کیونکہ اُن کا اصل دائرہ کار گھر ہوتا ہے۔ مرد اگر باہر سے نان نفقہ خرید کر لاتا ہے تو ایک خاتون خانہ ہی اُسے گھر میں تیار کرتی ہے۔

خواتین کی قوت ادراک (intuitive Power) بھی مردوں کے مقابلے میں بہت تیز ہوتی ہے۔ مردوں کی ریڈار سکرین جو چیزیں نہیں دیکھ سکتی، وہ خواتین کی قوتِ ادراک دیکھ لیتی ہے۔ کئی مرتبہ صرف آواز کے اتار چڑھاؤ سے ہی خواتین کئی معاشرتی اشارات (Social Cues) کو بھانپ لیتی ہیں۔(2)

برطانیہ کی خاتون سائنسدان این موئر (Anne Moir) اِس سلسلے میں بہت دلچسپ بات لکھتی ہیں:

"Men sometimes become exasperated at a woman's reaction to what they say. They do not realize that women are probably 'hearing' much more than what the man himself thinks he is 'saying'. Women tend to be better judges of character."

(کئی مرتبہ مرد حضرات اپنی بیوی کی طرف سے اپنی کسی بات کے جواب پر سٹ پٹا جاتے

---

(1) Garai, J. E. and Scheinfeld, A. (1968). "Sex Differences in Mental and Behavioral Traits." Genetic Psychology Monographs 77: 169-299.

(2) Bardwick, J. P. (1971). The Psychology of Women. New York, Harper Row.

ہیں۔ وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ وہ جو بات کہہ رہے ہوتے ہیں، انکی بیوی اُس سے کہیں زیادہ سن رہی ہوتی ہے۔ خواتین انسانی کردار کی زیادہ بہتر جج ہوتی ہیں۔) (1)

یہی وجہ ہے کہ بچے کی کردار سازی اور شخصیت کو پروان چڑھانے میں ماں سے زیادہ اہم کردار کسی دوسرے کا نہیں۔ اب اگر ماں بچوں کی شخصیت سازی کے عظیم کام کو چھوڑ کر کیریئر کی تلاش میں نکل کھڑی ہوگی (الا یہ کہ اُسے کوئی شدید مجبوری لاحق ہو مثلاً طلاق یافتہ خواتین یا بیوہ خواتین یا جن کا خاوند معذور یا بیمار ہو، وغیرہ) تو بچوں کی تربیت کا کام اُسی جگہ رک جاتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو تیز حساسیت ودیعت فرما کر فطری طور پر بچے کی پرورش کے لیئے سب سے زیادہ موزوں بنایا ہے۔ اپنے تیز حواس خمسہ اور اعلیٰ قوت ادراک (intuition) کی وجہ سے ایک ماں ہی روتے ہوئے بچے کی ضروریات کو صرف اُسکا چہرہ پڑھ کر سمجھ سکتی ہے۔ بے شک بچوں کی پرورش اور گھر چلانے کے عظیم کام کے لیئے جو صلاحیتیں خواتین کو اللہ نے عطا کی ہیں، مرد اس کے عشر عشیر تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔

ذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَاءُ. (سورہ المائدہ)

(یہ اللہ کا فضل ہے جو وہ جسے چاہے عنایت فرماتا ہے۔)

خواتین ہی خاندانوں کو جوڑتی ہیں

خواتین قدرتی طور پر مردوں سے زیادہ خیال رکھنے والی فطرت (caring nature) رکھتی ہیں۔ مردوں کی نگاہ میں طاقت کا معیار غلبہ اور جنگجو پن ہوتا ہے۔ بد قسمتی سے حقوق نسواں کے حامی (feminists) نے طاقت کی اس تعریف (definition) کو جوں کا توں لیکر خواتین پر چسپاں کردیا۔ حالانکہ حقیقت میں عورتوں کی طاقت فطرتاً زیادہ لطیف

---

(1) Moir, Anne & Jessel, David (1991). Brain Sex: The Real Difference between Men & Women. New York, Carol Publishing.

(delicate in nature) ہوتی ہے۔خواتین کی طاقت معاشرتی تعلقات قائم کرنے، خاندانوں کو جوڑنے اور معاشروں کی تعمیر میں پنہاں ہوتی ہے۔

خواتین میں بحیثیت بیوی کے ایسی صفات پائی جاتی ہیں جو مرد حضرات میں مفقود ہوتیں ہیں۔شادی کے رشتے میں یہ عورت ہی ہوتی ہے جو مرد کو وفاداری کا درس دیکر اور فیملی سے محبت سکھا کر مہذب بناتی ہے۔برطانوی سائنسدان خاتون این موئر (Anne Moir) اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:

"تمام رکاوٹوں کے باوجود شادیاں کامیاب ہوتی ہیں۔اسلیئے نہیں کہ خواتین دَب جانے والی ہوتی ہیں اور وہ مردوں کی حکومت کو برداشت کرتی ہیں۔شادیاں کامیاب ہوتی ہیں دراصل خواتین کی فطری سماجی حسنِ تدبیر (Social Skills) کی وجہ سے۔جسے سماجی ذہانت (Social Intelligence) بھی کہا گیا ہے۔جس کی وجہ سے خواتین، میاں بیوی کے باہم تعلقات کو مردوں کے مقابلے میں بہتر طریق پر چلا سکتی ہیں۔" (1)

یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے نیک بیوی کی تعریف میں حدیث میں فرمایا:

اِنَّمَا الدُّنْیَا مَتَا عٌ وَلَیْسَ مِنْ مَتَا عِ الدُّنْیَا اَفْضَلُ مِنَ الْمِرْاَۃِ الصَّالِحَۃِ

(سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح)

"پوری دنیا بس وقتی نفع پہنچانے والی چیز ہے اور دنیا کی نفع بخش چیزوں میں نیک بیوی سے بہتر کوئی چیز نہیں۔"

اس دنیا میں نیک بیوی سے بہتر کوئی چیز نہیں۔اس میں شک نہیں کہ فطرت نے مرد اور عورت کو مختلف قسم کی ذمہ داریاں سونپی ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔یہ صحیح

---

(1) Moir, Anne & Jessel, David (1991). Brain Sex: The Real Difference between Men & Women.

ہے کہ دنیا کی کسی بھی سوسائٹی میں آج بھی سب سے اونچی جاب پوزیشن پر مرد ہی پائے جاتے ہیں۔ مغربی ممالک میں بڑی کمپنیوں کے سربراہ (CEO) تقریباً ہمیشہ مرد ہی ہوتے ہیں حالانکہ مغربی سوسائٹی میں نہایت پڑھی لکھی خواتین کی کمی نہیں۔

مغربی ممالک میں بھی اب تک نئے بزنس شروع کرنے والے عام طور پر مرد حضرات ہوتے ہیں۔ عوام کو اپنے پیچھے لگالینے والے سیاستدان بھی عام طور پر مرد ہی ہوتے ہیں۔ ایجادات کے میدان میں مردوں اور عورتوں کا کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ آج بھی 99 فیصد ایجادات کو حکومت کے پاس رجسٹر (Patent) کروانے والے مرد حضرات ہوتے ہیں۔ ہوائی جہازوں کے پائیلٹ عام طور پر ہمیشہ مرد ہی ہوتے ہیں۔ اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنے والی فطرت (risk taking nature) کی وجہ سے مرد حضرات معاشرے کی معیشت کو کنٹرول کرتے ہیں لیکن یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں کیونکہ یہی چیز تو اسلام بھی کہتا ہے کہ معاشرے میں مردوں اور عورتوں کے دائرہ کار مختلف ہوتے ہیں۔ دراصل خواتین ایک دوسری قسم کی معیشت کو کنٹرول کرتی ہیں یعنی معاشرتی زندگی کی معیشت اور ہماری معاشرتی زندگی کا اصل انحصار ہی اُس پر ہوتا ہے۔

تحریک نسواں بمقابلہ جدید سائنس

پچھلے پچاس سالوں میں دو بالکل متضاد عمل وجود میں آئے :

(۱) سائنسی ایجادات نے بار بار یہ ثابت کیا کہ مرد اور عورت ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ نفسیاتی اعتبار سے بھی اور حیاتیاتی (Biological) اعتبار سے بھی۔ اور دونوں زندگی کے مختلف شعبوں میں زیادہ بہتر ثابت ہوتے ہیں۔

(۲) دوسری طرف حقوق نسواں کے علمبرداروں (Feminists) نے برملا سیاسی انکار (Political Denial) کرنا شروع کردیا ہے کہ مردوں اور عورتوں میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا اور جو فرق ہم دیکھتے ہیں وہ صرف ماحول اور تربیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اگر ہم ماضی پر نظر دوڑائیں تو امریکی ماہر نفسیاتی ہیولاک ایلس (Havelock

(Ellis) پہلا سائنسدان تھا جس نے اپنی 1894ء میں طبع ہونے والی کتاب "Men and Women" میں عورتوں اور مردوں کے درمیان امتیازات پر روشنی ڈالی۔ ایلس نے اپنی کتاب میں بیان کیا کہ خواتین یادداشت، رحم، صبر اور صفائی ستھرائی میں مردوں سے زیادہ تیز ہوتی ہیں۔ ایلس نے لکھا کہ ایک خاتون سائنسدان کا سائنسی کام ایک مرد سائنسدان کے کام کے مقابلے میں زیادہ باضابطہ ہوتا ہے لیکن اُس میں گہرائی اُتنی نہیں ہوگی۔ ایک خاتون جینئس (Genius) کو ایک مرد کی مسلسل علمی پشت پناہی درکار ہوتی ہے۔ پھر ایلس نے خاتون سائنسدان مادام میری کیوری (Madam Curie) کی مثال پیش کی جو کہ ایک نامور سائنسدان کی بیوی تھی۔(1)

بیسویں صدی کی ابتداء میں مغرب میں سائنسی تحقیقات نے یہ ثابت کرنا شروع کردیا تھا کہ مردوں اور عورتوں میں نہایت واضح فرق پائے جاتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ مزید برآں بہت سی میڈیکل تحقیقات نے یہ بھی ثابت کیا کہ جن لڑکیوں کے دماغوں پر پیدائش سے پہلے (یعنی ماں کے پیٹ میں) مردانہ ہارمونز (male hormones) زیادہ مقدار میں اثر انداز ہوتے ہیں، وہ لڑکیاں غلبہ پسند (Dominant) اور زیادہ خود اعتماد شخصیت والی ہوتی ہیں اور وہ بچپن سے لڑکیوں کے مقابلے میں لڑکوں کے ساتھ کھیلنا زیادہ پسند کرتی ہیں۔ ایسی لڑکیوں کو گڑیوں کے ساتھ کھیلنے، بیٹھ کر کھیلنے یا کہانیاں سنانے میں بہت کم دلچسپی ہوتی ہے اور بڑی ہو کر اُن میں ماؤں والی صفات بھی کم ہی ہوتی ہیں۔ اُنکے برعکس ایسے لڑکے جنھیں پیدائش سے پہلے اپنی ماؤں کے رحم میں ضرورت سے زیادہ زنانہ ہارمونز (Female Hormones) ملتے ہیں، وہ زنانہ عادات کے مالک ہوتے ہیں۔ ایسے لڑکے جارحانہ پن (Aggression)، خود اعتمادی اور ورزشی کھیلوں میں پیچھے ہوتے ہیں۔ ایسے لڑکوں اور لڑکیوں کی مثالیں دراصل اُس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ دونوں جنسوں میں فرق کی جڑیں بہت گہری ہوتی ہیں۔

1950ء کی دھائی اور بعد کے سالوں میں جیسے جیسے تحریک نسواں نے زور پکڑا تو اُس

---

(1) Ellis, Havelock (1934). Man and Woman. London, William Hanhemann.

کے حامیوں نے یہ دعویٰ کیا کہ بچے دراصل بغیر کسی جنس کے خصائل کے (Gender-neutral) پیدا ہوتے ہیں اور پھر سوسائٹی دراصل انکی معاشرتی انجینئرنگ (Social Engineering) کر کے انہیں مردوں اور عورتوں کے کردار ادا کرنے کا عادی بناتی ہے۔دلچسپ بات یہ ہے کہ بالکل اُسی دور میں دماغوں میں جنسی فرق کا ثبوت فراہم کرنے کی سائنس (Science of Brain Sex) کا ظہور ہوا۔برطانوی خاتون سائنسدان کے الفاظ میں تحریک نسواں کے حامی دراصل سب سے بڑے حیاتیاتی جھوٹ (Biological lie) کی بنیاد پر سوسائٹی کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں کہ مرد اور عورت ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن ہمیں آج حقیقت کا علم ہو چکا ہے۔

مساواتِ مرد و زن کے خواب کا آخر کیا بنا؟

برطانیہ کی ماہر معاشیات اور مرد و زن کے مسائل کی ماہر خاتون سلویا ہیولٹ (Sylvia Hewlett) اپنی کتاب "A Lesser Life" میں اس بات پر افسوس کرتی ہے کہ کس طرح جاب مارکیٹ کے میدان میں مساوات مرد و زن (Gender equality in job market) کا خوبصورت خواب بالآخر ایک بھیانک خواب (Nightmare) میں تبدیل ہو گیا۔وہ لکھتی ہیں:

"اس صدی کا جذبہ اور نعرہ یہ تھا کہ مردوں اور عورتوں میں کوئی فرق نہیں۔اچھا اب نتائج ہمارے سامنے ہیں۔آج پہلے کے مقابلے میں سب سے زیادہ تعداد میں خواتین گھروں سے باہر کام کر رہی ہیں اور کچھ خواتین نے تو اونچے عہدوں تک رسائی بھی حاصل کر لی ہے لیکن اس تمام "ترقی یافتہ تبدیلی" کے باوجود آج کی عورتوں کی اکثریت اپنی ماؤں کے مقابلے میں زیادہ معاشی بدحالی کا شکار ہے۔" (1)

حد تو یہ ہے کہ مغربی ممالک میں اُن پیشوں میں بھی کہ جن میں اکثریت خواتین کی ہوتی ہے، سب سے اونچے عہدوں پر بہر حال مرد پائے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک سروے کے مطابق 96 فیصد نرسیں خواتین ہوتی ہیں جبکہ جو حضرات ہسپتال کے انتظامیہ اور انچارج ہوتے ہیں وہ تقریباً ہمیشہ مرد ہوتے ہیں۔ اسی طرح امریکہ کے ابتدائی (Elementary) اسکولوں کے 83 فیصد ٹیچر خواتین پرمبنی ہیں لیکن اسکولوں کے پرنسپل 81 فیصد مرد ہیں اور صرف 19 فیصد خواتین۔ مغربی معاشرے میں نوکریوں میں مرد اور خواتین کے درمیان تفاوت (Gender Inequiality) کے اس معمے کے متعلق این موئر لکھتی ہیں:

''کوئی ایسی غلطی ضرور سرزد ہوئی ہے کہ جس نے (مغرب میں) خواتین کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ ڈال دی ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ مساوی تعلیمی مواقع ہونے کے باوجود اور عورتوں اور مردوں کے ایک جیسے تعلیمی نتائج حاصل کرنے کے باوجود بھی جاب مارکیٹ میں کامیابی کے مقابلے میں دونوں جنسوں میں واضح فرق ہے۔'' (2)

اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ مرد حضرات اور عورتیں نوکری، کامیابی، اور ترقی کو مختلف زاویے سے دیکھتے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں غیر مخلوط ماحول میں زیادہ ترقی کرسکتی ہیں۔ لیکن ٹھہریئے! یہی تو اسلام بھی سکھاتا ہے کہ عورتوں اور مردوں کا معاشرے میں آزادانہ اختلاط (Fee-Mixing) نہیں ہونا چاہیے ورنہ معاشرے کا زیادہ جارحانہ طبقہ معاشرے کے کمزور طبقے کا استحصال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

امریکی ماہر علم الانسان پروفیسر لائیونل ٹائیگر (Lionel Tiger) اِنسانی تمدن کے اِس مسئلے پر روشنی ڈالتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ہمارے معاشرے بنیادی طور پر مردوں کے حق

---

(1) Hewlett, Sylvia A. (1987). A Lesser Life. London, Michael Joseph.

(2) Moir, Anne & Jessel, David (1991). Brain Sex: The Real Difference between Men & Women.

میں فائدہ مند (male-oriented) ہوتے ہیں اور (گھر سے باہر) معاشرے میں کامیاب ہونے کے لیئے خواتین کو عورت پن کی قربانی دینا پڑتی ہے۔

''یہی وجہ ہے کہ مساواتِ مرد و زن کے نام پر سب سے زیادہ ناانصافی عورتوں کے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ اس وقت عورتوں کو اپنے آپ کو بھولنا پڑتا ہے اور انہیں کہا جاتا ہے کہ وہ مردوں کے حق میں فائدہ مند سوسائٹی میں مردوں سے مقابلہ کریں (یعنی جب عورتیں گھروں سے باہر نکل کر جاب مارکیٹ میں آتی ہیں) اس کا نتیجہ عورتوں کی مسلسل محرومی اور حالیہ بڑھتی ہوئی نفرت اور بے چینی ہے۔'' (1)

برطانوی خاتون سائنسدان این موئر (Anne Moir)، گھروں سے باہر جاب مارکیٹ میں عورتوں کی صلاحیتوں کے مردوں کے ہاتھوں ضائع ہونے پر ان الفاظ میں افسوس کرتی ہے:

''فطرت نے خواتین کو سب سے بہتر منتظم بنایا ہے۔ وہ قدرتی طور پر ہر اُس کام میں زیادہ بہتر انتظام سنبھالنے والی ہوتی ہیں جن میں باریکی اور اچھی یاداشت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اتفاق سے گھر کے امور کو سنبھالنے کے معاملے میں یہ سب سے اہم گوشہ ہے۔ لیکن افسوس کہ گھر سے باہر خواتین کی اکثر جاب ایسی ہوتی ہیں جن میں وہ کسی مرد کے ماتحتی میں کام کر رہی ہوتی ہیں اور دراصل اپنے مرد باس کے لیئے راستے کو صاف کر رہی ہوتی ہیں تاکہ ترقی کی راہ میں غیر ضروری تفصیلات اُس مرد باس کو اُلجھائیں نہیں۔ اور وہ بڑے اور اہم فیصلے یکسوئی کے ساتھ کر کے خود ترقی کی سیڑھیوں پر چڑھ سکے۔'' (2)

آزادیٔ نسواں یا بربادیٔ نسواں؟

حقوقِ نسواں کی عالمی شہرت یافتہ خاتون مفکر جرمین گریئر (Germaine Greer) نے 1999ء میں The Whole Women (مکمل خاتون) کتاب تصنیف کی جو کہ اُس کی

(1) Tiger, Lionel (1970). "The possible origins of sexual discrimination." The Impact of Science on Society XX: No.1.

(2) Moir, Anne & Jessel, David (1991)

30 سال پہلے لکھی گئی رُسوائے زمانہ کتاب "The Female Eunuch" (زنانہ ہیجڑا) کا تکملہ تھی۔ اپنی کتاب "The Whole Women" میں جرمین گریئر نے اُن پہلوؤں پر بحث کی ہے جن کی وجہ سے تحریکِ نسواں (Feminist Movement) نے خاطر خواہ ترقی نہیں کی اور تحریکِ نسواں کے اُن شعبوں پر تنقید کی ہے جنھوں نے اپنی ذمہ داری نہیں نبھائی۔ گریئر نے اِس بات کو تسلیم کیا ہے کہ آزادیِ نسواں سے جو جنسی آزادی معاشرے میں آئی ہے، اُس نے مردوں کے مقابلے میں عورتوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ گریئر کے الفاظ میں:

''جنھیں جنسی آزادی حاصل ہوئی وہ صرف مرد ہیں۔''

"Sexual liberation harms women more than men: women continue to experience the momentous consequences of pregnancy, while the male body is unaffected." (1)

''آزادانہ جنسی اختلاط کا خمیازہ عورتوں کو مردوں کے مقابلے زیادہ بھگتنا پڑتا ہے۔ عورتیں ایسے کاموں کے نتیجے میں حاملہ ہو جاتی ہیں جبکہ مردوں کے جسم کو (بدکاریوں سے) خاص فرق نہیں پڑتا۔''

جنسی آزادی کا دوسرا انجام طلاقوں کی بڑھتی ہوئی شرح اور تنہا والدین (یعنی صرف ماں یا صرف باپ) (Single parenthood) ہے۔ یہاں بھی گھاٹے میں عورت ہی رہتی ہے کیونکہ مرد حضرات طلاق کی صورت میں اپنے کاندھے جھٹک کر اپنا راستہ لیتے ہیں۔ عورت اپنی مامتا سے مجبور ہو کر گھر کے اندر اور باہر دونوں ذمہ داریاں اٹھاتی ہے۔ بقول گریئر:

1971ء میں ہر بارہ میں سے ایک فیملی تنہا والدین پر مشتمل تھی جبکہ 1988ء میں یہ شرح سات میں ایک اور 1992ء میں شرح پانچ میں ایک ہوگئی۔'' (بحوالہ: ایضاً)

---

(1) Greer, Germaine (2000). The Whole Woman. New York, Anchor Books.

جنسی آزادی کا ایک اور بھیانک نتیجہ تنہائی کی اذیت ہے اور اس کا سب سے بڑا شکار بھی مرد نہیں بلکہ عورتیں ہیں۔ جیسا کہ گریئر لکھتی ہے:

"2020ء تک برطانیہ کے تقریباً ایک تہائی (33 فیصد) گھر صرف ایک فرد پر مشتمل ہوا کریں گے اور اُن میں اکثریت عورتوں کی ہوگی۔" (بحوالہ: ایضاً)

جدید دور کی آزاد خواتین

حوا کی بیٹیوں کا استحصال زمانہ قدیم سے آج تک چلا آرہا ہے۔ جدید دور میں صرف اُس کا طریقہ بدل گیا ہے۔ آزادیٔ نسواں کا نعرہ بلند کرنے والے، خواتین کو حقیقی آزادی نہیں دلوا سکے۔ انہوں نے خواتین کو صرف "کپڑوں سے آزادی" دلوائی ہے یا پھر "شادی کے رشتے سے طلاق دلوا کر آزادی" اور دلفریب نعرے لگوا کر مثلاً "توڑ توڑ بندھن دیکھو بہنیں آتی ہیں........"۔ یعنی کپڑوں کا بندھن، شادی کا بندھن، مذہب کا بندھن وغیرہ وغیرہ۔

مغربی ممالک کے اعداد و شمار ہمیں بتاتے ہیں کہ عورتوں کی عصمت دری کے واقعات میں 75 فیصد خواتین اُن مردوں کو اچھی طرح جانتی ہوتی ہیں، جن کے ہاتھوں وہ اپنی آبرو کھوتی ہیں۔ ملازمتوں میں مرد اپنی اونچی پوزیشن کو استعمال کر کے خواتین کا استحصال کرتے ہیں۔ اسکولوں میں نوجوان لڑکیوں کا حاملہ ہونا (Teenage Pregnancy) کی سب سے اہم وجہ مخلوط تعلیم (Co-education) ہے۔ مغربی ممالک میں اسقاطِ حمل (Abortion) کی شرح اتنی زیادہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

آج عورتوں مردوں کا آزادانہ اختلاط ایسا ہے کہ انسانی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے

سے قاصر ہے۔ فحش نگاری (Pornography) کو کبھی اتنے اعلیٰ پیانے پر سوسائٹی کے سامنے نہیں پیش کیا گیا کہ ہر مل بورڈ، فلمی رسالے، ٹی وی، انٹرنیٹ، آئی پاڈ، کیبل، ڈش پر عورت کے جسم کی نمائش کی جاتی ہے۔ آج کے روشن خیالی کے دور (Age of Enlightenment) میں عورت کے جسم کی اس کثرت سے ہر طرف نمائش کی جاتی ہے کہ کسی انسان کے لیئے پاکدامن رہنا دشوار ہوگیا ہے۔ عورت پر ان تمام مظالم کے باوجود روشن خیالوں کی ہٹ دھرمی قابل دید ہے کہ وہ پھر بھی یہی دعویٰ کررہے ہیں کہ یہ عورت کی آزادی ہے۔ آج مغرب کی آزاد عورت (Liberated Women) کی حالت اتنی ناگفتہ بہ ہے کہ تحریک نسواں کی بعض کٹر حامی خواتین بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ جدید دور کی عورت پرانے دور کی عورت سے زیادہ مظلوم ہے۔ میری پائفر (Mary Pipher) امریکی ماہر نفسیات اور تحریک نسواں کی بہت بڑی علمبردار ہے۔ اپنی کتاب "Reviving Ophelia: Saving the Selves of Adolescent Girls" میں وہ لکھتی ہے کہ سینکڑوں نوجوان لڑکیوں کی کہانیاں اور میڈیکل اور نفسیاتی کیس سٹڈی کر اس نتیجہ پر پہنچتی ہے:

"آج کی لڑکیوں کو زیادہ مشکلات کا سامنا ہے، بہ نسبت تیس سال پہلے جب میں خود ایک نوجوان لڑکی تھی۔۔۔ آج کی لڑکیاں کئی گنا زیادہ مظلوم اور ستائی ہوئی ہیں۔ وہ ایسے کلچر میں بالغ ہوتی ہیں جو جنسی انارکی اور تصاویر سے بھرا ہوا ہے۔ جب وہ ایسی دنیا میں چلتی پھرتی ہیں تو انہیں مناسب حفاظت میسر نہیں۔" (1)

یہ سب کچھ اس لئے ہے کیونکہ عورت کی شرم وحیا کی جدید دور میں کوئی اہمیت نہیں رہی۔ میری پائفر کو آخر کون بتائے کہ وہ آج کی لڑکیوں کے لیئے جس حفاظت کی خواہش کر رہی ہے، وہ انہیں اسلام پردے کی صورت میں مہیا کرتا ہے۔ امریکہ کی نومسلم خاتون شریفہ کارلوں

(Shariffa Carlos) کے الفاظ میں:

"عورت اگر اپنے آپ کو معاشرے سے (پردے کے ذریعے) بچائے تو یہ ظلم و جبر نہیں۔ ظلم تو یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو دلدل میں خود پھینک دے اور اس بات کا انکاری بھی ہو کہ وہ دلدل گندی ہے۔"

آخر کیا وجہ ہے کہ روشن خیال لوگ صرف نوجوان اور خوبصورت خواتین ہی کو آزاد کرنا چاہتے ہیں؟ یہ لوگ بوڑھے لوگوں کی آزادی لیے صدا کیوں نہیں بلند کرتے؟ جیلوں میں بند بے گناہ لوگوں کی آزادی کے لیئے کیوں ایک حرف تک منہ سے نہیں نکالتے؟ آخر کیا وجہ ہے کہ روشن خیالوں کا اصل ٹارگٹ 13 سال سے 28 کی عمر کے درمیان کی نوجوان، دبلی پتلی خواتین ہوتی ہیں (جو کہ ان لوگوں کا معیارِ حسن ہے)؟ اور آخر سب سے پہلے یہ لوگ مسلمان عورتوں کو حجاب اتارنے کا ہی کیوں کہتے ہیں۔ یہ چند سوال ہیں جو روشن خیالوں کی تاریک خیالی کو ظاہر کرتے ہیں۔

اگلے چند ابواب میں ہم بتائیں گے کہ کس طرح جدید سائنسی تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اللہ تعالٰی نے عورتوں اور مردوں کو معاشرے میں مختلف رول ادا کرنے کے لیے تخلیق فرمایا ہے اور اس کا انکار نہ صرف قرآن اور حدیث کا انکار ہے بلکہ اس سائنسی دور میں سائنس سے جاہل ہونے کا ثبوت ہے۔

---

(1) Pipher, Mary (1994). Reviving Ophelia: Saving the Selves of Adolescent Girls. New York, Ballantine Books

باب 2

لڑکے اور لڑکیاں پیدائشی طور پر مختلف ہوتے ہیں۔ سائنسی ثبوت

”بنیادی بات یہ ہے کہ بس دماغ کی تنظیم مردوں اور عورتوں مختلف انداز میں ہوتی ہوتی ہے۔ پرانا گھسا ہوا ہوتی ہے کہ دونوں جنسوں میں سے کون بہتر ہے یا کس کا دماغ بہتر ہے، بالکل ایسے ہی ہے کہ کوئی سوال کرے کہ کھانے کے برتنوں میں سے کون سا بہتر ہے چمچ یا چھری؟ ایسے سوال کا ایک ہی صحیح جواب ہے: ”کس کے لیے بہتر ہے؟“ چھری چمچ سے بہتر ہوتی ہے جبکہ ہم گوشت کے ٹکڑے کو کاٹ رہے ہوتے ہیں جبکہ چمچ چھری سے بہتر ہے جب ہمارے سامنے سوپ رکھا ہو۔“ (Leonord Sax, MD, PhD)

حقوقِ نسواں کے حامی ہمیشہ یہ ڈھنڈورا پیٹتے رہے ہیں کہ مرد اور عورت بالکل ایک جیسے ہیں اور یہ جو ہمیں وہ سوسائٹی میں مختلف رول کرتے نظر آتے ہیں وہ ماحول کا اثر ہیں۔ اگر ہم سوشل انجینئرنگ کر سکیں تو یہ بدلا جا سکتا ہے یعنی اگر لڑکی کو بچپن سے مردوں والے کام سکھائے جائیں تو وہ بڑی ہو کر گھر سے باہر کے مردانہ کام کر سکے گی۔ مثلاً ہوائی جہاز چلانا، مردانہ کھیل کھیلنا وغیرہ۔ اس کے برعکس اگر لڑکوں کو بچپن سے گڑیوں سے کھلایا جائے اور ”مامتا“ سکھائی جائے تو وہ بڑے ہو کر ماں کا کردار ادا کر سکیں گے۔

لیکن نہ صرف یہودیوں کی آبادی کیبوٹز (Kibbutz) پر کیا گیا سوشل انجینئرنگ کا تجربہ بری طرح ناکام ہوا (جس کی تفصیل آگے آئے گی) بلکہ سائنسی تجربات نے یہ بات بھی

حتمی طور پر ثابت کردی کہ دونوں جنسوں میں فرق ان کے جسم، رگ و ریشے اور دماغ کے کونے کونے میں پائے جاتے ہیں اور یہ فرق اس دن سے پایا جاتا ہے جس دن جنین (Fetus) ماں کے رحم میں اپنی زندگی کی ابتدا کرتا ہے۔

لڑکے اور لڑکیاں مختلف انداز میں پروان چڑھتے ہیں:

آج سائنس نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ بچے کی پیدائش سے بہت پہلے، ماں کے رحم میں خارج ہونے والے جنسی ہارموز (Sex Hormones) پیدا ہونے والے لڑکے یا لڑکی کے نشو ونما پانے والے دماغوں پر اثر انداز ہو کر انھیں ایک مخصوص ساخت عطا کر دیتے ہیں۔ مثلاً حمل کے دوران ماں کے رحم کے اندر پیدا ہونے والے لڑکے کا جسم اتنا ہی مردانہ ہارموز (Testosterone) پیدا کرتا ہے، جتنی مقدار ایک جوان مرد کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ (یہی وجہ ہے کہ لڑکوں کی پیدائش سے پہلے بعض خواتین اپنے اندر غیر معمولی طاقت male strength محسوس کرتی ہیں گو کہ یہ اثر عارضی ہوتا ہے) ایسے ہارموز پیدا ہونے والے بچے کے نشو ونما پانے والے دماغ پر اثر انداز ہو کر اس کو مستقل طور پر ایک مخصوص ساخت دے دیتے ہیں۔

محققین رووین اور انات ایچیرو Reuwen اور Anat Achiron نے ایک تحقیق میں جو جریدے Prenatal Diagnosis کے 2001ء کے شمارے میں چھپی، یہ ثابت کیا کہ پیدائش سے پہلے ایک بچی کے دماغ کی ایک بچے کے دماغ کے مقابلے میں عام الٹرا ساؤنڈ ٹیسٹ میں شناخت کی جاسکتی ہے جبکہ ماں کے حمل کی مدت صرف 26 ہفتے ہو۔ (1)
مزید برآں، سائنسدانوں کے ایک گروپ نے چھوٹے بچوں کے دماغوں میں واضح

(1) Achiron, Reuwen, Lipitz, Shlomo & Achiron, Anat (2001). "Sex-related differences in the development of the human fetal corpus callosum: in utero ultrasonographic study." Prenatal Diagnosis 21: 116-120.

فرق پایا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس تحقیق کی سربراہ ایک خاتون سائنس دان ڈاکٹر ماریہ کورڈیرو (Dr. Maria Cordero) کر رہی تھیں۔ (1)

چند دہائیاں پہلے امریکی ماہر نفسیات ہربرٹ لینڈ سیل (Herbert Landsell) نے، جن کا تعلق میری لینڈ ریسرچ سینٹر سے ہے، یہ دریافت کیا کہ دماغ کے ایک ہی حصے پر چوٹ لگنے کی صورت میں مردوں اور عورتوں پر اس کے مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بعد کی تحقیق نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ مردوں کے دماغ مختلف فرائض میں مخصوص specialized ہوتے ہیں جبکہ خواتین کے دماغ کے فرائض کی تقسیم (division of functions) کسی ایک گوشے میں مخصوص نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ مردوں کی وسعت مکاں کی استعداد spatial abilities عورتوں سے بہتر ہوتی ہے یعنی چیزوں کا محل وقوع، جغرافیہ، اور شکل کو تینوں جہتوں three dimensions میں اپنے دماغ کی آنکھ میں دیکھ سکنا ہے، وغیرہ۔ یہ صلاحیت مردوں کو گھر سے باہر اپنی فیملی کے لیے جدوجہد میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس خواتین کو اللہ تعالیٰ نے باتیں کرنے اور چہرے پڑھنے face reading کی صلاحیتیں عطا کی ہیں جو گھر میں بچوں کی پرورش اور نگہداشت میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔

لڑکے اور لڑکیاں مختلف انداز میں کھیلتے ہیں

عام طور پر تعلیمی ماہرین جن کا جھکاؤ تحریک نسواں کی طرف ہوتا ہے، وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکیاں مردانہ اور زنانہ انداز میں زندگی اس لیے گزارتے ہیں کیونکہ ہم ان کی پرورش ایسے کرتے ہیں۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اگر ہم بچپن سے لڑکیوں کو گاڑیاں اور لڑکوں کو گڑیاں کھیلنے کے لیے دیں تو لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان بہت سے فرق مٹ جائیں گے

---

(1) Cordero, Maria Elena, Valenzuela, Carlos, Torres, Rafael, Rodriguez, Angel (2000). "Sexual dimorphism in number and proportion of neurons in the human median raphe nucleus." Developmental Brain Research 124: 43-52.

۔تاہم تحریک نسواں والے یہ نہیں ثابت کر سکے کہ آخر ہم لیبارٹری میں جانور کے نر اور مادہ میں بھی رویے کا فرق دیکھتے ہیں۔ آخر لیبارٹری کے جانور تو بچپن میں کھلونے کی گاڑی یا گڑیا سے نہیں کھیلتے۔ حقیقت یہ ہے کہ نر اور مادہ کا دماغ شروع سے مختلف ہوتا ہے اور یہ فرق کھیلوں کے چناؤ میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔

بچوں کے ماہر نفسیات لاموٹ (Capucine La Motte) نے اپنے تجربات میں بتایا ہے کہ تین سال کے بچوں میں اپنی جنس کے مطابق کھلونوں کی پسند شروع ہو جاتی ہے۔ لڑکوں کی کھیلیں مقابلے والی competitive اور اکثر جارحانہ aggressive قسم کی ہوتی ہیں۔ جبکہ لڑکیوں کی کھیلیں مل جل کر کھیلنے والی اور باہم گفتگو کرنے والی ہوتی ہیں۔ اس تحقیق کو مزید تقویت بچوں کی ماہر نفسیات جینٹ لیور janet lever کے مشاہدات سے ہوتی ہے۔ جس کے مطابق لڑکوں کے کھیلوں میں 65% کیسز میں اصول و قواعد ہوتے ہیں جبکہ لڑکیوں کی کھیلیں عام طور پر بے تکلف ہوتی ہیں۔ جن میں صرف 35% میں اصول ہوتے ہیں۔ (1)

اگر ہم غور کریں تو لڑکوں کے کھیل میں خطرہ مول لینے (risk taking) کا عنصر غالب ہوتا ہے جب کہ لڑکیوں کی کھیلوں میں دوستی (friendship) کا۔ یہ رجحان دونوں جنسوں میں تمام عمر رہتا ہے۔ ہم بار بار دیکھتے ہیں کہ خطرہ مول لینے والے کھیلوں میں مرد اور عورتوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ حصہ لیتے ہیں۔ جوا، گاڑیوں کی ریس motor racing، باکسنگ، کشتی، نشانہ بازی اور شکار کھیلنا یہ سب کھیل مردوں کے کھیل کہلاتے ہیں لڑکیوں کے مقابلے میں دوگنا زیادہ لڑکے خطرناک کھیلوں کی وجہ سے موت کا شکار ہو جاتے ہیں اور یہ رجحان انسانوں ہی نہیں بلکہ جانوروں کے نر اور مادہ جنسوں میں بھی اسی طرح پایا جاتا ہے۔ ان کے نر (male) خطرناک حرکات کی وجہ سے زیادہ موت کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ فرق پیدائشی ہوتے ہیں اور بدل نہیں سکتے۔

---

(1) Murad, Abdal Hakim (T.J. Winter) "Boys will be boys: Gender Identity Issues." www.masudkhan.co.uk.

لڑکے لڑکیوں کا آپس میں رویہ

آج سائنس نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ مردانہ ہارمونز ٹیسٹوسٹیرون انسان میں جارحانہ پن، مقابلے کی خواہش اور اپنی قوت کا دعویٰ جیسی صفات کو ابھارتا ہے۔ جبکہ زنانہ ہارمونز ان صفات کو گھٹاتا ہے۔ ہارمونز وہ کیمیائی مادے ہوتے ہیں جو جسم میں خارج ہوتے ہیں اور مختلف اور مخصوص اعضائے انسانی پر جاکر اثر انداز ہوتے ہیں۔

ایک چھوٹا سوسائٹی کے اندر معاشرے کا جارحانہ طبقہ معاشرے کے صلح جو اور کمزور طبقے کے استحصال کی کوشش کرتا ہے۔ اسی مسئلے کی حکمت پر جیکا کے نومسلم عالم ڈاکٹر بلال فلپس Bilal Philips نے یوں روشنی ڈالی:

"خواتین جسمانی لحاظ سے معاشرے کا کمزور طبقہ ہے، جب کہ مرد جسمانی لحاظ سے مضبوط۔ جب ہم دونوں طبقوں کو معاشرے میں آزادانہ ملنے جلنے دیں گے تو طاقتور طبقہ کمزور طبقے کے استحصال کی کوشش کرے گا۔"

انسانی نشوونما کے ماہرین نفسیات (developmental psychologists) نے دریافت کیا ہے کہ چھوٹے لڑکوں کا واسطہ جب کمزور لڑکوں سے پڑتا ہے تو ان کا رویہ ان کے ساتھ مخالفانہ ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ ان کے اندر رحم پیدا ہوتا، جب لڑکے کسی کمزوری کی آہ و بکا سنتے ہیں تو غصے میں آجاتے ہیں۔ اس کے برعکس جب لڑکیاں یا بچیاں کسی کو تکلیف میں دیکھتی ہیں تو وہ مظلوم کی تکلیف کو محسوس کرتی ہیں اور اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتی ہیں۔ (1)

یہی نہیں بلکہ برطانوی نوجوانوں پر کی گئی ایک تحقیق کے مطابق "لڑائی جھگڑا تو لڑکوں کے نوجوانی کے دور کا لازمی حصہ ہوتا ہے۔" (2)

---

(1) Moyer, K.E. "The biological basis for dominance and aggression" in: McGuiness, D. (ed.) (1987). Dominance, Aggression and War. New York, Paragon House. pp. 1-34.

(2) Young People in the 80s. quoted in: Moir, Anne & Jessel, David (1991).

اسی طرح جرائم کے اعداد وشمار بھی ہمیں بتاتے ہیں کہ مرد خواتین کے مقابلے میں پانچ گنا زیادہ قتل کرتے ہیں اور بیس گنا زیادہ ڈاکہ زنی میں ملوث ہوتے ہیں۔(1)

مردانہ جنسی ہارمون ٹیسٹوسٹیرون (Testosterone) کی بہت زیادہ مقدار کی جسم میں موجودگی مردوں کو لڑائی جھگڑے میں پہل کرنے والا بنا دیتی ہے۔مزید برآں، اسی ہارمون کی موجودگی مردوں کو جنسی لحاظ سے بھی متحرک بنا دیتی ہے۔جیسا کہ عمرانی سائنسدان الفرڈ کنزی (Alferd Kinsey) نے کہا تھا:

"اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگر معاشرتی بندشیں نہ ہوں تو پوری دنیا کے مرد اپنی تمام زندگی میں ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بلاتفریق کثیر تعداد میں بیویوں کی خواہش رکھتے ہیں۔۔۔۔۔ اس کے برعکس عورت ایک وقت میں ایک سے زیادہ مرد کی خواہش نہیں رکھتی۔" (2)

این موئر ماہر عمرانیات کنزی کے اس نتیجہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"مائیں اپنی بیٹیوں کو (نامحرم) مردوں کی ہوس پرستی سے ہمیشہ سے ہوشیار کرتی آئی ہیں اور وہ ٹھیک ہی کہتی ہیں۔"(3)

اِن تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ مردوں کی فطرت کس قسم کی ہوتی ہے اور کیوں اسلام مخلوط محفلوں کی اجازت نہیں دیتا اور خواتین کو نامحرم مردوں سے مکمل شرعی پردہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ پس لڑکوں اور لڑکیوں کی فطرتیں بہت مختلف واقع ہوئی ہیں جس کی وجہ سے دونوں کا مخلوط ماحول میں پڑھنا نقصان دہ ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ اب ہم اگلے باب میں دیکھیں گے۔

(1) Garai, J. E. and Scheinfeld, A. (1968). "Sex Differences in Mental and Behavioral Traits." Genetic Psychology Monographs 77: 169-299.

(2) Kinsey, Alferd C., Pomeroy, Wardell B. & Martin, Clyde E.. et al (1948). Sexual Behaviour in the Human Male. Philadelphia, W. B. Saunders.

(3) Moir, Anne & Jessel, David (1991) Brain Sex.

باب 3

لڑکے اور لڑکیاں علم حاصل کرنے میں مختلف ہوتے ہیں۔ مخلوط تعلیم کا سائنسی تجزیہ

اسلام نے مسلمانوں کو ایک اعلیٰ اور جامع نظام معاشرت عطا کیا، جس میں مخلوط محفلوں کی اجازت نہیں۔ اسلام ایک حقیقت پسند مذہب ہے جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ حضرت محمد ﷺ یقیناً انسانی تاریخ کے سب سے کامیاب ٹیچر اور پروفیسر تھے۔ حضور ﷺ کا طالب علموں کو پڑھانے کا طریقہ مخلوط تعلیم پر مشتمل نہ تھا۔ حضور ﷺ نے اصحاب صفہ (جو مرد طالب علموں پر مشتمل تھا) کی تعلیم کے لیے علیحدہ دن مقرر کیے ہوئے تھے اور خواتین کی تعلیم کے لیے علیحدہ دن مقرر کیے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ جو اُمت کی ماں ہیں، اُن کا طریقہ تعلیم بھی ایسا تھا کہ وہ مردوں کو تعلیم پردے کے پیچھے سے دیتی تھیں۔ اسلام کی پوری تاریخ دیکھ لیں، مسلمانوں کی درس گاہیں لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے علیحدہ ہوا کرتی تھیں اور یونیورسٹی لیول تک علیحدہ ہی ہوتی تھیں۔

مخلوط تعلیم کا نظام تو دراصل مغربی تعلیمی نظام کا مرہون منت ہے۔ اِس کی ابتداء ۱۹۰۰ء کے اوائل میں ہوئی اور ۱۹۵۰ء کی دہائی میں تحریک نسواں کے علمبرداروں (Feminists) نے اِس طرز تعلیم کو وسیع پیمانے پر عام کرنے کی کوشش کی، تا کہ عورتیں نہ صرف باہر مردوں کے شانہ بشانہ "چل سکیں" بلکہ اسکولوں اور کالجوں میں بھی مردوں کے شانہ بشانہ "بیٹھ سکیں" تحریک نسواں

کے علمبرداروں کی معنوی اولاد یعنی NGO's نے آج کل اس بیڑے کو اٹھایا ہوا ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ تحریک نسواں میں صرف نام کا "نسواں" ہے وگرنہ اُن کا مقصد ہر میدان میں عورت کو بے پردہ کر کے مردوں کے شانہ بشانہ کھڑا کر کے اُس کی نسوانیت کو ختم کرنا ہوتا ہے۔ پچھلے ۳۰ سالوں میں مغرب میں مخلوط تعلیم کی پے در پے ناکامیوں کو دیکھ کر یہاں کے ارباب فکر ونظر نے اب غیر مخلوط تعلیم (single-sex educaiton) کی صدا بلند کی ہے اور بہت زور سے کی ہے۔

اِس باب میں مخلوط تعلیم (Co-education) کے نقصانات اور غیر مخلوط تعلیم کی برکات کا مذہب اور سائنس کی روشنی میں تجزیہ کیا جائے گا:

مخلوط تعلیم کے نفسیاتی نقصانات

لڑکوں اور لڑکیوں کا ایک کلاس میں جمع ہونا نفسیاتی اور حیاتیاتی (Biological) لحاظ سے تباہ کن ہوتا ہے۔ امریکی مفکر جورج گلڈر (George Gilder) اپنی کتاب "Men & Marriage" میں لکھتا ہے کہ "مخلوط تعلیم میں لڑکے اور لڑکیاں جلدی بالغ ہو جاتے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ بلوغت کے وقت لڑکوں کے جسم میں مردانہ ہارمون (Testosterone) عام حالات کے مقابلے میں دس سے بیس گنا زیادہ پیدا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ شدید نفسیاتی اور جنسی ہیجان کا شکار ہوتے ہیں۔ لڑکیوں میں زنانہ ہارمونز Progesterone اور Estrogens کی وجہ سے بلوغت کے دور میں سستی اور ڈپریشن عام ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں ان کی اکثریت جنس مخالف کے متعلق ہی سوچتی رہتی ہے۔" (1)

پھر جورج گلڈر لکھتا ہے:

"If you do not believe this, you are a dreamer."

"اگر آپ لوگ اس بات کو نہیں مانتے تو آپ خوابوں کی دنیا میں بس رہے ہیں۔" (1)

---

(1) Gilder, George (2001). Men and Marriage. Louisiana, Pelican Publishing Company.

دلچسپ بات یہ ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی مردوں اور عورتوں کے احساسات یہی رہتے ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں میں جہاں مخلوط تعلیم ہے وہاں معاشقے، پسند کی شادیاں (Love Marriages) اور گھر سے بھاگنے کے واقعات اسی ماحول کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

گولڈ کوسٹ (Gold Coast) کے ساؤتھ پورٹ سکول کے پرنسپل ڈاکٹر بروس کک (Dr. Bruce Cook) نے ایک بہت بڑے سکول کے پرنسپل ہونے کی حیثیت سے اپنا تجربہ بیان کیا:

"Boys in single sex schools don't have the constant presence of girls reminding them of how they look. You know, 'Am I looking OK for the girls?" (1)

"غیر مخلوط اسکولوں میں لڑکیاں موجود نہیں ہوتیں کہ جن کی موجودگی لڑکوں کو ہر وقت یہ احساس دلائے کہ وہ کیسے نظر آ رہے ہیں۔ یعنی کیا میں لڑکیوں کو خوبصورت نظر آؤں گا۔"

لڑکے اور لڑکیاں مختلف انداز میں سیکھتے ہیں

امریکہ کی مشہور جامعہ ورجینیا یونیورسٹی (Virginia Tech) کی خاتون سائنس دان ڈاکٹر ہیریٹ ہنلن (Dr. Harriot Hanlon) نے ایک تحقیق میں دو ماہ سے 16 برس کی عمر کے 284 لڑکوں اور 224 لڑکیوں کے دماغوں کی کارکردگی (brain activity) کا مشاہدہ کیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ لڑکیوں کے دماغ کے وہ حصے جن کا تعلق زبان دانی (language) سے ہوتا ہے، وہ لڑکوں سے 6 برس زیادہ ترقی یافتہ ہوتے ہیں اور لڑکوں کی جہتی یادداشت (spatial memory) لڑکیوں سے چار برس زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہے۔

اسی لیے لڑکے اور لڑکیاں language، حساب، جغرافیہ بالکل مختلف انداز میں سمجھتے

---

(1) West, Andrew (July 6, 2003) "The boys who will be gentlemen" Sydney Morning Herald.

ہیں ۔اسی طرح ہاتھوں کی باریک حرکت (digital coordination) یعنی پنسل پکڑنے اور اچھی لکھائی میں لڑکے لڑکیوں سے نو ماہ دیر سے مہارت حاصل کرتے ہیں، کیونکہ لڑکوں کی انگلیوں میں nerves لڑکیوں کے مقابلے میں زیادہ دیر سے نشو ونما پاتی ہیں۔ (1)

حاصل کلام یہ کہ اکثر اوقات نشو ونما کے اس فرق کو سمجھنے کی وجہ سے ماہرین تعلیم، اساتذہ اور والدین لڑکوں کو نالائق یا پڑھائی میں آہستہ قرار دے دیتے ہیں۔ جسکی وجہ سے لڑکوں میں سکول کے اول روز سے پڑھائی کے لیے نفرت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ امریکی خاتون فلسفی کرسٹینا ہاف سومرز (Christina Hoff Sommers) اپنی کتاب The War against Boys میں لکھتی ہے:

''حقائق کا تجزیہ یہ بتاتا ہے کہ تعلیم میں لڑکیوں کی بجائے لڑکوں سے زیادتی ہو رہی ہے لڑکے اوسطاً لکھنے اور پڑھنے کی صلاحیت میں لڑکیوں سے ڈیڑھ سال پیچھے ہوتے ہیں۔ وہ سکول سے کم تعلق رکھتے ہیں اور کالج جانے کے امکانات بھی کم ہی ہوتے ہیں۔'' (2)

نتیجتاً شروع عمر سے ہی لڑکے سکول سے بدظن ہو کر اس کے متعلق معاندانہ احساسات پیدا کر لیتے ہیں۔ جو کہ ان کی ساری زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ امریکہ کی اسٹین فورڈ یونیورسٹی (Stanford University) کے شعبہ تعلیم کی پرنسپل پروفیسر ڈیبرہ سٹائی پیک (Prof. Deborah Stipek) اور ان کی معاون دوسری خاتون ٹریسیا ویلسکی (Tricia Velski) نے اپنی تحقیقات میں یہ ثابت کیا کہ جو لڑکے کنڈرگارٹن میں

---

(1) Hanlon, Harriet, Robert Thatcher and Marvin Cline (1999). "Gender Differences in the Development of EEG Coherence in Normal Children." Developmental Neuropsychology 16(3): 479-506.

(2) Sommers, Christina Hoff (2000). The War against Boys. New York, Simon & Schuster.

اچھی کارکردگی نہیں دکھا سکتے، وہ قابلیت کے متعلق منفی شعور اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں اور یہ منفی نظریات سکول کے بقیہ زمانے میں تبدیل کرنا مشکل ہوتے ہیں۔(1)

ایسے حالات میں دونوں جنسوں کو کیسے ایک کلاس میں ساتھ بٹھا کر ایک ہی طریقے سے تعلیم دی جا سکتی ہے۔

لڑکے اور لڑکیوں کی قوت سماعت میں فرق:

پچھلے چالیس سال کی سائنسی تحقیقات کے مطابق لڑکیوں کی قوت سماعت لڑکوں کے مقابلے میں بچپن ہی سے تقریباً چار گنا زیادہ تیز ہوتی ہے۔(مثلاً خاتون سائنس دان جین کیسڈی اور کیرن ڈٹی (پی ایچ ڈی) کی تحقیق جو Journal of Music Therapy میں چھپی)۔قوت سماعت کا یہ فرق لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم میں دوررس اثرات کا حامل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک مخلوط کلاس جس میں لڑکیاں آگے بیٹھی ہوئی ہیں اور لڑکے پیچھے، اگر ٹیچر آہستہ آواز میں لیکچر دے تو آخری صفوں میں بیٹھے لڑکے اپنی شرارتوں میں مشغول ہوں گے، کیونکہ انہیں ٹیچر کی آواز نہیں آ رہی ہوگی۔اس کے برعکس اگر ٹیچر زوردار آواز میں لیکچر دے تاکہ سب لڑکوں تک آواز پہنچے تو آگے بیٹھی ہوئی لڑکیاں جن کی قوت سماعت پہلے ہی لڑکوں سے چار گنا زیادہ ہوتی ہے، انہیں ایسا محسوس ہوگا کہ ٹیچر کی آواز ان کے کان پھاڑ رہی ہے۔لڑکوں اور لڑکیوں کی قوت سماعت کے اس پیدائشی فرق کی وجہ سے دونوں کی تعلیم کا واحد حل دونوں جنسوں کی علیحدہ علیحدہ کلاسیں ہیں۔

ڈاکٹر لیونارڈ سیکس(Leonard Sax, MD, PhD) جو کہ National Association for single sex public education کے بانی اور ڈائریکٹر ہیں اور فیملی ڈاکٹر اور سائیکالوجسٹ بھی ہیں۔وہ بیان کرتے ہیں کہ لڑکے اور لڑکیوں کے دماغوں اور

---

(1) Valeski, Tricia & Deborah, Stipek (2001). "Young Children's Feelings about School." Child Development 72(4): 1198-1213.

نفسیات میں فرق اتنی گہری جڑیں رکھتے ہیں کہ یہ تقریباً ناممکن ہے کہ دونوں کو ایک ہی کلاس روم میں بیک وقت کامیابی کے ساتھ پڑھایا جا سکے۔ ایک انٹرویو میں ڈاکٹر لیونارڈ نے کہا "تعلیم کے معاملے میں آپ جو بھی طریقہ اختیار کریں گے، وہ کسی ایک جنس کو فائدہ دیگا تو دوسری جنس کو نقصان پہنچے گا" انھوں نے مزید بتایا "لڑکیاں لڑکوں سے اچھا اور تیز سنتی ہیں اور لڑکوں کے پڑھائی میں ناکامی کے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ لڑکوں کو پوری طرح ٹیچر کی آواز ہی نہیں پہنچتی۔" (1)

اس طرح کے مسائل غیر مخلوط تعلیم (separate-gender classrooms) میں نہیں پائے جاتے۔

لڑکیوں اور لڑکوں کے سیکھنے میں فرق۔ ایک موازنہ

لڑکیاں:

1) ریسرچ سے یہ پتہ چلا ہے کہ اپنے دماغ کی ساخت کی وجہ سے لڑکیوں کو پڑھائی کے لیے دوستانہ اور رحمدل فضا کی ضرورت ہوتی ہے۔

2) ساڑھے تین سال کی لڑکیاں بھی اتنی اچھی چہرہ شناس ہوتی ہیں کہ ٹیچر کے چہرے پر ناراضگی کے آثار پڑھ لیتی ہیں اور اپنی اصلاح کر لیتی ہیں۔

3) لڑکیوں کے دماغ کے وہ حصے جن کا تعلق بول چال سے ہوتا ہے۔ وہ چھ سال آگے ہوتے ہیں بہ نسبت اسی عمر کے لڑکوں کے۔

4) لڑکیوں کی قوت سماعت لڑکوں کے مقابلے میں چار گنا تیز ہوتی ہے۔ اس لیے لڑکیوں کو نرم اور شفیق انداز میں پڑھانا بہتر ہوتا ہے۔

5) لڑکیاں بغیر کڑی نگرانی کے کلاس میں بیٹھ کر پڑھائی کر سکتی ہیں اور پڑھائی پر توجہ مرکوز

---

(1) Horsey, Jen "Boys continue to struggle with reading and writing". (Toronto (CP)

کرنے میں انہیں دقت پیش نہیں آتی۔

لڑکے:

1) اپنی دماغی ساخت کی وجہ سے لڑکوں کو ڈسپلن اور غیر محفوظ ماحول کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان کی صلاحیتیں نکھر سکیں۔

2) پانچ سال کی عمر کے لڑکے بھی ٹیچر کا چہرہ پڑھنے سے عاری ہوتے ہیں، اس لیے ان کی اصلاح کے لیے ڈانٹ ڈپٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔

3) لڑکوں کی مکانی یادداشت (Spatial Memory) لڑکیوں کے مقابلے میں 4 سال آگے (Advanced) ہوتی ہے۔

4) لڑکوں کی قوت ساعت لڑکیوں کے مقابلے میں چار گنا کم ہوتی ہے۔ اس لیے لڑکوں کو استاد کی اونچی آواز اور ڈانٹ ڈپٹ ان کا ڈسپلن برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔

5) اپنی جارحانہ اور متحرک طبیعت کی وجہ سے لڑکوں کو کلاس میں ٹک کر بیٹھنے اور توجہ مرکوز کرنے میں دقت پیش آتی ہے۔ نتیجتاً اساتذہ انہیں (Attention Defecit Syndrome - ADD) کا مریض قرار دے کر انہیں ritalin جیسی ادویات دینا شروع کر دیتے ہیں۔

لڑکے اور لڑکیوں کے دماغ کی ساخت میں فرق:

بچے کی پیدائش سے پہلے حمل کے دوران ہارمونز (ماں کے جسم کے کیمیائی مادوں) کے اثرات کے نتیجے میں لڑکے اور لڑکی کے دماغ بالکل مختلف انداز میں بنتے ہیں اور یہ تبدیلی مستقل ہوتی ہے۔ (بحوالہ رسالہ Prenatal Diagnosis 2001,vol 21) سائنس دانوں کے ایک گروپ نے چھوٹے بچوں کے دماغوں کے ٹشوز کا تقابل کیا تو انہوں نے لڑکوں اور لڑکیوں کے دماغوں میں واضح فرق پایا۔ (بحوالہ Developmental Brain

(Research, 2000 اس تحقیق کی سربراہ ایک خاتون سائنس دان ڈاکٹر ماریا کورڈیرو ہے۔)

اسی طرح رٹگرز یونیورسٹی کی خاتون سائنس دان ڈاکٹر ٹریسی شورز (Dr Tracey Shores) اور معاون سائنس دان نے مردانہ اور زنانہ ذہنوں پر ایک ریسرچ کی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مردانہ دماغ کی ساخت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ جب اس پر کسی قسم کا دباؤ (stress) ہو تو اس کے سیکھنے کی صلاحیت بڑھتی ہے، جب کہ زنانہ دماغ اس کے بالکل الٹ واقع ہوا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ لڑکوں کو پڑھائی میں غیر مخلوط اور ڈسپلن والا ماحول درکار ہوتا ہے تاکہ ان کی صلاحیتیں نکھر سکیں، جب کہ لڑکیوں کو پڑھائی کے لیے نرم ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ اس لیے بھی اہم ہے کہ لڑکیاں چاہے چھوٹی ہوں یا بڑی، اپنی استاد کے چہرے کے تاثرات اور خفگی کے آثار کو آسانی کے ساتھ پڑھ لیتی ہیں۔ یعنی face reading کر لیتی ہیں۔ جب کہ جدید سائنسی تحقیق کے مطابق لڑکے اس صلاحیت سے اکثر عاری ہوتے ہیں اس لیے انہیں ڈانٹنا پڑتا ہے۔(1), (2)

مخلوط تعلیم کے دوررس زہریلے نتائج

مخلوط تعلیم کے مسئلے پر امریکہ کے نہایت مؤقر جریدے Business Week کے 26 مئی 2003ء کے شمارے میں ایک مضمون چھپا تھا جس کا عنوان تھا: The New

(1) Shores, Tracey J. & Miesegaes, George (Oct. 15, 2002). "Testosterone in utero and at birth dictates how stressful experience will affect learning in adulthood." Proceedings of the National Academy of Sciences 99: 13955-13960.

(2) Boyatzis, Chris, Chazan, E. & Ting, C.Z. (1993). "Preschool children's decoding of facial emotions." Journal of Genetic Psychology 154: 375-382.

Gender Gap ۔ اِس مضمون کی مصنفہ ایک خاتون صحافی ہیں جن کا نام مشال کونلن (Michelle Conlin) ہے۔ مشال نے بتایا ہے کہ مخلوط تعلیم کی وجہ سے پچھلے بیس سال کے مقابلے میں تعلیم کے میدان میں مردوں کی تعلیم اور قابلیت میں دن بدن کمی واقع ہوتی جا رہی ہے۔ مغربی ممالک میں لڑکوں کی بڑی تعداد سکولوں کے بعد کالجوں میں نہیں پہنچتی۔ مخلوط تعلیم میں لڑکوں کو غیر فطری اور اکثر اوقات زنانہ ماحول میں تعلیم دی جاتی ہے، جس کی وجہ سے کئی لڑکے اُس سے مایوس ہو کر سوسائٹی میں ناجائز طریقوں سے مثلاً جرائم کر کے اپنی مردانگی دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مزید برآں 1970ء کے بعد سے جیسے جیسے امریکہ میں مخلوط تعلیم کے سکولوں میں اضافہ ہوا، اسی طرح نوجوان لڑکوں کی خودکشی کرنے کی شرح میں بھی تین گنا اضافہ ہوا۔(1)

co education میں جب ٹیچر یہ دیکھتے ہیں کہ لڑکے لڑکیوں کے مقابلے میں ایک جگہ ٹِک کر اور بیٹھ کر پڑھائی نہیں کر سکتے تو انہیں توجہ مرتکز نہ کر سکنے کی بیماری attention deficit syndrome کا مریض قرار دے کر انہیں دوائی دینا شروع کر دیتے ہیں، جب کہ ایسی صورت میں پاکستان کے کوایجوکیشن سکولوں میں ایسے لڑکوں کی جانوروں کی طرح پٹائی کی جاتی ہے۔ امریکہ، جو اس وقت مخلوط تعلیم کا امام ہے (اور پاکستان کا حکمران طبقہ جس کی بردا کا غلام ہے) وہاں پوری دنیا کی اسی فیصد ritalin بچوں کو ADD کا مریض قرار دے کر استعمال کروائی جاتی ہے، حالانکہ یہ بیماری حقیقت میں بچوں میں نہیں بلکہ تعلیمی نظام میں ہے۔

پھر ایک اہم سوال یہ سامنے آتا ہے کہ مخلوط تعلیم کے یہ نقصانات کہاں تک جاتے ہیں جبکہ اُسے بچوں پر زبردستی ٹھونسا جاتا ہے اور اس کی معاشرے کو کیا قیمت دینا پڑتی ہے؟ اِس سوال کا جواب دینے سے پہلے ماہرین تعلیم اور والدین کو بہت کچھ سیکھنے اور غور و فکر کی ضرورت ہے۔ مخلوط تعلیم میں بہت سی معذوریاں پائی جاتی ہیں۔ اپنی ساخت کے اعتبار سے مخلوط تعلیم کے

---

(1) Conlin, Michelle (March 26, 2003). The New Gender Gap: From kindergarten to grad school, boys are becoming the second sex. (Cover story) BusinessWeek online.

سکول لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے ساتھ ناانصافی کرتے ہیں۔جیسا کہ اس باب میں اور پچھلے باب میں بھی بیان ہوا ہے۔لڑکیاں اور لڑکوں' دونوں کے دماغوں کے مختلف حصے مختلف ادوار میں نشوونما کی تکمیل کو پہنچتے ہیں۔اینڈریو ہنٹر Andrew Hunter جو اب مرکسٹن کیسل سکول (سکاٹ لینڈ) کے پرنسپل ہیں، انھیں بحیثیت ٹیچر کے کوایجوکیشن اور غیر مخلوط دونوں قسم کے سکولوں میں پڑھانے کا طویل موقع ملا۔انھوں نے اپنے تجربے کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا:

"Teaching in a coed classroom is like teaching two classes at once." (1)

(کوایجوکیشن کلاس کو پڑھانا ایسا ہی ہوتا ہے کہ ہم ایک ہی وقت میں دو کلاسیں پڑھا رہے ہوں)

مخلوط تعلیم میں لڑکوں کے ہاتھوں میں لڑکیوں کا ستایا جانا

1993ء میں سیونٹین میگزین (Seventeen Magazine) نے سکول کی عمر کی لڑکیوں پر ایک سروے کیا۔اُس سروے میں تقریباً 4,200 (چار ہزار دو سو) سکول کی لڑکیوں نے یہ بتایا کہ "انھیں سکول میں برملا لڑکوں نے چٹکی کاٹی، ہاتھ لگایا، یا بے شرم الفاظ سے پکارا اور یہ کئی مرتبہ ہوا۔"

اِس کے بعد امریکی ریاست میساچوسٹ کے ویلزلی کالج (Wellesley College) کے عمرانی سائنسدانوں نے اِس میگزین کے سروے کے نتائج کی حقانیت کو جانچا اور اُنھوں نے اپنی تحقیق میں سروے کے نتائج جیسے نتائج دیکھے۔ویلزلی کالج کے محققین نے یہ دریافت کیا کہ تقریباً 40 فیصد لڑکیوں نے انھیں بتایا کہ کوایجوکیشن سکولوں میں لڑکے انھیں روزانہ چھیڑتے ہیں اور جنسی ریمارکس دیتے ہیں۔جب کہ مزید 29 فیصد لڑکیوں نے بتایا کہ انھیں ہفتہ میں کم از کم ایک بار

---

(1) Buie, Elizabeth (Nov 21, 2000). Today's Sexual Evolution". Glasgow Herald. pg. 16, Glasgow. Quoted in: Why Gender Matters? By: Leonard Sax, M.D., Ph.D.

ضرور چھیڑا جاتا ہے، دو تہائی لڑکیوں نے بتایا کہ انھیں سب طالب علموں کے سامنے چھیڑا جاتا ہے۔تقریباً 90فیصد لڑکیاں شرمناک قسم کے ریمارکس یا اشاروں کا نشانہ بنی تھیں۔ (1)

لڑکوں کی طرف سے اس طرح کی چھیڑ چھاڑ اور ایذا رسانی کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کوایجوکیشن سکولوں میں لڑکیاں آہستہ آہستہ سکول جانے سے متنفر ہو جاتی ہیں۔

اپنے کلینک میں آنے والی مریض لڑکیوں کی مسلسل شکایات سن سن کر خاتون ماہر نفسیات میری پائی فر (Mary Pipher) اپنی کتاب Reviving Ophelia: Saving the Selves of Adolescent Girls میں لکھتی ہے کہ "روز بروز وہ ایسی لڑکیوں کی تعداد بڑھتی ہوئی دیکھ رہی ہے جو سکول جانے سے انکاری ہیں (school refusers) اور یہ لڑکیاں مجھے کہتی ہیں کہ وہ اس کا سامنا نہیں کر سکتیں، جو ان کے ساتھ سکول میں ہوتا ہے"۔

"Girls who tell me that they simply can not face what happens to them at school."(2)

کوایجوکیشن سکولوں میں کنواری ماؤں کی بڑھتی ہوئی شرح

نو جوان لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک کلاس میں اکٹھا کر دینا جب کہ وہ بالغ ہو رہے ہوں اور ان کے اندر جوانی کے ہارمونز پورے زوروں پر ہوں، دونوں کی اخلاقی صحت کے لیے اچھا نہیں۔ڈاکٹر لیونارڈ سیکس اس سلسلے میں اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں:

"میں جب بھی غیر مخلوط صرف لڑکیوں کے کسی بھی سکول all girls school میں گیا،

---

(1) Sege, Irene (March 24, 1993). "A U.S. Survey Shows Wide Harassment of Girls in School". Boston Globe. Boston.

(2) Pipher, Mary (1994). Reviving Ophelia: Saving the Selves of Adolescent Girls. New York, Ballantine Books.

وہاں پر اساتذہ، انتظامیہ، تعلیمی مشیر counsellors اور بالخصوص طالبات کو ایک بات پر متفق پایا کہ اُن کے صرف لڑکیوں کے سکول میں ناجائز حمل teenage pregnancy کی شرح اُن کے کسی بھی قریبی کوایجوکیشن سکول کے مقابلے میں انتہائی کم تھی۔ چاہے وہ سرکاری سکول ہو یا پرائیویٹ۔" (1)

اپنی بات کی دلیل کے طور پر ڈاکٹر لیونارڈ نے ماٹریال (کینیڈا) کے جیمس لنچ ہائی سکول (James Lynch High School) کی مثال پیش کی۔ یہ سکول عرصہ دراز تک کوایجوکیشن سکول تھا لیکن پانچ سال پہلے اس کے دور بین نگاہ رکھنے والے پرنسپل وین کامر فورڈ (Wayne Commerford) نے اسے ایک غیر مخلوط تعلیمی ادارے میں تبدیل کر دیا لڑکیوں کو صرف لڑکیوں کی کلاسز girls only classes میں منتقل کر دیا گیا اور لڑکوں کو boys only classes میں۔ اس تبدیلی کے نتیجے میں سکول سے غیر حاضری کی شرح دو تہائی کم ہوگئی (یعنی لڑکوں اور لڑکیوں نے چھٹیاں کرنا کم کر دیا) اور حکومتی امتحانوں میں طلبہ و طالبات نے پہلے سے کہیں زیادہ نمبر لینا شروع کر دیے۔ ان تمام فوائد کے علاوہ مسٹر کومر فورڈ نے ایک اور حیرت انگیز انکشاف ڈاکٹر لیونارڈ کے سامنے کیا "سکول کو غیر مخلوط بنانے کی وجہ سے لڑکیوں میں ناجائز حمل اور کنواری ماؤں کی شرح بہت گر گئی یعنی اوسطاً پہلے سال میں چند رہ لڑکیاں اس برائی کا شکار ہوتی تھیں تو اب زیادہ سے زیادہ دو لڑکیاں۔" (بحوالہ: ایضاً)

آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ غیر مخلوط تعلیم میں لڑکیاں ناجائز حمل جیسی برائی کا کم شکار ہوتی ہیں؟ اس کی ظاہری وجوہات تو بالکل واضح ہیں لیکن ڈاکٹر لیونارڈ اس معاملے کی نفسیاتی اور معاشرتی وجوہات کا گہرائی میں تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "کوایجوکیشن سکول میں جب ایک لڑکی اپنے بوائے فرینڈ کے جنسی مطالبات کو ماننے سے انکار کرتی ہے تو اس کے تعلقات صرف اس لڑکے سے خراب ہوتے ہیں۔ بلکہ پورے سکول میں اس لڑکی کی معاشرتی شناخت داؤ پر لگ

---

(1) Sax, Leonard M.D., Ph.D. (2005). Why Gender Matters: what parents and teachers need to know about the emerging science of sex differences. New York, Broadway.

جاتی ہے۔" (بحوالہ: ایضاً)

اِس کے برعکس غیر مخلوط اسکولوں میں لڑکیوں پر ایسا کوئی معاشرتی دباؤ نہیں ہوتا کہ انھوں نے لازمی طور پر کوئی بوائے فرینڈ ڈھونڈنا ہے۔ان لڑکیوں کو اپنے انتخاب میں آزادی ہوتی ہے۔ان کے لیے آسان ہوتا ہے کہ وہ بوائے فرینڈ کے بغیر بھی زندگی کا تصور کرسکیں۔اس لیے غیر مخلوط اسکولوں میں لڑکیوں کے شادی سے پہلے عشق معاشقے میں ملوث ہونے کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں۔

کیالڑکیاں مرد اُساتذہ سے تعلیم حاصل کرسکتی ہیں؟

اِس سوال کا جواب اُس صورت میں مثبت ہوگا،اگر مرد اُستاد اور بالغ طالبات کے درمیان مناسب شرعی پردہ موجود ہو۔مثلاً اُستاد اور نوجوان طالبات کے درمیان پردہ لٹکا ہوا ہو تاکہ اُستاد طالبات کے چہرے نہ دیکھ سکے یا ویڈیو کانفرنسنگ کا طریقہ اختیار کیا گیا ہو جیسا کہ سعودی عرب کے تعلیمی نظام میں کیا جاتا ہے۔آج اس بات کے لیئے کافی سائنسی ثبوت موجود ہے جو یہ ثابت کرتا ہے اور اسلام کے پردے کے احکامات کی تائید کرتا ہے کہ جب نوجوان لڑکیاں مرد اساتذہ یا پروفیسر حضرات سے بغیر حجاب کے تعلیم حاصل کرتی ہیں تو اُس میں بہت سے فتنے پوشیدہ ہوتے ہیں۔

عمرانی سائنسدانوں کے ہاں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ انسان کی ظاہری خوبصورتی بالخصوص خواتین کے چہرے کی خوبصورتی انسانوں کے معاشرے میں آپس میں تعلقات میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جیسا کہ عمرانی سائنسدان جیرالڈ ایڈم (Adams, Gerald 1977) نے اپنے ریویو پیپر میں مختلف سائنسدانوں کی تحقیقات کا خلاصہ پیش کیا ہے۔

---

(1) Adams, Gerald R. (1977). "Physical Attractiveness Research: Toward a Developmental Social Psychology of Beauty." Human Development 20: 217-239.

مزید برآں، اس سلسلے میں سب سے اہم تحقیق امریکہ کی پنسلوینیا سٹیٹ یونیورسٹی کے محقق جیروم ای سنگر (Gerome E. Singer) نے کی جو Sociometry نامی جریدے میں 1964ء میں شائع ہوئی۔ اس تحقیق میں پروفیسر سنگر نے بتایا کہ کالجوں کے کئی مرد پروفیسر حضرات خوبصورت طالبات کے چہرے دیکھ کر اُن سے امتیازی سلوک کرتے ہیں۔ اپنی سائنسی تحقیق کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے سنگر نے بیان کیا کہ مرد اساتذہ اپنی کلاس کی خوبصورت طالبات کو رعایتی نمبر دیتے ہوئے اُن سے خصوصی نرمی برتتے ہیں۔

"Teachers give the benefit of doubt in grades to attractive girls."(1)

مزید یہ کہ بہت سے مرد اساتذہ نے یہ تسلیم کیا کہ انہیں اپنی کلاس کی عام چہروں والی طالبات کے مقابلے میں خوبصورت طالبات کے نام زیادہ اچھی طرح یاد رہتے ہیں:

"Many of the male teachers acknowledge that they can recall the names of the pretty girls in their classes."(1)

یہ ٹھیک ہے کہ اِس انکشاف کا اطلاق ہر مرد اُستاد پر نہیں ہوتا جو لڑکیوں کو پڑھاتا ہے لیکن اِس تحقیق سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ جب نامحرم مرد اساتذہ نوجوان لڑکیوں کو پڑھاتے ہیں تو اس میں بہت بڑا فتنہ پوشیدہ ہے۔ ایسے حالات میں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ آخر کیوں شریعت نے لڑکیوں کی لڑکوں کے ساتھ مخلوط تعلیم پر پابندی عائد کی ہے۔ اسی طرح لڑکیوں کو اُن کے گھر پر آ کر نامحرم مرد حضرات کا ٹیوشن پڑھانا بھی غلط ہے کیونکہ اسی طرح پھر "صائمہ وحید لو میرج" جیسے

---

(1) Singer, Jerome E. (Jun.,1964). "The Use of Manipulative Strategies: Machiavellianism and Attractiveness." Sociometry 27(2): 128-150.

واقعات جنم لیتے ہیں۔(1)

بحیثیت طالبعلم لڑکوں اورلڑکیوں کی نیچر میں بہت فرق ہوتا ہے۔اپنی امن پسند اور صلح جُو طبیعت کی وجہ سے لڑکیاں بہت جلد اپنے اساتذہ سے دوستی کر لیتی ہیں چاہے وہ خواتین اساتذہ ہو یا مرد۔اس سلسلے میں برطانوی خاتون سائنسدان ڈاکٹر این موئر (Anne Moir) اپنی کتاب "Brain Sex" میں رقمطراز ہیں کہ اپنی اعلٰی لفاظی کی صلاحیتوں (Verbal Abilities) کی وجہ سے لڑکیوں کی زیادہ دلچسپی لوگوں میں اور نیچر سے ایک طرح کا رشتہ (Relationship) قائم کرنے میں ہوتی ہے جبکہ اپنی اعلٰی مکانی صلاحیتوں (Spatial Skills) کی وجہ سے لڑکوں کی دلچسپی انسانوں میں کم ہوتی ہے اور وہ اپنے اردگرد کی دنیا کی کھوج لگانے میں زیادہ تجسس رکھتے ہیں۔ (2)

اسی طرح فیملی ڈاکٹر اور ماہر نفسیات ڈاکٹر لیونارڈ سیکس (Leonard Sax, MD, PhD) اپنے کئی سالہ تجربہ کی روشنی میں مردوں عورتوں کی شخصیت کے اس پہلو پر ضوفشانی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"لڑکیوں کی طرف سے یہ امکان بہت زیادہ ہوتا ہے کہ وہ استاد کو اپنا معاون اور دوست سمجھیں لڑکے مشکل سے اُستاد کے متعلق ایسا گمان کرتے ہیں۔چنانچہ جب کوئی مشکل پیش آئے تو لڑکیاں بہت جلد اپنے اُستاد کی طرف رجوع کرتی ہیں اور لڑکوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ لڑکیاں اپنے ذاتی معاملات کے متعلق استاد سے مشورہ لیتی ہیں ۔ایسے معاملات جن کا پڑھائی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔" (3)

---

(1) 1996ء میں لاہور میں 22 سالہ صائمہ وحید نے اپنے انگریزی کے ٹیچر ارشد احمد سے والدین کی مرضی کے خلاف لومیرج کی۔ارشد احمد،صائمہ وحید کو اسکے گھر میں انگلش کی ٹیوشن پڑھانے آتا تھا،تب دونوں میں عشق ہوگیا۔

(2) Moir, Anne, David Jessel (1991) Brain Sex.

(3) Sax, Leonard MD, PhD (2008) Why Gender Matters.

جب لڑکیوں کی ایسی فطرت ہوتی ہے تو یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ ایک نوجوان لڑکی ایک مرد استاد سے پڑھے اور اس سے اپنے ذاتی معاملات کے متعلق گفتگو کرے جبکہ وہ شخص اس کا محرم یعنی قریبی رشتہ دار بھی نہ ہو۔ اردو میں مثل مشہور ہے "قربت سے محبت بڑھتی ہے"۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہمیں ایسی استثنائی صورتیں (exceptional cases) ملیں گے کہ جب ایک نوجوان طالبہ اور اسکے استاد کے درمیان خلوص دل سے صرف استاد شاگرد کا رشتہ ہو اور کوئی برا خیال ان کے دل میں نہ آئے لیکن ایسی صورتیں صرف استثناء (exception) ہوتی ہیں جو صرف چراغ لیکر ڈھونڈنے سے ملتی ہیں۔ عام طور پر ایسا ہوتا نہیں اور اسلام کے احکامات، استثنائی صورتوں کے لیئے نہیں بنے۔ اسلام کا طریقہ برائی کو جڑ سے ختم کرنے کا ہے۔ یہ بات اسلامی فقہ کے اُس قاعدہ سے سمجھ آسکتی ہے جسے "سد باب الذریعۃ" (ان راستوں کو بند کرنا جو برائی کی طرف جاتے ہیں) کہتے ہیں یعنی برائی کو اس کے ہونے سے پہلے ہی روک دیا جائے۔ اسلام کے اس اصول کی بنیاد پر برائی کی روک تھام کو مقدم قرار دیا گیا ہے۔ اسلام کا مزاج پیش بندانہ ہے تا کہ برے نتائج سے بچا جا سکے۔ اسی وجہ سے اسلام مخلوط محفلوں کا قائل نہیں۔ نامحرم مرد اور عورتیں ہوں یا کوایجوکیشن ہو یا نوجوان لڑکیاں، نامحرم مرد استاد سے قریب ہو کر علم حاصل کریں۔ علامہ ابن قیم اپنی تصنیف "اعلام الموقعین" (جلد 2) میں اسلام کی اس پیش بندی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اسلام کے اصول سد باب الذرائع" کا مطلب یہ ہے کہ بعض مباحات بھی (احتیاطاً) منع ہوتے ہیں کہ یہ معاشرے میں ناجائز اعمال کے لیئے دروازہ کھل جانے کا باعث بن سکتے ہیں۔ یہ اسی طرح ہے کہ جیسے تحفہ کا لین دین ایک مسنون طریقہ ہے مگر یہی تحفہ لیا دیا اگر افسر کو یا جس سے قرض لیا گیا ہو، کیا جائے تو ناجائز ہوگا کیونکہ یہ رشوت اور سود میں شمار ہوگا اور معاشرے کی خرابی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک نامحرم عورت کو ارادتاً دیکھنا منع ہے۔ اس طرح دل میں زنا کے جراثیم پرورش پاتے ہیں چاہے لاکھ کوئی یہ جواز پیش کرے کہ وہ تو اللہ کی بنائی ہوئی خوبصورتی کو سراہ رہا ہے۔" (1)

---

1. علامہ ابن القیم الجوزیہ۔ اعلام الموقعین، 1976ء اہلِ حدیث اکادمی، لاہور

غیر مخلوط تعلیم کی کامیابی کا عملی ثبوت:

جن لوگوں نے زمانے کی ٹھوکریں کھانے کے بعد اب اسلام کی غیر مخلوط نظام تعلیم (Single-Sex Educational System) کو آزمایا ہے، انہوں نے اس کے ثمرات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ امریکہ کی ریاست واشنگٹن کے شہر سی ایٹل (Seattle) کے ایک اسکول کے پرنسپل بینجمن رائٹ نے اپنے اسکول کو جو پہلے co-education پر مبنی تھا، تبدیل کر کے غیر مخلوط کلاسز اسکول بنا دیا، یعنی لڑکوں اور لڑکیوں کی کلاسیں علیحدہ علیحدہ کر دیں۔ مسٹر رائٹ نے بتایا کہ پہلے مخلوط تعلیم کے ماحول میں ہم اساتذہ کا زیادہ وقت لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان چھیڑ چھاڑ کے مسائل سلجھانے میں لگتا تھا، اب غیر مخلوط تعلیم میں فی الحقیقت بچوں کو علم سکھا رہے ہیں۔ 2002ء میں ریاست واشنگٹن میں ہونے والے امتحانات میں ہمارے سکول کے لڑکے جو پہلے مخلوط تعلیم کی وجہ سے دس فیصد نمبر لیتے تھے، اب ان کے سکور ۷۳ فیصد تک پہنچ گئے ہیں اور یہ حیران کن کامیابی ہے۔

دنیا کے مختلف ممالک میں غیر مخلوط تعلیم کی کامیابی کی شہادتیں

غیر مخلوط اسکول (single-sex schools) اب دنیا کے بہت سے ممالک بالخصوص مغربی ممالک میں مقبول ہو رہے ہیں۔ یہاں پر چند ممالک کو بطور مثال کے پیش کیا جاتا ہے:

ریاست ہائے متحدہ امریکہ (USA)

2001ء میں امریکی قومی اسمبلی کے ممبر کے بیلی ہچی سن (Senetor Kay Bailey Hutchinson) نے امریکہ کی سابقہ خاتون اول اور پھر ممبر قومی اسمبلی ہیلری کلنٹن (Hillary Clinton) کے ساتھ مل کر ایک نیا قانونی مسودہ مرتب کیا جس کے مطابق امریکہ کے پبلک سکولوں میں غیر مخلوط سکولوں کو قانونی قرار دیا گیا۔ امریکی سینٹ نے اسے

بالاتفاق منظور کیا اور قانون کی شکل دے دی۔ اس کے بعد امریکہ میں لڑکوں اور لڑکیوں کے علیحدہ سکولوں کی تعداد میں تین گنا اضافہ ہوا ہے۔ مثلاً 2001ء میں امریکہ میں غیر مخلوط تعلیم کے سکولوں کی تعداد 27 تھی جبکہ 2004ء میں یہ تعداد بڑھ کر 140 غیر مخلوط سکولوں تک پہنچ گئی۔ (1)

جمیکا (Jamaica):

جمیکا، امریکہ کے قریب واقع ایک ملک ہے۔ وہاں پر غیر مخلوط تعلیم عام ہے۔ وہاں پر ایک سروے کے مطابق کالجوں میں لڑکیاں حساب اور سائنس میں ان لڑکیوں سے زیادہ اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرتی ہیں جو لڑکیاں جمیکا کے co-education کالجوں میں زیر تعلیم ہیں۔
اس تحقیق کے نتیجے میں انھوں نے لکھا کہ کوایجوکیشن سکولوں میں لڑکیاں سائنس کے مضامین کے متعلق زیادہ احساس کمتری کا شکار ہوتی ہیں۔ کوایجوکیشن سکولوں میں حساب اور سائنس کے مضامین لڑکیوں کی دسترس میں ہوتے ہیں لیکن وہ انہیں مردانہ مضامین سمجھتی ہیں اور ناقابل فہم سمجھتی ہیں۔ (2)

برطانیہ (Britain):

برطانیہ میں غیر مخلوط سکولوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ وہاں پر دو ماہرین نفسیات لاوری (Lawrie) اور براؤن (Brown) نے چودہ سے پندرہ سال کی عمروں کے 284 طالب علموں پر تحقیق کی جو کہ British Journal of Educaiton Psychology کے 1992ء کے شمارے میں چھپی۔ لاری اور براؤن نے یہ بیان کیا کہ غیر مخلوط (all girls schools) سکولوں میں لڑکیوں نے بتایا کہ وہ حساب کے مضمون میں زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں اور

---

(1) Sax, Leonard M.D., Ph.D. (2005). Why Gender Matters

(2) Hamilton, Harriet (1985). "Performance levels in science and other subjects for Jamaican adolescents attending single-sex and Coeducational high schools." International Journal of Science Education 69(4): 535-547.

اسے مشکل نہیں سمجھتیں جبکہ مخلوط سکولوں میں لڑکیوں نے بتایا کہ انہیں حساب کا مضمون مشکل لگتا ہے۔(1)

کینیڈا Canada:

غیر مخلوط تعلیم کی کامیابی کی ایک اور روشن مثال کینیڈا کے صوبے مانٹریال کے بیچ شہر میں واقع جیمس لنگ ہائی سکول (James Lynch High School) کی ہے جو ماضی میں کو ایجوکیشن سکول تھا۔ پانچ سال پہلے یہاں پر لڑکوں اور لڑکیوں کے لیئے علیحدہ کلاس رومز کر دیئے گئے اور اس تبدیلی کے بعد سے اسکول میں طالب علموں کی غیر حاضری خاصی کم ہوگئی ہے۔ سرکاری امتحانات میں طلبہ و طالبات کے نمبر زیادہ آنے شروع ہو گئے ہیں اور سکول کے بعد کالج تک پہنچنے والے طلبا کی تعداد دگنی ہوگئی ہے۔ یہ سب غیر مخلوط تعلیم کی رحمتیں ہیں۔(2)

کینیڈا کے صوبے مانٹریال کے سب سے بڑے اخبار The Gazette Montreal میں اکتوبر 1999ء میں ایک رپورٹ شائع ہوئی تھی، جس کا عنوان تھا: Let's separate boys, girls in classes اس رپورٹ میں صوبہ کیوبیک کی تعلیمی کونسل کی تحقیق اور حکومت کو سفارش کا ذکر تھا کہ مخلوط تعلیم ختم کی جائے اور دوبارہ اسکولوں کو ویسا ہی بنایا جائے جیسے وہ 1940ء کی دہائی تک تھے، جب اسکولوں میں لڑکوں اور لڑکیوں کے داخلے کے دروازے بھی علیحدہ تھے۔ اس تعلیمی کونسل کی سربراہ ایک خاتون سیلین پیئر (Celine Pierre) نامی ہے اور اس کے الفاظ میں:

---

(1) Lawrie, L. & Brown, R. (1992). "Sex stereotypes, school subject preferences and career aspirations as a function of single/mixed-sex schooling and preference/absence of an opposite sex sibling." British Journal of Educational Psychology 62: 132-138.

(2) Horsey, Jen "Boys continue to struggle with reading and writing". Toronto (CP)

"اس بات کا ثبوت وافر مقدار میں موجود ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں بالکل مختلف انداز میں علم حاصل کرتے ہیں." (1)

سیلین نے مزید بتایا:

"تعلیم غیر مخلوط (separate) ہونی چاہیے، ورنہ لڑکے اور لڑکیاں دونوں پڑھائی میں کمزور ہوتے چلے جائیں گے اور اس کا خمیازہ مستقبل میں کیوبیک کے معاشرے کو بھگتنا پڑے گا۔" 1)

آسٹریلیا Australia :

جولائی ۲۰۰۳ء میں آسٹریلیا کے شہر سڈنی میں تعلیم کے ماہرین کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں سنگل سیکس سکولوں کی اہمیت کے حق میں دلائل پیش کیے گئے تھے۔ اس کانفرنس میں ڈاکٹر بریں کوک، جو کہ گولڈ کوسٹ کے ساؤتھ پورٹ سکول کے پرنسپل بھی ہیں، نے مجمع کو اپنا تجربہ اور مشاہدہ بتایا کہ غیر مخلوط اسکولوں سے پڑھے ہوئے لڑکے مستقبل میں زیادہ اچھے شوہر ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ اسکول اور کالج میں لڑکیوں کی ساتھ موجودگی نہ ہونے کی وجہ سے انہیں اپنے اوپر مردانگی کا مصنوعی خول نہیں چڑھانا پڑتا۔ انہوں نے کہا:

"کوایجوکیشن سکولوں میں لڑکے مصنوعی مردانگی کا رویہ اختیار کرتے ہیں کیونکہ وہاں لڑکیاں موجود ہوتی ہیں۔ وہ اس بات کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ انہیں اپنی نئی پھوٹتی ہوئی جوانی کا اظہار کرنے کے لئے اپنی مردانگی کی نمائش (macho over-reaction) کرنی ہوگی۔ اسکے برعکس سنگل سیکس سکولوں سے لڑکے "زیادہ حساس مرد" (more sensitive men) بن کر نکلتے ہیں۔" (2)

---

(1) Zacharias, Yvonne (Oct. 14, 1999). "Let's separate boys, girls in classes: report". The Montreal Gazette. (www.montrealgazette.com/news)

(2) West, Andrew (July 6, 2003) "The boys who will be gentlemen" Sydney Morning Herald

سعودی عرب Saudi Arabia :

سعودی عرب اُن چند اسلامی ممالک میں سے ایک ہے جہاں انیسویں صدی کے مغربی استعمار کے سیلاب کے بعد بھی لڑکوں اور لڑکیوں کے علیحدہ سکول قائم ہیں۔ سعودی عرب میں غیر مخلوط تعلیمی نظام (separate-sex educational system) اسلامی شریعت کے احکامات کے مطابق قائم کیا گیا ہے اور وہ اتنی خوبصورتی کے ساتھ چلایا جارہا ہے کہ اسے مغرب زدہ اور مغرب سے مرعوب اسلامی ممالک ماڈل کے طور پر اپنا سکتے ہیں کیونکہ مغرب سے مرعوب اسلامی ممالک کو سنگل سیکس ایجوکیشن کے اخلاقی اور سائنسی فوائد کی ابھی خبر نہیں۔

سعودی عرب کے تعلیمی نظام کی ایک نمایاں خصوصیت لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے مختلف نصاب تعلیم ہے کیونکہ دونوں جنسوں کی معاشرتی ذمہ داریاں مختلف ہوتی ہیں۔ لڑکوں کو پڑھائے جانے والے مضامین میں ایسے امور پر زور دیا جاتا ہے جن کا تعلق مردانہ کاموں سے ہو جبکہ لڑکیوں کو پڑھائے جانے والے مضامین میں زنانہ اُمور پر زور دیا جاتا ہے مثلاً اُن کا بحیثیت ماں کے رول اور گھریلو امور کا چلانا وغیرہ۔ اسی طرح یونیورسٹیوں میں بھی اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں مردوں اور عورتوں کا نصاب تعلیم مختلف ہوتا ہے۔ (1)

وہاں پر اسلامی نظام تعلیم کی دوسری اہم خوبی لڑکوں اور لڑکیوں کا علیحدہ ہونا ہے۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے ایک طریقہ ویڈیو کے ذریعے تعلیم (Video conferencing) ہے۔ یہ طریق تعلیم لڑکیوں اور خواتین کو تعلیم کے حصول کے لیئے لمبے سفر کرنے سے نجات دلاتا ہے اور انہیں یہ موقع بہم پہنچاتا ہے کہ وہ اپنے گھر کے آرام دہ ماحول میں یا گھر سے قریب سکول میں باقی لڑکیوں کے ساتھ غیر مخلوط ماحول میں تعلیم حاصل کرسکیں۔

ویڈیو کانفرنسنگ کا یہ طریقہ ابتداء میں اس لیئے ایجاد ہوا تھا کہ وہاں پر خواتین پروفیسرز کی کمی تھی۔ تاہم بعد میں یہ طریقہ اتنا کامیاب ہوا کہ اب یہ تمام سعودی عرب کے تعلیمی

---

(1) Al-Munajjed, Mona (1997). Women in Saudi Arabia Today. London, Macmillan.

نظام میں استعمال ہونا شروع ہوگیا ہے۔ یہ طریقہ استاد اور شاگرد کے آمنے سامنے ملنے (face to face meeting) کے بغیر تعلیم کو ممکن بنا دیتا ہے۔ (1)

ڈاکٹر عبدالسلام نقشبندی نے سعودی عرب کے تعلیمی نظام میں ویڈیو کانفرنسنگ کے استعمال پر ایک تحقیقی مقالہ قلمبند کیا ہے جو International Journal of Instructional Media کے 1993ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر نقشبندی لکھتے ہیں:

"یہ طریقہ سعودی عرب کی اعلیٰ تعلیم میں اس لیئے وجود میں آیا ہے کہ یہ اس کو ممکن بناتا ہے کہ طالبات ٹی وی پر مرد اساتذہ کے لیکچرز کو اسی وقت (Live) سن سکیں اور اُس سے سوال کرسکیں جبکہ استاد خاص قسم کے آلات سے مزین کلاس (Specially equipped classes) میں لڑکوں کو تعلیم دے رہا ہو۔" (2)

سعودی عرب میں ویڈیو کانفرنس کے ذریعے اعلیٰ تعلیم کے طریقے کی تفصیل ڈاکٹر نقشبندی نے کچھ اس طرح بیان کی ہے:

"ہر کلاس جس میں مرد پروفیسر اور طالبعلم لڑکے حاضر ہوتے ہیں، ایک ریموٹ کنٹرول ویڈیو کیمرہ نصب ہوتا ہے اور صرف کال آنے والی فون لائن (Recieve only phone line) جس سے صرف پروفیسر طالبات کی آواز اور سوالات سن سکتا ہے جبکہ کلاس میں موجود لڑکے طالبات کی آواز نہیں سن سکتے۔ مزید برآں جب پروفیسر ان طالبات کو انکے سوالات کے جوابات دیتا ہے تو اس کی وہ گفتگو ویڈیو ٹیپ میں محفوظ ہو جاتی ہے۔

---

(1) Mackey, Sandra (2002). The Saudis: Inside the Desert Kingdom. New York, W.W. Norton & Company. Quoted in: Baki, Roula (June 17, 2004) Education Policy Analysis Archives 12(28).

(2) Nakshabandi, Abdussalam A. (1993). "Videoconferencing; King Saud University (Saudi Arabia)." International Journal of Instructional Media 20(2): 127-136.

(With such a setup, only the professor hears his female students and he is only able to contact them by being videotaped) (1)

دوسری طرف لڑکیوں کے تعلیمی سنٹر میں کلاس روم متعدد ٹیبلوں پر مشتمل ہوتا ہے اور ہر میز کے گرد تین یا چار لڑکیاں بیٹھتی ہیں۔ ہر ٹیبل پر ایک ٹی وی سکرین ہوتی ہے اور ایک طرف یک طرفہ (one-way) ٹیلیفون جس کا ریسور اٹھا کر استاد سے سوال کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کے سیٹ اپ سے یہ یقینی بات ہے کہ صرف لڑکیاں ہی پروفیسر کو دیکھ سکتی ہیں (وہ انہیں نہیں دیکھ سکتا) اور گفتگو کا آغاز کر سکتی ہیں۔ مزید برآں لڑکیاں آپس میں ایک دوسرے کے سوالات سن سکتی ہیں لیکن لڑکوں کے کلاس روم میں صرف پروفیسر مائیکروفون سے لڑکیوں کے سوالات سن سکتا ہے۔ اگر پروفیسر چاہے تو وہ پوچھا ہوا سوال لڑکوں کے سامنے دہرا سکتا ہے۔ لڑکیوں کے کلاس روم کی نگرانی اور امتحانوں کا کام خواتین نائب ٹیچرز کرتی ہیں۔"

کوایجوکیشن کے مقابلے میں ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعے تعلیم کے کئی فوائد ہیں۔ مثلاً لڑکیوں کو مرد اساتذہ کے ہاتھوں استحصال یا ستائے جانے کا امکان نہیں رہتا، طالبات کو یہ موقع ملتا ہے کہ وہ اپنے مرد اُساتذہ سے فون پر تعلیمی سوالات پوچھیں جو کہ ان کے لیئے استاد کے رُو برو پوچھنا شرم و حیا کی وجہ سے کبھی ممکن نہیں بھی ہوتا اور کوایجوکیشن کلاس روم میں لڑکوں اور لڑکیوں کی ایک ساتھ موجودگی جس انتشار توجہ (distraction) کا موجب بنتی ہے اُس کا اِس طریقے سے قلع قمع کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں، یہ بات ظاہر ہے کہ ویڈیو کانفرنسنگ کا یہ طریقہ اُنھی حالات میں استعمال کیا جاتا ہے جب پڑھانے والا مرد پروفیسر ہو اور طالبعلم خواتین ہوں۔ وگرنہ سعودی عرب کے تمام کالجز برائے خواتین (all-girls colleges) میں لڑکیوں کے لیئے یہ موقع ہوتا ہے کہ وہ

---

(1) Nakshabandi, Abdussalam A. (1993). International Journal of Instructional Media 20(2): 127-136.

خواتین پروفیسرز سے رُوبرو علم حاصل کریں۔

سعودی عرب کی انفارمیشن ریسورس ویب سائٹ کے مطابق 1998ء میں سعودی عرب میں شاہ خالد بن عبدالعزیز یونیورسٹی کے قیام کے بعد 8 یونیورسٹیاں تھیں جن کے ماتحت تقریباً 68 کالج آتے ہیں۔ اسکے ساتھ وہاں پر 61 کالجز برائے خواتین (women only colleges) ہیں۔ اگر ہم سعودی عرب میں گریجویشن کی شرح کو دیکھیں تو 1970ء میں یونیورسٹی سے گریجویٹ ہونے والے مردوں کی تعداد 795 تھی جو کہ 1999ء میں بڑھ کر 21,229 ہوگئی۔ اسکے مقابلے میں سعودی عرب کی یونیورسٹیوں سے گریجویٹ ہونے والی خواتین کی تعداد 1970ء میں 13 میں تھی جو 1999ء میں بڑھ کر 21,721 ہوگئی یعنی 1999ء میں سعودی عرب میں یونیورسٹی گریجویٹ خواتین کی تعداد مردوں سے بھی بڑھ گئی۔ سعودی عرب میں غیر مخلوط تعلیمی نظام کی کامیابی کا اندازہ لگانے کے لیئے یہی کافی ہے۔ مزید برآں شاہ خالد یونیورسٹی سے پچھلے 10 سالوں میں گریجویٹ ہونے والی خواتین کی شرح مردوں کے مقابلے میں 2.5 گنا زیادہ تیزی سے بڑھی ہے۔

ذاتی شہادتیں

اِس باب کے اختتام پر چند شخصی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں کہ جنھوں نے غیر مخلوط تعلیم کے فوائد کا گہری نگاہ سے مشاہدہ کیا:

پہلی مثال: مشہور مغربی مؤرخ سٹیون مائلز (Steven Miles) کی ہے۔ ایک انٹرویو میں انہوں نے بتایا کہ کس طرح سنگل سیکس سکول میں جانا اُن کی زندگی میں اہم موڑ ثابت ہوا۔ ڈاکٹر مائلز کو اس بات کا پکا یقین ہے کہ غیر مخلوط اسکول میں جانے کی وجہ سے ان کی

---

(1) Cordesman, Anthony H. (2003). Saudi Arabia Enters the Twenty-First Century. Connecticut, Praeger. Quoted in: Baki, Roula (June 17, 2004) Education Policy Analysis Archives 12(28)

صلاحیتیں نکھر سکیں اور بالآخر انہوں نے تاریخ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انہوں نے بتایا:

''جب میں نے ہائی سکول شروع کیا تو دیگر نوجوان لڑکوں کے مقابلے میں زیادہ شرمیلی طبیعت کا تھا۔ لیکن میں نے ایک بڑا قدم اٹھایا اور تقریری ٹیم میں شامل ہو گیا۔ جس نے میرے لیئے نئی دنیا کھول دی۔۔۔۔۔ میرا یقین ہے کہ اسی سے میری صلاحیتیں نکھریں اور میں نے علم تاریخ میں پی ایچ ڈی شروع کی۔ جب میں ماضی میں جھانکتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ الینوائے (Illinois) ریاست میں کالجوں میں قانونی مباحث میں خواتین کی اکثریت ہے تو میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ میں کوایجوکیشنل سکول میں تقریری ٹیم میں شمولیت اختیار کرتا...... مجھے اپنے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو ڈھونڈنے کا موقع چاہیئے تھا۔ بغیر اس کے کہ میں اس بات کی فکر کرتا کہ میں لڑکیوں کے سامنے بیوقوف نظر آؤں گا۔'' (1)

دوسری مثال: حال ہی میں نیوز ویک (Newsweek weekly) کے 24 اکتوبر 2005ء کے شمارے میں امریکی خاتون ٹیچر کرسٹین فلاورز (Christine Flowers) نے اپنے ذاتی تجربات شائع کیئے۔ جس کا عنوان تھا:

"With No Boys to Ogle, We Had Time To Learn."

(جب لڑکے ترچھی نگاہوں سے ہمیں دیکھنے والے موجود نہ تھے تو ہمیں علم حاصل کرنے کا موقع مل گیا)

اِس مضمون میں کرسٹین فلاورز نے برائن ماور کالج (Bryan Mawer College) پنسلوینیا، میں پڑھائی کرتے ہوئے اپنے تجربات بیان کیئے ہیں۔ یاد رہے کہ برائن ماور کالج صرف خواتین کا کالج ہے۔ کرسٹین نے بتایا:

---

(1) Single-Sex Education. (www.singlesexschools.org)

"It is far too distracting to have a member of the opposite sex sitting in class beside you." (1)

(کلاس میں اپنے قریب جنس مخالف کی موجودگی پڑھائی میں شدید انتشار توجہ کا باعث بنتی ہے۔)

کرسٹین کالج میں اپنی ہم جماعت خواتین کے متعلق لکھتی ہیں:

"برائن ماور کالج میں مجھے جن خواتین طالب علموں سے واسطہ پڑا وہ سب ذہین، خود کفیل اور اپنے مقصد کی لگن رکھنے والی تھیں۔ وہ جب یہاں سے پڑھ کر نکلتی تھیں تو وہ جس میدان میں بھی مستقبل میں داخل ہوتیں، ایک اعتماد کے احساس کے ساتھ جاتیں۔" (بحوالہ ایضاً)

غیر مخلوط تعلیمی ادارے میں پڑھنے کی وجہ سے کرسٹین کی ہمت اس معاملے میں بندھی کہ اس نے اپنی پڑھائی پر مکمل توجہ مرکوز کی۔ جیسا کہ وہ بیان کرتی ہے:

"میں نے اپنے آپ کو فرانسیسی اور اطالوی زبان، تاریخ اور فلسفہ کی پڑھائی میں غرق کر دیا اور تیراکی بھی سیکھتی رہی۔ مجھے ایک مرتبہ بھی اس بات کی فکر نہیں کرنی پڑی کہ میں نے کسی لڑکے کے ساتھ جمعہ کی رات کو ڈیٹ (Date) پر جانا ہے اور میں نے ایسا کبھی کیا بھی نہیں۔ مجھے کلاس میں کسی مسئلہ پر اپنی رائے دینے میں کبھی جھجک بھی محسوس نہیں ہوئی جو مجھے اس صورت میں ہوتی اگر کوئی خوبصورت نوجوان میرے قریب ہی کلاس میں بیٹھا ہوتا۔ برائن ماور کالج نے مجھے یہ سمجھنے میں مدد دی کہ شرف اور برتری کا تعلق انسان کے مرد یا عورت ہونے سے نہیں۔" (بحوالہ ایضاً)

کرسٹین نے پڑھائی ختم کرنے کے بعد ٹیچنگ شروع کر دی۔ وہ اپنے ٹیچنگ کے تجربات بتاتی ہے:

"میں فلاڈلفیا کے مضافات میں ایک لڑکوں کے غیر مخلوط سکول میں پڑھایا کرتی تھی اور

---

(1) Flowers, Christine (October 24, 2005). "With No Boys to Ogle, We Had Time to Learn". Newsweek.

مجھے یقین ہے کہ وہ کم عمر سکالرز (میرے شاگرد) لڑکیوں کے حسن و جمال اور دل آویزی سے بے خبر نہ تھے لیکن کلاس میں لڑکیوں کی غیر موجودگی کی وجہ سے وہ بہر حال سکول میں 8 بجے سے 3 بجے تک اپنی پوری توجہ پڑھائی پر مرکوز کرتے تھے۔" (1)

قصہ مختصر

قصہ مختصر یہ کہ مخلوط تعلیم فطرت کے بھی خلاف ہے اور اسلام کے بھی خلاف۔ سائنسی تحقیقات اور عملی تجربات جو اس مضمون میں بیان کئے گئے ہیں، ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر مخلوط تعلیمی نظام (seperate gender education) انسانی فطرت سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنی جسمانی، ذہنی اور جذباتی نشو ونما کے لیئے مختلف قسم کی ٹریننگ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ریسرچ نے یہ بتایا ہے کہ دونوں صنفوں میں یہ فرق (Gender Gap) پرائمری سکول سے شروع ہو کر یونیورسٹی بلکہ تمام عمر پر محیط ہوتا ہے۔ تاہم یہ فرق اس وقت اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے جب لڑکے اور لڑکیاں بلوغت کی عمر کو پہنچتے ہیں اور پھر یہ فرق اسی طرح تمام عمر رہتا ہے۔

یہاں یہ بات بتانا ضروری ہے کہ اسلام معاشرے میں اخلاق اور عفت وعصمت کی حفاظت کو نہایت اہمیت دیتا ہے۔ ایک مسلمان کو اس چیز کا حکم ہے کہ ہر اس چیز سے دور رہے جو اس کے صنفی جذبات کو انگیخت کرے۔ اسی لیئے اسلام مردوں و عورتوں کے آزادانہ اختلاط کو قبول نہیں کرتا۔ مسلمان نوجوانوں کو یہ حکم ہے کہ وہ معاشرے میں جنس مخالف سے ایک محتاط فاصلہ (safe distance) رکھیں کیونکہ یہ انہی کے لیے بہتر ہے۔ اسلام ہمیں بچوں کی ایسے ماحول میں پروان چڑھنے کی ترغیب دیتا ہے جس میں ان کی "فطرہ" پیدائشی اسلامی فطرت محفوظ ہے۔

کوایجوکیشن کے ماحول میں طالبعلموں کے لیے فتنہ میں پڑنے اور گمراہ ہونے کے مواقع

---

(1) Flowers, Christine (October 24, 2005). "With No Boys to Ogle, We Had Time to Learn". Newsweek.

زیادہ ہوتے ہیں۔ اکثر اوقات کوایجوکیشن کے دوران طلبہ و طالبات کا پڑھائی پر وقت صرف کرنے کی بجائے اس کوشش میں وقت ضائع ہو جاتا ہے کہ وہ جنس مخالف کے سامنے اچھے نظر آئیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اکثر ماہر عمرانیات (sociologists) بیان کرتے ہیں کہ یہ تقریباً ناممکن ہے کہ مرد اور عورت میں صرف خالص دوستی (pure friendship) کا رشتہ قائم ہو سکے (اسی چیز کو افلاطون نے platonic relationship کہا تھا) کیونکہ جیسے جیسے دوستی گہری ہوتی ہے، ویسے ویسے مرد اور عورت کے جذبات جسمانی تعلق میں اُس کا اظہار ڈھونڈتے ہیں۔

باب نمبر 4

ماں کی ممتا اور گھر کا محاذ ۔ ایک مذہبی اور سائنسی تجزیہ

اَلْمرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ

(صحیح بخاری– کتاب الجمعہ)

"عورت اپنے شوہر کے گھر اور اسکی اولاد کی نگران بنائی گئی ہے اور (روزِ قیامت) اس سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔"

اسلام نے معاشرتی زندگی کی ذمہ داری مردوں پر ڈالی ہے جبکہ مستقبل کی زندگی کی ذمہ داری خواتین پر۔ قدرت نے آنے والی نسلوں کی پرورش کو چار مرحلوں میں تقسیم کیا ہے:

حمل، وضع حمل، رضاعت (بچے کو دودھ پلانا) اور بچے کی تعلیم۔ اِن چاروں مرحلوں میں سے ہر مرحلہ بچے کی مجموعی نشو ونما میں اتنا اہم ہوتا ہے کہ اُس میں کسی قسم کی غفلت بچے کے لیئے تباہ کن ثابت ہوتی ہے۔

اسلام نے اس بات کا درس دیا ہے کہ ماں پن بذاتِ خود ایک کیریئر ہے۔ سائنسی سروے اور مشاہدات ہمیں بتاتے ہیں کہ خواتین کی اکثریت کے لیئے اپنا گھر اور فیملی سب سے زیادہ تسکین کا موجب ہوتے ہیں۔ فطرت کسی ایک جنس کی حمایت نہیں کرتی۔ جب فطرت نے

عورت کو حمل اور رضاعت کی صلاحیتیں عطا کی ہیں تو فطرت نے ہمیں یہ واضح پیغام دیا ہے کہ عورت کا میدان کار کیا ہے۔ اِسی طرح باپوں کو ماں بننے کی خصوصیات نہ عطا کر کے فطرت نے ہمیں بتا دیا ہے کہ مردوں کے کرنے کا اصل کام کیا ہے۔ اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیئے مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے سے مختلف جسم، صلاحیتیں، صفات اور نفسیات عطا کی گئی ہیں۔

جب مغربی سوسائٹی میں عورت کو بحیثیت ماں، گرہستن اور مالکۂ خانہ کے عزت نہ ملی تو وہ گھر سے باہر عزت کی تلاش میں نکلی اور مردوں جیسے کام کرنے شروع کر دیئے۔ اسکے برعکس اسلام نے عورت کو عورت رہتے ہوئے اور گھر میں اپنے فرائض ادا کرتے ہوئے عزت عطا کی۔

فیملی کی بنیاد ماں ہوتی ہے

حمل، وضع حمل اور بچے کی پرورش کرنے کی وجہ سے اسلام نے ماں کے مقام کو باپ سے کہیں زیادہ بلند کر دیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالٰی ہے:

"اور ہم نے انسان کو اُس کے والدین کے معاملے میں ہدایت کی۔ اُس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف جھیل کر اُس کو اپنے اندر رکھا اور دو سال میں اُس کا دودھ چھڑانا ہوا کہ میرے شکر گزار ہو اور اپنے والدین کے بھی۔" (سورۃ لقمان:۱۴)

مغربی معاشرے میں جب ماؤں نے گھروں کو چھوڑ کر کیریئر کی زندگی میں آفس یا فیکٹری یا کمپنیوں کا رخ کیا تو معاشرہ گھر کی مالکن سے محروم ہوگیا۔ بچوں کی پرورش ایک بوجھ بن گیا۔ سابق روسی لیڈر میخائیل گورباچوف (Mikkael Gorbachev) نے 1987ء میں طبع ہونے والی اپنی کتاب "Perestroika: New Thinking for Our Country and the World." میں مغربی معاشرے کی اس "مخلصانہ کوشش" پر روشنی ڈالی ہے کہ ہر میدان میں عورت کو مرد کے برابر کر دیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اب خواتین کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ گھر کی روزمرہ کی ذمہ داریاں ادا کر سکیں۔ یعنی گھر کا کام، بچوں کی پرورش اور فیملی کا ماحول پیدا کرنا۔ ہم نے یہ دریافت کیا ہے کہ ہماری

مشکلات یعنی بچوں اور نوجوانوں کا رویہ، ہماری اخلاقیات، کلچر اور ہماری پیداوار میں کمی، ان سب مشکلات کی ایک وجہ خاندانی رشتوں کا کمزور ہونا اور خاندانی ذمہ داریاں نبھانے میں سستی کرنا ہے۔"

اس کے بعد صدر گورباچوف ایک سوال پوچھتے ہیں:

"What should we do to make it possible for women to return to their purely womanly mission?" (1)

"ہم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں تا کہ ہم یہ ممکن بنا سکیں کہ ہماری خواتین خالص عورت کے مشن کی طرف واپس آ سکیں؟"

اسلام نے صدر گورباچوف کے پوچھے ہوئے سوال کا جواب بلکہ پوری مغربی سوسائٹی کے مسئلے کا حل بہت پہلے پیش کر دیا تھا۔ اسلام نے عورت کے مقام کو بلند کیا لیکن مرد اور عورت کو مختلف ذمہ داریاں سونپیں۔ خواتین کے لیئے سب سے اہم اور مقدس ذمہ داری بچوں کی پرورش اور فیملی کی دیکھ بھال ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں نبی کریم حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

عَلَيْكُنَّ بِالْبَيْتِ فَإِنَّهُ جِهَادُكُنَّ (مسند احمد) (2)

(اے خواتین! تم گھروں میں رہو کیونکہ امور خانہ داری انجام دینا ہی تمھارا جہاد ہے)

ہم یہ جانتے ہیں کہ جہاد اسلامی عبادات میں سب سے اونچی عبادت ہے جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا:

---

(1) Gorbachev, Mikhail (1988). Perestroika: New Thinking for Our Country and the World. New York, Harper & Row

(2) مسند احمد، حدیث نمبر 23837 ۔ عیون الاخبار، جلد 4، صفحہ 78

رَأْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ ، وَعَمُوْدُهُ الصَّلاةُ وَ ذِرْوَةُ سِنَا مِهِ الْجِهَادُ .

(ترمذیؓ) (1)

(معاملے کا سر اسلام ہے اور اسکا ستون نماز ہے اور اسکے کوہان کی چوٹی اللہ کے راستے میں جہاد ہے)

گھر میں عورت کے امورِ خانہ داری کو جہاد کے برابر قرار دینا دراصل اس کو اسلامی عبادات میں سب سے اونچا مقام دینا ہے۔ گھر میں ماں کا کوئی متبادل نہیں۔ یہ ماں ہی ہے جو خاندان کو جوڑتی ہے۔ ایک جوان مرد وہی ہوتا ہے جس طرح اس کی ماں نے بچپن میں اسے تیار کیا ہوتا ہے۔ خواتین کی فطرت میں پرورش کرنے کی صفت ہوتی ہے۔ حقوقِ نسواں کی حامی خاتون مصنف کیرول گیلی گین (Carol Gilligan) اپنی کتاب "In a Different Voice" میں رقمطراز ہے:

"Women not only define themselves in a context of human relationship but also judge themselves in terms of their ability to care."

"خواتین اپنے ہی متعلق رائے قائم کرنے میں نہ صرف انسانی رشتوں کے حوالے سے انحصار کرتی ہیں بلکہ اس بات پر بھی کہ کس حد تک کسی کا خیال رکھ سکتی ہیں۔" (2)

اللہ تعالیٰ نے ماں کے مقام کو تمام انسانی رشتوں میں سب سے اونچا درجہ دیا۔ ماں کا "رحم" (womb) ہمارے عالمِ اَرواح سے اِس دنیا تک کے سفر کا درمیانی مقام ہوتا ہے۔ حدیث کے مطابق رحمِ مادر کا لفظ (womb of mother) اللہ کی صفت رحمٰن اور رحیم سے

---

(1) اخرجه الإمام احمد و الترمذی باسناد صحیح عن معاذ بن جبلؓ

(2) Gilligan, Carol (1993). In a Different Voice. Cambridge (Mass.), Harvard University Press.

مشتق ہے۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے،انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے"میں رحمٰن ہوں اور میں نے رحم (womb) کو پیدا کیا ہے اور اس کے لیے اپنے نام سے اُسے مشتق کردیا۔ جو اسے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو اسے توڑے گا میں اسے توڑوں گا۔" (الادب المفرد۔باب حقوق الوالدین) (1)

یہی وجہ ہے کہ مغربی ماہرین علم الانسان (Anthropologists) جو مسلمان ممالک اور معاشروں میں کام کرتے ہیں وہ بکثرت یہ رپورٹ کرتے ہیں کہ انہیں وہاں پر دوہرا نظام مراتب (Dual Hierarchy) نظر آتا ہے جس کے مطابق بیوی پر سب سے زیادہ حق اسکے خاوند کا اور مرد پر سب سے زیادہ اسکی ماں کا ہوتا ۔یہ سب اسلامی تعلیمات کا رہین منت ہے۔ مغربیت متاثر مسلم ممالک میں بھی بیٹے اس بات کو اپنے لیئے انتہائی ذلت اور شرم کی بات سمجھتے ہیں کہ اپنی بوڑھی ماں کو بوڑھے لوگوں کے گھر (دارالعافیہ) (old people's nursing homes) میں بھی بھیج دیں۔

قصہ مختصر یہ کہ معاشرے میں ماں کا کردار ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ غزوۂ احد میں احد کے پہاڑ پر متعین تیراندازوں کے دستے کا کردار تھا۔بعض صحابہؓ نے اُس دستے کی اہمیت کو نہ سمجھا لیکن اُسی کی بنیاد پر جنگ کا فیصلہ ہوا۔ جونہی صحابہؓ نے اُس پوزیشن کو چھوڑا اور پہاڑی سے نیچے آئے تو مسلمان جیتی ہوئی جنگ مکہ کے کافروں سے ہار گئے۔اِسی طرح اگر اسلامی معاشرے میں ماں محاذ پر اپنی پوزیشن پر قائم رہتی ہے تو پوری فوج فتح مند ہوتی ہے۔اگر ماں اپنے گھر کے محاذ کو چھوڑ کر کیرئیر کی تلاش میں یا تحریک نسواں کے نعرے سن کر باہر نکلتی ہے تو پوری فوج شکست سے دوچار ہو جاتی ہے۔

---

(1) الادب المفرد۔باب حقوق الوالدین از امام اسمٰعیل بخاریؒ ،دارالاشاعت،کراچی

بچوں کی پرورش میں ماں کا کردار

جنسی آزادی کے علمبرداروں کے مطابق عورت کا گھر میں کار منصبی اتنا آسان ہوتا ہے کہ وہ بچوں کی پرورش کے مراکز child day care کو بچے سونپ کو پورا ہو سکتا ہے۔ لیکن حقیقت حقوق نسواں والوں کی خواہش سے بہت مختلف ہے۔ مغربی معاشرتی نقاد جورج گلڈر (George Gilder) کے مطابق بچوں کی پرورش کے علاوہ بھی ماں کا فرض منصبی مسلسل ذمہ داریوں سے بھرا پڑا ہوتا ہے۔

"بہت سے بچوں کو پالنا ایک ایسا بڑا پراجیکٹ ہے جس میں مسلسل خبردار رہنے کی ضرورت ہوتی ہے..... یہ رول جسکی ضروریات مسلسل اور بہت سی ہوتی ہیں ایسا رول نہیں کہ جس کو بطریق احسن ادا کرنے میں مرد سنجیدہ نظر آتے ہوں۔ بیشک تجربات ہمیں بتاتے ہیں کہ ایسے مرد جنہیں بیوی سے طلاق کے بعد عدالت بچے سونپ دیتی ہے اُن کی اکثریت ان بچوں کو بہت جلد نئی بیوی، گرل فرینڈ، ڈے کیئر سینٹر یا ملازمہ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے ہیں۔" (1)

علم الحیاتیات کے ماہرین کے مطابق ماں اور باپ کا بچے سے تعلق مختلف ہوتا ہے۔ امریکی ماہر عمرانیات وحیاتیات (Sociobiologist) رابرٹ ٹرائیورز (Robert Trivers) نے اس سلسلے میں انکشاف کیا تھا کہ "والدین کی سرمایہ کاری" (Parental Investment) کا بوجھ باپ کے مقابلے میں ماں کے لیئے غیر معمولی طور پر زیادہ ہوتا ہے۔ سائنسدان ٹرائیورز کا مطلب یہ تھا کہ ماں اپنے بچے میں بہت زیادہ سرمایہ کاری (Investment) کرتی ہے یعنی پہلے نو مہینے اپنے جسم کے کیمیائی نظاموں کو حمل کے دوران بچے کے لیئے وقف کرنا، پھر ایک طویل عرصہ تک بچے کو دودھ پلانا، وغیرہ۔ اسکے برعکس بچے میں باپ کی سرمایہ کاری بہت کم ہوتی ہے۔ (2) اس کی مطلب یہ ہے کہ باپ کی سرمایہ کاری اگر

(1) George Gilder (2001) Men & Marriage

(2) Trivers, R. L. (1972) Parental investment and sexual selection. In B. Campbell (Ed.) Sexual selection and the descent of man, 1871-1971 (pp 136-179). Chicago, Aldine.

ہوتی بھی ہے تو بالواسطہ (Indirect) یعنی بچوں کے لیئے نان نفقہ کا بندوبست یا بچوں کی حفاظت۔

اگر ہم ماں کے جسم کی کیمیائی ساخت پر غور کریں تو اس کے جسم میں سب سے زیادہ کثرت ایسٹروجن (Estrogen) اور آکسیٹوسن (Oxytocin) دو جنسی ہارمونز کی ہوتی ہے اور یہی دو ہارمون ماں کے اندر پرورش کرنے کے شدید جذبے کو پیدا کرتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ "Oxytocin" ہارمون کا دوسرا نام "Love Harmone" (ممتا پیدا کرنا والا ہارمون) بھی ہے کیونکہ یہ ہارمون ماں کے جسم میں بچے کو پلانے کے لیئے دودھ پیدا کرتا ہے اور ماں اور بچے کے تعلق (mother-child bond) کو مضبوط کرتا ہے۔ اسکے برعکس جو جنسی ہارمون مردوں میں کثرت سے پائے جاتے ہیں وہ ٹیسٹوسٹیرون (Testosterone) اور ایڈرینالین (Andrenaline یعنی ایمر جنسی ہارمون) ہیں۔ یہ ہارمون باہر کی دنیا میں مقابلہ، شکار اور جنگجوئی کے لیئے تو مددگار ثابت ہوسکتے ہیں لیکن بچوں کی نگہداشت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا بلکہ Testosterone ہارمون تو مرد کے دماغ کو کسی ایک کام پر توجہ مرکوز کرنے میں بھی مددگار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرد کوئی بھی جاب بغیر انتشار توجہ کے کر لیتے ہیں۔ باہر کی دنیا میں شاید یہ خوبی ہو لیکن بچوں کی پرورش کے معاملے میں مردوں کی یہ صفت ایک خامی ہے۔ اِسکے برعکس ماں ایک ہی وقت میں گھر کے کام بھی کرتی ہے اور بچوں کے نت نئے مطالبات بھی پوری کرسکتی ہے۔

بہرحال باپ کے مقابلے میں ماں کی بچے میں کئی گنا زیادہ سرمایہ کاری (Parental Investment) ہوتی ہے اور بچے سے غفلت کی صورت میں زیادہ نقصان اُسی کا ہوتا ہے کیونکہ بچے پر ماں نے صحیح طور پر اپنا خون پسینہ صرف کیا ہوتا ہے۔ اسی لیئے اسلام نے ماں کا رتبہ باپ سے زیادہ رکھا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ ماں کے کردار کی اہمیت کو کبھی کم نہیں سمجھنا۔ بچوں کے لئے کھانا پکانا، کپڑے تیار کرنے اور آنے والی نسلوں کی تعلیم وتربیت اُس چیز سے زیادہ مقدس اور اہم ہیں کہ ان کی خوراک کے لیئے پیسہ خرچ کیا جائے، ان کے لیئے کپڑے خریدے جائیں اور ان کی تعلیم کے صرف اخراجات ادا کردیئے جائیں۔ چنانچہ ماں کا رتبہ باپ سے کہیں زیادہ ہے۔

ماں کا دودھ، سب سے بہترین غذا

(Breast-fed is Best-fed)

تقریباً نصف صدی پہلے جدیدیت کے سیلاب میں امریکہ اور یورپ کی ماؤں نے بچوں کو اپنا دودھ پلانے کی بجائے بوتل کا دودھ پلانا شروع کر دیا کیونکہ انہوں نے اپنا دودھ پلانے کو دقیانوسیت سمجھا۔ وہ آج تک چھاتی کے سرطان (Breast Cancer) کی صورت میں اسکی قیمت ادا کر رہی ہیں۔ لیکن پچھلے کئی سالوں سے سائنسی تحقیقات مسلسل یہ ثابت کر رہی ہیں کہ ماں کے دودھ کی متبادل بچے کے لیئے کوئی دوسری غذا نہیں۔ اس سلسلے میں سب سے اہم تحقیق کیمبرج یونیورسٹی کے سائنسدان ایلن لوکاس (Alan Lucas) نے کی جس میں انہوں نے ثابت کیا کہ وہ بچے جنہوں نے بچپن میں ماں کا دودھ پیا ہوتا ہے، ذہانت میں ان بچوں سے کہیں زیادہ آگے ہوتے ہیں جنہوں نے ڈبے کا دودھ (فارمولا دودھ) پیا ہوتا ہے۔ آٹھ برس کی عمر کے بچے جنہوں نے بچپن میں ماں کا دودھ پیا تھا انکا آئی کیو سکور (I.Q. Score) دوسرے بچوں کے مقابلے میں 8.3 پوائنٹس زیادہ تھا۔ علاوہ ازیں ڈبے کا دودھ پینے والے بچوں میں دست کی بیماری ماں کا دودھ پینے والے بچوں کے مقابلے میں دو سے چار گنا زیادہ ہوتی ہے۔ بوتل کا دودھ پینے والے بچوں میں گردن توڑ بخار کے امکانات چار گنا زیادہ ہوتے ہیں۔ اسکے علاوہ ماں کے دودھ کے ایک قطرے میں دس لاکھ سفید خلیات (جسم کی دفاعی فوج) ہوتے ہیں جو کہ بچے کے جسم میں بیکٹیریا اور وائرس کا مقابلہ کرتے ہیں۔

ماں کا دودھ پینے میں بچے کو بوتل کا دودھ پینے کے مقابلے میں مشقت زیادہ کرنی پڑتی ہے۔ جس سے نومولود کی سانس لینے کی صلاحیت بہتر ہوتی ہے۔ میڈیکل تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ ماں کا دودھ پینے والے بچوں کے مقابلے میں بوتل کا دودھ پینے والے بچے چار گنا زیادہ سانس کی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں، اکیس گنا زیادہ دمے کے مرض (asthma) کا شکار ہوتے ہیں اور ستائیس گنا زیادہ hay fever کا۔ سائنسدانوں نے یہ دریافت کیا کہ ماں کا دودھ پینے کی وجہ سے اُن بچوں کے پھیپھڑے اتنے مضبوط ہو جاتے ہیں کہ وہ پھیپھڑوں کی

بیماریوں کا کم شکار ہوتے ہیں۔ (1)

امریکن ڈاکٹر جیک نیومین (Jack Newman, M.D) نے Scientific American کے دسمبر 1995ء کے شمارے میں ماں کا دودھ پلانے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھا:

"گو کہ صنعتی معاشروں میں بچوں کو پاؤڈر کا دودھ پلایا جاتا ہے لیکن UNICEF اور ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (WHO) دونوں تاکید کرتی ہیں کہ بچے کو "دو سال یا اس سے زیادہ مدت تک" اپنی ماں کا دودھ پلایا جائے۔ چونکہ بچے کے جسم کا دفاعی نظام 5 سال کی عمر تک مضبوط نہیں ہوتا۔" (2)

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ UNICEF اور WHO آج کثیر تجربات کے بعد اُس نتیجے پر پہنچے ہیں جس کا حکم قرآن نے انسانیت کو 1400 برس پہلے دے دیا تھا کہ مائیں بچوں کو 2 سال تک اپنا دودھ پلائیں۔ (سورالبقرہ-آیت 233)

ماں کا دودھ اور بچے کا سماجی بننا (Socialization)

ماں کا دودھ پینے سے بچے کی زندگی میں سماجی شعور اور حسن تدبیر کی صلاحیتیں پیدا ہونے سے گہرا تعلق ہے۔ حضور ﷺ کو جن خاتون نے دودھ پلایا وہ حلیمہ سعدیہ تھیں۔ اُن کا تعلق قبیلہ بنو سعد سے تھا جو کہ عربوں میں نہایت فصیح قبیلہ سمجھا جاتا تھا۔ گویا حضور ﷺ نے ایک انتہائی فصیح قبیلے کی خاتون کا دودھ پیا تھا۔ اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا تھا:

---

(1) Montagu, Ashley (1972) Touching: The Human Significance of Skin. New York, Columbia Univ. Press.

(2) Newman, Jack (1995). How Breast Milk Protects Newborns Scientific American Dec 1995.

بُعِثتُ بِجَوامِعِ الکَلِم۔

(بخاری، مسلم، نسائی عن ابی ھریرہ ؓ)

"مجھے فصیح کلمات کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔"

ماں اپنے دودھ کے ذریعے اپنے بچے کو صرف دودھ ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت کچھ دیتی ہے۔ اسرائیلی سائنسدان یٹزیک کوچ (Yitzhak Koch)، جو کہ وہاں کے Weizmann Institute of Science میں غذائیت کے پروفیسر ہیں، نے کہا تھا:

"Milk is not just a source of nutritional elments ..... It's really a vehicle by which the mother transfers information to the child." (1)

"ماں کا دودھ بچے کو صرف غذائیت ہی نہیں دیتا بلکہ دراصل اس ذریعے سے ماں علم کو بچے تک منتقل کرتی ہے۔"

ماں کے دودھ کی افادیت کے بارے میں کیلیفورنیا کی پٹزر یونیورسٹی (Pitzer Universtiy) کے تاریخ خیالات کے سابق پروفیسر بیری سینڈرز (Barry Sanders) اپنی کتاب "A is for Ox" (مطبوعہ نیویارک 1995) میں لکھتے ہیں:

"ماں کا دودھ پینے کے دوران بچے کی پانچوں حسیات (Five Senses) بیک وقت متحرک ہوتی ہیں اور نومولود صرف دودھ ہی ہضم نہیں کرتا بلکہ دودھ کی دیگر برکات مثلاً بہاؤ، موزونیت اور طلاقت لسانی بھی حاصل کرتا ہے ـــــــ نومولود الفاظ کے صاف تلفظ اور لہجے کو سن کر سیکھتا ہے۔ دودھ پینے کے دوران ماں کے دل کے قریب رہ کر نومولود سب سے اہم آواز کو

---

(1) Blum, Deborah (1996). Is Mother's milk key to child's growth, future? Sacramento Bee July 8, A-1.

سکتا ہے۔ ماں کے بولے ہوئے الفاظ اور جملے بچے کے جسم میں سرایت کر جاتے ہیں۔ جب بھی ماں کوئی لفظ اپنے منہ سے ادا کرتی ہے تو اس کی گود میں نومولود اپنے چہرے کے پٹھوں (facial muscles) کو حرکت دے کر اپنی ماں کو کاپی کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہی چیز بالآخر اسے بولنے کے قابل بناتی ہے۔" (1)

اِس مفروضے کو مزید تقویت میڈیکل جریدے Journal of the American Medical Association میں شائع ہونے والی ایک ریسرچ سے ملتی ہے جس میں محققین ہوفر (Hoefer) اور ہارڈی (Hardy) نے یہ ثابت کیا تھا کہ "جن بچوں کو چار سے نو ماہ تک ماں کا دودھ پلایا گیا ہو وہ بچے ذہنی طور پر جلدی ترقی کرتے ہیں اور چلنا اور بولنا بھی جلدی عمر میں شروع کر دیتے ہیں۔" (2)

بچوں کو نشو و نما کے میدان میں ایک اور ماہر شخصیت امریکی مفکر جوزف چلٹن پیئرس (Joseph Chilton Pearce) کی ہے۔ وہ اس مسئلے کی تائید میں ثبوت کے طور پر اُن نومولودوں (Infants) کی مثال پیش کرتے ہیں جن کی مائیں گونگی اور بہری ہوتی ہیں:

"تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ گونگی اور بہری (Deaf-mute) ماؤں کے ہاں پیدا ہونے والے بچوں کے پاس چہرے کے پٹھوں کو حرکت دینے کی مثال موجود نہیں ہوتی (کیونکہ ان کی مائیں بول نہیں سکتیں) اِس لیئے ایسے بچے اس وقت تک بولنا شروع نہیں کرتے جب تو وہ طویل عرصے تک کسی ایسے شخص کے پاس وقت نہ گزارلیں جو بول سکتا ہو۔" (3)

---

(1) Sanders, Barry (1995). A is for ox. New York, Vintage Books.

(2) Hoefer, C. & Hardy, M.C. (1929). "Later Development of Breast Fed and Artificially Fed Infants." Journal of the American Medical Association 96: 615-619.

(3) Pearce, Joseph Chilton (1992). Evolution's End: Claiming the Potential of Our Intelligence. New York, HarperSanFrancisco.

ماں کا دودھ اور بچے کا انسانیت سیکھنا

ماں کا دودھ بچے کو انسانیت سکھاتا ہے جبکہ بوتل کا دودھ بچے کو مشینی بناتا ہے۔ دودھ پلاتے ہوئے ماں صرف بچے کو غذا ہی نہیں دیتی بلکہ انسانی محبت بھی بچے میں منتقل کرتی ہے۔ امریکہ کے انسٹیٹیوٹ آف بیومنطک سائنس کے سائنسدان جیمس پریسکاٹ (James W. Prescott, PhD) وثوق کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حسیاتی تحریک (Sensory stimulation) جو کہ بچے کو ماں کا دودھ پینے کے دوران حاصل ہوتی ہے وہ غذائیت کی طرح ہوتی ہے جو جسم کی نارمل نشو ونما اور دماغ کی پرورش کے لئے ضروری ہوتی ہے۔(1)

سیروٹونن (serotonon) ایک ایسا کیمیائی مادہ ہے جو دماغ میں پایا جاتا ہے (Neurochemical) اور جن صورتوں میں ماں اور نومولود میں جسمانی تعلق قائم نہیں رہتا (مثلاً اگر بچے کو صرف بوتل کا دودھ دیا جائے) اُن صورتوں میں سیروٹونن کی مقدار دماغ میں بہت کم ہو جاتی ہے۔

دماغ میں سیروٹونن پیدا کرنے کے لیئے ایک کیمیائی مادہ ٹرپٹوفین (Tryptophan) ضروری ہوتا ہے جو کہ ماں کے دودھ میں کثرت سے پایا جاتا ہے جبکہ ڈبے کے دودھ میں موجود نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر پریسکاٹ کے مطابق پچھلے ہزاروں سال کی ارتقائی بیالوجی یہ ثابت کرتی ہے کہ قدرت نے ایسا میزان قائم کیا ہے کہ بچے کا ماں کا دودھ پینے کی وجہ سے ماں سے جسمانی تعلق قائم رہے جسکی وجہ سے دماغ میں سیروٹونن کی مناسب مقدار موجود رہتی ہے۔ ڈاکٹر پریسکوٹ نے یہ بھی بتایا کہ مختلف شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ ڈپریشن زدہ لوگ، تند اور متشدد جوان اور مجرمین کے دماغوں میں سیروٹونن کی مقدار کم ہوتی ہے بالخصوص اُن لوگوں میں جو بار بار خودکشی یا قتل کی

---

(1) Prescott, James W. (Spring 1997). Breastfeeding: Brain Nutrients in Brain Development for Human Love and Peace. Touch the Future Newsletter.

کوششیں کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنی ماؤں کا دودھ نہیں پیا ہوتا اُن کی شخصیت میں ایک کمی سی رہ جاتی ہے جو سوسائٹی میں مختلف جرائم کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔جب ڈاکٹر پریسکوٹ نے دنیا کے مختلف قدیم کلچرز (Primitive Cultures) کا مطالعہ کیا تو دیکھا کہ اُن سب قدیم کلچرز میں مائیں اپنے بچوں کو کم از کم اڑھائی سال تک دودھ ضرور پلاتی تھیں۔
اِن تمام شواہد کی روشنی میں ڈاکٹر پریسکاٹ نے عدالتی نظام کو درج ذیل چیلنج دیا:

''ان تمام وجوہات کی بناء پر میرا عدالتی نظام کو یہ چیلنج ہے کہ وہ ایک بھی مجرم یعنی قاتل، زنا بالجبر کرنے والا، نشہ کرنے والا یا چور امریکہ کی کسی جیل سے ڈھونڈ کر دکھا دیں جس کو اُس کی ماں نے دو سال یا اُس سے زیادہ عرصہ اپنا دودھ پلایا ہو جیسا کہ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن تجویز کرتی ہے۔میری تحقیقات کے نتائج اِس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہمیں ایسی قومی صحت کی پالیسی (National Health Policy) بنانی چاہیے جو اس بات کی حمایت کرے کہ مائیں بچوں کی اچھی طرح پرورش کریں اور انہیں دو سال یا اس سے زیادہ دودھ پلائیں۔اگر ایسی قومی صحت کی پالیسی ہمارے ملک میں نافذ ہو جائے تو یہ ہمارے تشدد کے کلچر (Culture of Violence) کو امن کے کلچر (Culture of Peace) میں بدل سکتی ہے۔''

(بحوالہ: ایضاً)

ڈاکٹر ڈونلڈ وونی کاٹ (Dr. Donald Woods Winnicott) ایک برطانوی ماہر نفسیات اور بچوں کے ڈاکٹر ہیں۔اپنے کیریئر کے دوران انہیں بہت سے نفسیاتی طور پر پریشان اور بیمار بچوں اور اُن کی ماؤں کا علاج کرنے کا موقع ملا۔جس تجربے کی بنا پر انہوں نے اپنی کتاب "Home Is Where We Start From" میں معاشرے میں ماں کے کردار پر درج ذیل الفاظ میں روشنی ڈالی:

''پچھلی نصف صدی میں گھر کی قدر و قیمت کے متعلق شعور میں اضافہ ہوا ہے۔ہمیں اب ان وجوہات کا اندازہ ہوا ہے کہ آخر کیوں والدین کا بچوں کی پرورش اور ذمہ داری کا کام، ایک

طویل اور مشقت طلب کام، اتنی اہمیت کا حامل ہے اور حقیقت میں ہمارا یہ ایمان ہے کہ صرف یہی چیز ایک سوسائٹی کو اصل بنیادیں فراہم کرتی ہے اور صرف یہی ایک ایسی فیکٹری ہے جو ایک ملک کے معاشرتی نظام کو جمہوری میلان عطا کرتی ہے.....''

بچے کی پیدائش سے پہلے اور پیدائش کے بعد کے ہفتوں اور مہینوں کے دوران بچے کے ماں سے تعلق کے متعلق میں فکرمند ہوں۔ میں اس بات کی طرف سب کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں کہ ایک عام ماں اپنے خاوند کی مدد سے ایک فرد اور ایک سوسائٹی کی تعمیر میں بے انتہا حصہ ادا کرتی ہے اور جو کچھ وہ ایک نومولود کی جانفشانی سے پرورش کر کے کرتی ہے۔۔۔۔ ہمیں ہر ماں کو اخلاقی مدد دینی چاہیے چاہے وہ ماں پڑھی لکھی ہو یا ان پڑھ، ہوشیار ہو یا سادہ لوح، امیر ہو یا غریب، اور ہر کسی اور ہر چیز سے ان کی حفاظت کرنی چاہیے جو اس ماں اور بچے کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کرے۔'' (1)

بچوں کے ڈے کیئر سینٹرز اور بوڑھوں کے اولڈ ہومز کا آپس میں تعلق

کسی بھی سوسائٹی میں بچوں کے ڈے کیئر سینٹرز (Child Daycare Centers) اور بوڑھے لوگوں کے لیئے اولڈ ہومز (Old Age Homes) میں گہری مناسبت پائی جاتی ہے۔ بچوں کے ڈے کیئر سینٹرز اور بوڑھوں کے اولڈ ایج ہوم (old people nursing homes) کی کسی سوسائٹی میں موجودگی اس بات کا مظہر ہوتی ہے کہ سوسائٹی میں معاشرتی ذمہ داریوں کا ترازو مضطرب (Disturb) ہو چکا ہے۔ قرآن نے انسانوں کو متنبہ کیا ہے:

وَلَا تُخْسِرُوْا الْمِيْزَانَ ○ (سورہ الرحمٰن:۹)

اور تم میزان میں خلل نہ ڈالو۔ (And do not disturb the balance)

---

(1) Winnicott, D. W. (1990). Home Is Where We Start from: Essays by a Psychoanalyst. New York, W. W. Norton & Co.

جب بچے ماں کی محبت سے محروم ہو کر ڈے کیئر سینٹر میں پروان چڑھتے ہیں تو وہی بچے جوان ہو کر اپنے بوڑھے ماں باپ کو اولڈ ہوم میں چھوڑ کر اپنا غصہ نکالتے ہیں۔ ڈاکٹر پریسکوٹ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"صنعتی ممالک میں نومولودوں اور بچوں کو ڈے کیئر میں داخل کرنے کا بڑھتا رجحان اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ ماں اور بچے کے درمیان محبت کا تعلق قائم نہ ہونے پائے جس کے خطرناک نتائج ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔(1)

مغربی عمرانی سائنسدان ایلیس روسی (Alice Rossi) ایسے بچوں کی حالتِ زار بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"گھر سے باہر پرورش پانے والے بچے بجائے اسکے کہ آزاد ہوں فی الحقیقت اکثر اوقات نظر انداز ہوئی اُداس مخلوق ہوتے ہیں۔" (2)

اِس ضمن میں مشہور امریکی معاشرتی نقاد بیری سینڈرز (Barry Sanders) مغربی معاشرے کی ماؤں کو نصیحت کرتا ہے:

"ہر ماں، چاہے وہ غریب ہو جو زندہ رہنے کے لیئے جاب کرتی ہے، اُس کو گھر واپس لوٹنے کی ضرورت ہے۔ کم از کم اس وقت تک جب تک ان کے بچے چھوٹے ہوں۔ بچوں کے بڑے ہو جانے کے بعد بھی ماؤں کو گھر میں موجودگی کا احساس دلانا چاہیے۔ اگر مائیں صحتمند ہیں تو انہیں اپنے بچوں کو دودھ پلانا چاہیے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ ماؤں کو باہر پھرنے کی بجائے گھر میں بیٹھنا چاہیے۔" (3)

---

(1) Prescott, James W. (Spring 1997). Breastfeeding: Brain Nutrients in Brain Development for Human Love and Peace. Touch the Future Newsletter.

(2) Rossi, Alice S. (1977). "A biosocial perspective on parenting." Daedelus 106: 1-32.

(3) Sanders, Barry (1995). A is for ox. New York, Vintage Books.

جب مائیں گھروں میں ٹک کر بچوں کی پرورش نہیں کرتیں بلکہ اپنی فطری ذمہ داری سے جان چھڑوا کر بچوں کو ڈے کیئر میں داخل کر دیتی ہیں تو وہ اس بات کو نہیں سمجھتیں کہ اگر وہ آج اپنے بچوں کے دلوں میں محبت کے بیج نہیں بوئیں گی تو کل کو وہ بڑھاپے میں محبت کی فصل کاٹنے کے لیئے بچوں کے پاس موجود نہیں ہوں گی بلکہ اولڈ ہوم میں زندگی کے شب و روز بسر کر رہی ہوں گی۔

سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ بچوں کے ڈے کیئر بھی اور بوڑھوں کے اولڈ نرسنگ ہوم دونوں ہی قید تنہائی ہوتے ہیں۔ شکاگو ٹرائیبون (Chicago Tribune) نے 1998ء میں یہ رپورٹ شائع کی تھی کہ امریکہ کے اولڈ ہومز کے بوڑھے رہائشیوں میں سے تقریباً 60 فیصد بوڑھوں سے ملنے کے لیئے کوئی نہیں آتا۔ چونکہ یہ حقیقت ہے کہ مغربی ممالک میں عورتوں کی عمریں مردوں سے زیادہ لمبی ہوتی ہیں اس لیئے مغربی خواتین اپنی جوانی میں گلیمر کے سال بسر کر کے اپنی زندگی کے آخری دس یا بیس سال قید تنہائی میں گزارتی ہیں۔ جب وہ ٹی وی کی سکرین پر ٹکٹکی باندھے رکھتی ہیں، ماضی کو یاد کرتی ہیں اور اپنے ہاتھوں میں مہینوں پرانے عید کارڈ (Greeting Cards) انہوں نے پکڑے ہوتے ہیں جو انھیں اپنے شادی شدہ بچوں کی طرف سے آئے ہوتے ہیں جو شاید ہی کبھی اُن سے ملاقات کرنے آتے ہوں۔

عظیم بوسنین مفکر اسلام علیجاہ عزت بیگووچ اپنی کتاب "Islam between East & West" میں بچوں اور بوڑھوں پر اس سماجی ظلم اور اُنکے باہمی تعلق کے متعلق رقمطراز ہیں:

''سوسائٹی میں بچوں کے ڈے کیئر سنٹرز اور بوڑھوں کے اولڈ ہومز دراصل ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ یہ ہمیں مصنوعی ولادت اور مصنوعی وفات کی یاد دلاتے ہیں۔ دونوں ادارے کسی سوسائٹی سے رحم و محبت کے فقدان اور فیملی سسٹم کے ٹوٹنے کی علامت ہوتے ہیں۔ دونوں فیملی کے خلاف ہوتے ہیں اور انسانی زندگی میں عورت کے بدلے ہوئے فرائض منصبی (changed role of woman) کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ دونوں کی مشترک خصوصیت یہ ہے کہ اُن میں والدین کا تعلق اور رشتہ (parental relationship) غائب ہوتا ہے۔ ڈے کیئر سینٹرز میں بچے والدین کے بغیر ہوتے ہیں اور بوڑھے لوگوں کے اولڈ ہومز میں والدین کو بچے میسر نہیں ہوتے۔''

---

(1) Izetbegovic, 'Alija 'Ali (1994). Islam Between East and West. Indiana, American Trust Publications.

باب 5

کیریئر یا فیملی - خواتین کی اکثریت کیا چاہتی ہے؟

ہمیں نسوانی زندگی کے دو روپ نظر آتے ہیں ۔ایک وہ جو میڈیا پر نظر آتا ہے اور دوسرا وہ جو ہم حقیقی زندگی میں دیکھتے ہیں ۔میڈیا پر ہالی وڈ، بالی وڈ، لالی وڈ یا پاکستان کے ڈراموں میں جس عورت کو دجال کے ایجنٹ پیش کرتے ہیں، وہ ایک ایسی عورت کا نقشہ ہوتا ہے جو ہر وقت گھر سے باہر رہتی ہے۔100فیصد کیریئر سے محبت کرتی ہے،اس کا بیشتر وقت گھر سے باہر گزرتا ہے، مردوں کے ساتھ پہاڑوں اور بلڈنگوں سے چھلانگیں لگاتی ہے۔شادی اُس کی معاشقے (Affairs) کے بغیر ہوتی نہیں بلکہ اکثر اوقات جانوروں کی طرح اپنی جنسی خواہش پوری کر لیتی ہے اور شادی کی ضرورت ہی نہیں سمجھتی وغیرہ وغیرہ۔تاہم اگر ہم ساری دنیا کی عورتوں کی اصل زندگیوں کا جائزہ لیں اور جانچیں کہ وہ کیا چاہتی ہیں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ یہ عورت میڈیا کی عورت سے بالکل مختلف ہے۔میڈیا اور فلموں میں جو عورت دکھائی جاتی ہے، وہ حقیقی دنیا میں موجود نہیں۔دنیا کے ترقی یافتہ ترین ممالک میں بھی نوکریوں کے اعداد و شمار (Job Statistics) سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اُن ممالک میں آج بھی خواتین کی اکثریت جاب پر فیملی کو ترجیح دیتی ہیں۔اِس میں خواتین کی بحیثیت مجموعی نیچر کا بھی تعلق ہے کہ وہ فطرتاً گھر کو باہر

سے زیادہ اہمیت دیتی ہیں اور مغربی خواتین کے پچھلے چند سالوں کے آزادی نسواں کے تلخ تجربات کا بھی تعلق ہے۔

مغرب میں آج خواتین کو جو حقوق حاصل ہیں وہ انہیں انکی مذہبی شریعت نے چاندی کی پلیٹ میں سجا کر نہیں دیئے بلکہ مغربی عورت کو وہاں کے "روشن خیال" معاشرے سے لڑ کر حاصل کرنے پڑے۔ مزید برآں، جنگ عظیم میں مردوں کی کمی، معاشی بدحالی اور صنعتی انقلاب کی ضروریات نے مغرب کی عورت کو اپنی روٹی کمانے کے لئے گھر سے باہر نکلنے پر مجبور کیا۔ مغربی عورت کو حالات کی مجبوری نے آج اس مقام پر پہنچایا ہے۔ برطانیہ کے نو مسلم عالم شیخ عبدالحکیم مراد (T.J. Winter) جو کہ کیمبرج یونیورسٹی میں علم الکلام کے پروفیسر بھی ہیں، مغربی عورت کی حالتِ زار کے متعلق لکھتے ہیں:

"گھر میں میاں بیوی دونوں کا نوکری کرنے (two-career family) کا دباؤ اکثر لوگوں کی برداشت سے زیادہ ہوتا ہے۔ ڈبل کمائی اور کچھ عورتوں کے لیئے جاب کرنے کا لطف اس چیز کا متبادل نہیں بن سکتا کہ میاں بیوی دونوں کے جاب کرنے کی وجہ سے اب تھکاوٹ اور تنازعہ کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ جب گھر عورت کی موجودگی سے محروم ہوتا ہے جو اس گھر کو گرم رکھتی ہے تو خاوند اور بچے دونوں اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں۔

جب مرد اور عورت کی ذمہ داریاں گڈمڈ ہوتی ہیں تو جھگڑے اور تکرار کے مواقع بڑھ جاتے ہیں اور جب میاں بیوی میں علیحدگی تک نوبت پہنچتی ہے تو تقریباً ہمیشہ عورت ہی سب سے زیادہ نقصان اٹھاتی ہے۔ جب بڑھاپے میں وہ تنہا ماں (Lone Parent) رہ جاتی ہے تو اُسے اندازہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی کو اُس سے کچھ دلچسپی نہیں رہی۔" (1)

اس میں شک نہیں کہ مسلمان خواتین مغرب کی خواتین کے مقابلے میں کہیں زیادہ خوش اور قانع ہیں اور اسلام کے دیئے گئے حقوق سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔ اسلام عورتوں کی جاب کے

---

(1) Murad, Abdal Hakim (T.J. Winter). The Fall of the Family, Part II. http://www.masud.co.uk.

خلاف نہیں بالخصوص جب کوئی مجبوری حائل ہو مثلاً خاوند کی موت کی صورت میں، طلاق کی صورت میں، خاوند کی معذوری یا بیماری کی صورت میں یا خاوند کی کمائی اتنی کم ہو کہ صرف اس کی کمائی سے بچوں کا پیٹ پالنا ممکن نہ ہو۔ ہاں البتہ اسلام ماں کے رول کی تحقیر پسند نہیں کرتا جو تحریک نسواں والے کرتے ہیں اور عورت کو آزادی نسواں (جو درحقیقت آوارگی نسواں ہوتی ہے) کا جھانسا دیکر گھر کی مقدس چار دیواری سے نکال کر جاب مارکیٹ میں مردوں کے شانہ بشانہ کھڑا کر دیتے ہیں۔

بیشک ہمیں انسانی تاریخ میں کہیں کہیں ایسی عورتیں نظر آتی ہیں جنہوں نے مردانہ میدانوں میں کمال حاصل کیا۔ لیکن ایسی عورتیں ایک جینئس (Genius) یا نابغہ کی طرح ایک استثناء (Exception) ہوتی ہے۔ ان کی مثال سامنے رکھ کر یہ امید کبھی نہیں کی جاسکتی کہ عام خواتین معاشرے میں مردانہ کام سنبھال سکیں گی۔ اسی طرح معاشرے میں ہر دور میں ایسی خواتین کی قلیل تعداد ہوتی ہے جو مردانہ رویہ (Masculine Behaviour) رکھتی ہیں جس کی آج کی میڈیکل ریسرچ نے وجہ معلوم کر لی ہے۔ ایسی خواتین میں سے اکثر پر اپنی ماؤں کی پیٹ میں پیدائش سے پہلے ذہنوں کی نشوونما کے دوران مردانہ ہارمون Testosterone کی ضرورت سے زیادہ مقدار اثر انداز ہو کر ان کے ذہن کو ایسا بنا دیتی ہے کہ وہ ''نساء مترجلات'' (مردانہ خصوصیات والی خواتین) بن جاتی ہیں۔ تحریک نسواں والوں کو یہ امید نہیں رکھنی چاہیے کہ گھر سے محبت کرنے والی عام خواتین اُن نساء مترجلات کے نقش قدم پر چلیں گی۔ آزادئ نسواں کے علمبردار کبھی خواتین کی نیچر کو نہیں بدل سکتے۔ ایک پرانا لاطینی محاورہ ہے:

"Naturam expellas furca, tamen usque revenit"

(You can drive nature out with a pitchfork but she always comes back).

''تم انسانی فطرت کو کھانچے سے مار بھگاؤ لیکن وہ پھر واپس آجائے گی۔''

دنیا میں خواتین کی اکثریت آج بھی فطرتاً کیریئر پر اپنی فیملی کو ترجیح دیتی ہے جیسا کہ ہم اس باب میں دیکھیں گے۔

خواتین کی جاب مارکیٹ میں شرکت

امریکہ کی جاب مارکیٹ میں غیر شادی شدہ خواتین کی شمولیت پر محتاط نظر ڈال کر ہمیں پتہ چلتا ہے کہ 1950ء سے لیکر اب تک خواتین کی شمولیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔(1)

اعداد و شمار میں اگر کوئی اضافہ ہوا ہے تو جاب مارکیٹ میں صرف شادی شدہ عورتوں کی تعداد میں۔ تاہم اُن شادی شدہ عورتوں کی اکثریت بھی پارٹ ٹائم یا صرف مخصوص مدت کے لیئے (seasonal) کام کرنے کو ترجیح دیتی ہیں اور گھر کے نزدیک جاب ڈھونڈتی ہیں تاکہ جاب ختم کرکے گھر فوراً پہنچ سکیں۔ امریکہ کے محکمہ شماریات (US Census Bureau) کے مطابق 1983ء میں 20 سال سے 65 سال کی عمر کی صرف 35 فیصد خواتین باقاعدہ جاب (Full-time job) کر رہی تھیں۔ مزید برآں، امریکہ کے محکمہ محنت (US department of labor) کے مطابق صرف 20 فیصد مائیں پورے سال تک باقاعدہ جاب کر رہی تھیں اور ان خواتین کی ٹوٹل کمائی خاوند کی کمائی کے مقابلے میں صرف 16.5 فیصد تھی۔ امریکی مفکر جورج گلڈر (George Gilder) کے مطابق امریکی خواتین کی اکثریت گھر میں رہنا اور اپنی فیملی پر توجہ مرکوز کرنے کو ترجیح دیتی ہیں۔ امریکی خواتین گھر سے نکل کر باقاعدہ صبح سے شام جاب تبھی کرتی ہیں جب انہیں حالات مجبور کرتے ہیں مثلاً خاوند کا بیوی بچوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا ہونا، طلاق، بیوہ ہو جانا یا خاوند کی انتہائی کم کمائی، وغیرہ۔ (2)

---

(1) Fuchs, Victor R. (1983). How We Live: An Economic Perspective on Americans from Birth to Death. Cambridge, Mass., Harvard University Press.

(2) Gilder, George (2001) Man and Marriage

1982ء میں لوئی ہارس Louis Harris اور اسکے معاونین نے جنرل ملز (General Mills) کے لیئے ایک قومی سروے کیا جس نے اس بات کا خاطر خواہ ثبوت فراہم کیا کہ امریکی معاشرہ جو اس وقت دنیا کی سپر پاور اور خواتین کی آزادی اور مادیت پرستی میں دنیا کا امام ہے، وہاں پر عورتوں کی اکثریت اپنی فیملی کے ساتھ اپنے گھروں میں رہنا پسند کرتی ہے اور باقاعدہ صبح سے شام تک روزانہ جاب کرنا انکی زندگی کا مقصد نہیں۔

لوئی ہارس پبلک پول (Louis Harris Public Opinion Poll) کے نتائج نے بتایا کہ 39 فیصد خواتین گھر میں رہ کر جاب یا بزنس کرنے کو ترجیح دیتی ہیں جبکہ مزید 14 صرف والنٹیئر کام کرنا چاہتی ہیں چنانچہ خواتین کی ٹوٹل شرح جو گھر سے باہر کام نہیں کرنا چاہتی وہ 53 فیصد ہے۔ مزید 32 فیصد خواتین صرف پارٹ ٹائم (نصف دن یا صرف تین چار گھنٹے روزانہ) کام کرنا چاہتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام امریکی خواتین میں سے صرف 12 فیصد باقاعدگی سے (Full-Time) جاب کرنا چاہتی ہیں۔ (1)

کو کہ تحریک نسواں کے علمبرداروں (Feminists) کی یہ خواہش ہے کہ وہ خواتین کو اپنی فیملی اور بچوں سے علیحدہ کردیں اور وہ خواتین جاب مارکیٹ میں کود پڑیں لیکن خواتین کی اکثریت اپنی زنانہ بصیرت (Feminine Intuition) کی وجہ سے اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ جب ماں اور باپ دونوں نوکری کرتے ہیں تو اس کا بچوں کی اخلاقی صحت اور کردار پر برا اثر پڑتا ہے۔ خواتین اور مردوں کی ترجیحات مختلف ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جاب کرنے والی خواتین کے لیئے تنخواہ سب سے اونچی ترجیح (Top Priority) نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر خواتین کو مجبوراً نوکری کرنی بھی پڑے تو وہ گھر کے نزدیک نوکری ڈھونڈنے کو ترجیح دیتی ہیں اور وہ بھی پارٹ ٹائم۔ خواتین کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ بچوں کی پرورش میں بنیادی کردار ادا کریں کیونکہ انہیں اس بات کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ فیملی کو وہی جوڑے رکھ سکتی ہیں۔

---

(1) Louis Harris Public Opinion Poll conducted for Virginia Slims, 1982. Quoted in: Gilder, George (2001). Men and Marriage. Louisiana, Pelican Publishing Company.

امریکہ کی گھریلو خواتین-خوش یا پریشان؟

جب امریکہ کے شہر ویسٹ چیسٹر کی حقوق نسواں کی حامی خاتون بیٹی فریڈ ین (Betty Friedan) نے 1963ء میں اپنی متنازعہ فیہ کتاب "The Feminine Mystique" شائع کی تو تحریک نسواں والوں نے خوشی کے شادیانے بجائے۔اس کتاب میں بیٹی نے خواتین کی ناخوشی کو ایک ایسا مسئلہ قرار دیا جس کا کوئی نام نہیں۔پھر اُس نے کتاب میں خواتین کی ناخوشی (unhappiness) کے اسباب بیان کرنے کی کوشش کی۔بیٹی فریڈن کے مطابق عورتوں کی اس بات پر حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو گھر کی منتظمہ (Housewife) اور ماں کے تنگ کردار میں محدود کرلیں۔چنانچہ وہ خواتین اس دوران مین اپنی تعلیم اور کیریئر کے عزائم کی قربانی دے بیٹھتی ہیں۔بیٹی فریڈن کے مطابق خواتین کا اپنے گھروں کی گمنامی میں رہنا انکی اپنی شناخت قائم کرنے کے عمل میں حائل ہوتا ہے جسکے نتیجے میں خواتین اور انکی فیملیز کے لیئے مسائل جنم لیتے ہین۔اس کے نتیجے میں امریکہ کے نواحی شہروں (American suburbs) نے جنم لیا جہاں پر گھروں میں اکیلی فیملی (single families) کا مرکز ومحور بچوں کی پرورش ہوتا ہے۔ (1)

بے شک فریڈن جیسی تحریک نسواں کی علمبردار خواتین، پبلک کے سامنے اس بات پر مگرمچھ کے آنسو بہاتی ہیں کہ گھریلو خواتین (housewife) اپنی کمیونٹی سے علیحدہ ہوتی ہیں، بچے انہیں گھر میں پاگل کیے رکھتے ہیں اور مرد حضرات اُن پر تشدد کرتے ہیں۔

معاملے کی اصل حقیقت کیا ہے؟ دو عمرانی سائنسدانوں نے ہمت کر کے معاملے کی اصل حقیقت دریافت کرنے کا فیصلہ کیا کہ کیا واقعی امریکہ کی گھریلو خواتین مظلوم ہیں جیسا کہ بیٹی فریڈن نے اپنی کتاب میں دعویٰ کیا تھا۔ایک ماہر علم عمرانیات ہربرٹ جے گینز (Herbert

---

(1) Friedan, Betty (1963). The Feminine Mystique. New York, Norton.

J. Gans) نے امریکی قصبے لیوی ٹاؤن (Levittown) کی گھریلو خواتین پر تحقیق کی کیونکہ لیوی ٹاؤن امریکہ کا ایک مخصوص اور سب سے کٹا ہوا نواحی قصبہ ہے۔ دوسری ماہر عمرانیات ایک خاتون ہیلن لوپاٹا (Helen Znaniecki Lopata) تھی جس نے امریکی شہر شکاگو کے نواحی قصبوں میں 573 گھرانوں کی خواتین کے مفصل اور ذاتی انٹرویو کیئے۔ دونوں ماہرین عمرانیات نے دریافت کیا کہ اُن نواحی علاقوں کے لوگ بالخصوص خواتین اپنے طرز زندگی سے لطف اندوز ہوتی تھیں اور یہ خواتین امریکہ کی سب سے زیادہ خوش و خرم لوگوں میں شامل تھیں۔

ہربرٹ گینز اور مسز ہیلن لوپاٹا دونوں نے ہی اپنی اپنی تحقیقات میں گھریلو عورت کی جاب کرنے والی عورت پر برتری کو دریافت کیا۔ مثلاً مسز لوپاٹا نے یہ دریافت کیا کہ جاب کرنے والی خواتین کے مقابلے میں گھریلو خواتین اپنی تعلیم گھر میں بچوں کو پڑھانے میں زیادہ استعمال کرتی ہیں، ہر قسم کے موضوع پر کتابیں پڑھتی ہیں، اپنے محلے میں سہیلیاں رکھتی ہیں اور کمیونٹی کے معاملات میں جاب کرنے والی خواتین کے مقابلے میں زیادہ متحرک ہوتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جاب کرنے والی اکثر خواتین جن کا ماہر عمرانیات مسز لوپاٹا نے انٹرویو کیا وہ اس چیز کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں کہ وہ عنقریب اپنی نوکریاں چھوڑ کر ایک گھریلو خاتون بن کر رہیں۔ مسز لوپاٹا لکھتی ہیں:

"The role of the housewife provides her a base for rebuilding a many-faceted life, an opportunity few other vocational roles allow, because they are tied down to single organizational structures and goals." (1)

---

(1) Lopata, Helen Z., (1971) Occupation Housewife. New York: Oxford University Press.

"ایک گھریلو خاتون کا کردار اسے ایک ایسی بنیاد فراہم کرتا ہے جس سے وہ کئی جہتوں والی زندگی کی تعمیر دوبارہ سے کر سکتی ہے۔ یہ سہولت اسے دوسرے پیشوں میں میسر نہیں آ سکتی"۔

اسی طرح سوشیالوجسٹ ہربرٹ گینز نے اپنی ریسرچ میں یہ دریافت کیا کہ نواحی قصبوں کی صرف دس فیصد خواتین نے مسلسل تنہائی یا بوریت کی شکایت کی۔ (1)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حقوق نسواں کی حامی خاتون بیٹی فریڈین کا نعرہ دراصل گھریلو خواتین کے متعلق ایک فرضی داستان تھی۔ جب نواحی قصبوں کی خواتین کا ماہرین عمرانیات نے اصل میں جا کر مطالعہ کیا تو حقیقت یہ کھلی کہ گھریلو خواتین ہر لحاظ سے کام کرنے والی خواتین کے مقابلے میں بہتر خواتین ہوتی ہیں۔ اسی طرح کا ایک اور مشاہدہ علم الانسان کی ماہر خاتون مارگریٹ میڈ (Margret Mead) نے اپنی کتاب (Male and Female) میں پیش کیا، جب انہوں نے یہ ثابت کیا کہ خواتین سب سے زیادہ مطمئن اس وقت نہیں ہوتیں جب انہیں اثر و رسوخ، طاقت اور دولت مل جائے بلکہ وہ سب سے زیادہ مطمئن تب ہوتی ہیں جب بیوی اور ماں کے زنانہ کردار کی عزت افزائی کی جائے۔

"Women are only satisfied when the female role of wife and mother is exalted." (2)

مردوں اور عورتوں کے قدرت نے دائرہ کار مختلف بنائے ہیں اور اس کی گہری حیاتیاتی (Biological) وجوہات ہیں جو ان ابواب میں بیان کی گئی ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ عورت کے کام کی قدر و قیمت مرد کے کام سے کم تر ہو۔ اس نکتے کو خاتون سائنسدان این موئر نے اپنی کتاب "Brain Sex" میں بہت دلنشیں انداز میں بیان کیا ہے:

---

(1) Gans, Herbert J., (1967) The Levittowners. New York: Pantheon.

(2) Mead, Margaret (1949). Male and Female: A Study of the Sexes in a Changing World. New York, Morrow.

"Most women do a great amount of work at home, and most men do a different sort of work in the office or on the factory floor, and in truth one sort of work is no necessarily 'better' than the other. One happens to be paid, but that should not confer a special sort of honour on the work involved. Prostitutes are paid, but that does not make their work better than that of mothers." (1)

''اکثر خواتین گھر میں اچھا خاصا کام کرتی ہیں اور اکثر مرد مختلف نوعیت کا کام فیکٹری یا آفس میں کرتے ہیں اور حقیقت میں یہ لازمی نہیں کہ باہر کا کام گھر کے کام سے بہتر ہو۔ اگر باہر کے کام میں تنخواہ ملتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کام میں زیادہ عزت ہے۔ آخر طوائفیں بھی اپنے کام کی اجرت لیتی ہیں لیکن ان کا کام ماں کے کام سے بہتر نہیں ہو سکتا۔''

حیض کے دوران خواتین کے اندر نفسیاتی تبدیلیاں:

مردوں اور عورتوں کے جسم کے تولیدی ادوار (Reproductive Cycle) بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ بالغ ہونے پر عورت کے جسم میں ایام ماہواری کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس کے اثر سے اس کے جسم کے تمام اعضاء کی فعلیت متاثر ہو جاتی ہے۔ ماہرین فن حیاتیات و عضویات (Physiologists and Anatomists) کے مشاہدات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام ماہواری میں عورت کے اندر کئی جسمانی تغیرات ہوتے ہیں۔ حیض شروع ہونے سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے جنسی ہارمون پروجیسٹرون اور ایسٹروجن کا لیول جسم میں انتہائی حد تک گر جاتا

---

(1) Moir, Anne & Jessel, David (1991). Brain Sex: The Real Difference between Men & Women. New York, Carol Publishing Group.

ہے۔ایسی حالت میں جب کہ موڈ کو تسلی بخشنے کے لیئے بہت کم پروجیسٹرون اور ایسٹروجن ہوتے ہیں تو بیشتر خواتین میں مزاج کی شدید تبدیلی، چڑچڑاپن، جھگڑالوپن حتیٰ کہ ڈیپریشن پیدا ہوجاتا ہے۔

حیض شروع ہونے سے پہلے (PMS = Premenstrual Syndrome) عام حالات میں بھی خواتین کو اعضاء شکنی، اعصابی کمزوری، ہضم کی خرابی، سستی، ڈیپریشن، رونے کو جی چاہنا، دردسر، تکان، غنودگی جیسی علامات ظاہر ہوتی ہیں۔تاہم 25 فیصد خواتین میں تو PMS کی علامات شدید حد تک ہوتی ہیں اور 10 فیصد خواتین میں تو PMS کی علامات شدید حد تک ہوتی ہیں کہ وہ جرائم اور خودکشی تک کرگزرتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ فرانس کے قانون سزاو جرم میں PMS کی حالت کو عارضی پاگل پن (Temporary Insanity) کی قسم میں رکھا گیا ہے۔

ایک تحقیق میں تو یہاں تک دریافت ہوا کہ PMS اور ایام ماہواری میں تقریباً 50 فیصد خواتین کو نفسیاتی یا میڈیکل وجوہات کی بناء پر ہسپتالوں میں داخل کیا جاتا ہے۔ (1)

اسی طرح یہ مشاہدہ بھی سامنے آیا کہ خواتین قیدیوں میں سے 50 فیصد سے جرائم حالت حیض میں سرزد ہوئے کیونکہ وہ اس وقت اپنے قابو میں نہیں تھیں۔ڈاکٹر وائن برگ (Weinberg) اپنے مشاہدات کی بناء پر لکھتا ہے کہ خودکشی کرنے والی عورتوں میں 50 فیصد ایسی پائی گئی ہیں جنھوں نے حالت حیض میں یہ فعل کیا ہے۔اسی بناء پر ڈاکٹر کرافٹ ایبنگ (Kraft Ebing) کی رائے یہ ہے کہ بالغ عورتوں پر جب کسی جرم کی پاداش میں مقدمہ چلایا جائے تو عدالت کو اس امر کی تحقیق کرلینی چاہیے کہ جرم کہیں حالت حیض میں تو نہیں کیا گیا۔(2)

---

(1) Stone, M.H. (1982). "Premenstrual tension in borderline and related disorders". Behaviour and the Menstrual Cycle. R.C. Friedman (ed.). New York, Dekker: 317-343.

(2) Lapinsky (n.d.) The Development of personality in Women. London.

مزید برآں محققین ڈالٹن (Dalton) اور مویر (Moyer) کے مطابق اعداد و شمار ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ ہوائی جہازوں کے فضائی حادثے اس صورت میں کہیں زیادہ ہوتے ہیں جب ان کی خواتین پائلٹ اپنے ایام حیض میں ہوں۔ الغرض کہ ایام ماہواری میں عورت دراصل بیمار ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی بیماری ہے جو اسے ہر مہینہ لاحق ہوتی رہتی ہے اور اس کی جسمانی اور ذہنی حالت کو متاثر کرتی ہے۔ ایام ماہواری کی علامات مرض پر ایک اہم ریسرچ میں محققین میلیجس (Meleges) اور ہمبرگ (Hamburg) نے بیان کیا:

"The psychological changes that occur during this phase of the menstrual cycle can have serious consequences for a susceptible woman and also for society at large, and should not be looked upon as a minor nuisance." (1)

(خواتین میں جو نفسیاتی تبدیلیاں ایام حیض کے اِس دور میں آتی ہیں، ایک حساس عورت پر اور پوری سوسائٹی پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور انہیں ایک چھوٹی ضرر رساں چیز نہیں سمجھنا چاہیے)۔

اسلام اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ مرد اور عورت کے نظام جسمانی مختلف ہیں، دونوں کی نفسی کیفیات مختلف ہیں اور دونوں پر فطرت نے مختلف خدمات کا بار ڈالا ہے۔ چونکہ مردوں کے جسم ہر مہینے ہارمونز کی سائیکل سے نہیں گزرتے، اس لیئے اسلام نے مرد حضرات پر گھر سے باہر کی مخالفانہ فضا میں اجنبیوں کے درمیان اپنے بیوی بچوں کے لیئے مسلسل نان نفقہ حاصل کرنے کی ذمہ داری ڈالی ہے۔ اسکے برعکس خواتین کے جسم اور اعصاب کی مشین ہر مہینے ماہواری

---

(1) Meleges, F.T. and Hamburg, D.A. (1976). Psychological effects of hormonal changes in women. Human Sexuality in Four Perspectives. F.A. (ed.) Beach. Baltimore, Johns Hopkins University.

شروع ہونے سے پہلے اور اسکے دوران چونکہ بڑی حد تک سست اور غیر مرتب ہو جاتی ہے اور اندر کی اضطراری کیفیت ان کی قوت فیصلہ کو ماؤف کر دیتی ہے، اس لیئے اسلام نے انہیں گھر کی دوستانہ فضا میں اپنی قوتیں اور صلاحیتیں کھپانے کا حکم دیا ہے۔ خواتین کا اصل میدان کار اسلام نے گھر میں رہ کر بچوں کی تربیت کو قرار دیا ہے۔ باہر کی جاب اور نوکری کی دنیا کے مقابلے میں گھر میں ایک عورت کا خاوند اور اسکے بچے اس عورت کے ماہواری کے ایام میں موڈ بدلنے اور جسمانی تبدیلیوں کے بارے میں زیادہ با مروت اور نرم دل واقع ہوں گے۔

اسلام نے کسب مال کی ذمہ داری شوہر پر رکھی ہے جبکہ اس مال سے گھر کا انتظام کرنا بیوی کا کام ہے۔

اَلْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ.

(صحیح بخاری –باب قوا انفسکم و اهلیکم ناراً)

”عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمران ہے اور وہ اپنی حکومت کے دائرہ کار میں اپنے عمل کے لیئے جوابدہ ہے۔“

عورت کو اسلام نے ایسے تمام فرائض سے سبکدوش کیا ہے جو بیرون خانہ کے امور سے متعلق ہیں، مثلاً:

☆ اُس پر نماز جمعہ واجب نہیں۔ (سنن ابو داود–باب الجمعه للملوک ولمراۃ)

☆ اُس پر جہاد بھی فرض نہیں۔

☆ اُس کے لیئے جنازوں کی شرکت بھی ضروری نہیں بلکہ اُس سے روکا گیا ہے۔

(بخاری–اتباع النساء الجنائز)

☆ اُس پر نماز با جماعت اور مسجدوں کی حاضری بھی لازمی نہیں کی گئی۔ اگر چہ چند پابندیوں کے ساتھ مسجدوں میں آنے کی اجازت ضرور دی گئی ہے لیکن اُس کو پسند نہیں کیا گیا۔

خَيْرُ مَسَاجِدِ النِّسَاءِ قَعْرِ بُيُوْتِهِنَّ (مسند احمد، طبرانی، عن ام سلمةؓ)

عورتوں کے لیئے بہترین مسجدیں ان کے گھروں کے اندرونی حصے ہیں۔ (1)

غرض ہر طریقے سے اسلام نے عورت کے گھر سے نکلنے کو ناپسند کیا ہے اور اس کے لئے قانونِ اسلامی میں پسندیدہ صورت یہی ہے کہ وہ گھر میں رہے لیکن اس معاملے زیادہ سختی اس لیئے نہیں کی گئی کہ بعض حالات میں عورتوں کے لیئے گھر سے نکلنا مجبوری ہوتا ہے کیونکہ گھر میں کوئی مرد نہیں یا قلت معاش، بیماری، معذوری، خاوند کی موت وغیرہ۔ ایسی صورتوں میں اسلام نے اس عورت کو اجازت دی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

قَدْ اَذِنَ اللّٰهُ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ. (بخاری – مسلم) (2)

(اللہ تعالیٰ نے تم کو اجازت دی ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لیئے گھر سے نکل سکتی ہو)

مگر اس قسم کی اجازت جو محض کسی کی مجبوری کے لیئے دی گئی ہے، اس سے اسلامی حکم نہیں بدل سکتا جس کے مطابق عورت کا دائرۂ عمل اس کا گھر ہے۔ یہ رخصت صرف اُن عورتوں کے لیئے ہے جو شدید مجبوری کا شکار ہوں۔

شوہر بیوی دونوں کے نوکری کرنے کے بچوں کی دماغی صحت پر اثرات:

امریکن فیملی رپورٹ (جنرل ملز) 1981ء میں لوئی حارس نیشنل پبلک پول میں ایک سوال کے جواب میں 52 فیصد امریکیوں نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ شوہر اور بیوی دونوں

---

(1) اس موضوع کی ایک حدیث ابوداؤد نے بھی روایت کی ہے، جسے شیخ ناصر الدین البانی نے صحیح ابوداؤد میں صحیح قرار دیا ہے، حدیث نمبر 567۔

(2) بخاری – باب خروج النساء لحوائجهن وفي هذا المعنى صحيح مسلم – باب اباحة النساء لقضاء حاجة الانسان

کے جاب کرنے کے رجحان کے فیملی اور بچوں پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ (1)

مغربی دانشور ایلین کارلسن (Allen Carlson) کے مطابق 1965ء تک سویڈن تحریک نسواں کے نظریات کا انکار کرتا رہا اور امریکہ کے معاشرتی طرز زندگی کی پیروی کرتا رہا جس میں صرف ایک چوتھائی بچوں والی مائیں جاب کرتی تھیں اور اُن میں بھی 50 فیصد تھوڑے اوقات کے لئے (پارٹ ٹائم) کام کرتی تھیں۔ تاہم بعد کے آنے والے سالوں میں امریکن تحریک نسواں (American Feminism) کا تمام تر ایجنڈا سویڈن میں بالآخر نافذ کردیا گیا جس میں بچوں کے لئے قومی ڈے کیئر سنٹرز، فیملی پلاننگ پروگرام اور باپوں کے لئے بچے کی پیدائش پر طویل چھٹی (Paternity Leave) شامل تھے۔ کارلسن رقمطراز ہے:

''جب گھریلو خاتون کے وجود کو ناپید قرار دے دیا گیا تو قانونی تبدیلیوں نے شادی کے نتیجے میں ملنے والی خصوصی مراعات کو خواتین سے چھین لیا۔ سویڈش ٹیکس کے قانون کے مطابق غیر شادی شدہ، طلاق یافتہ یا شادی شدہ سب کو ایک برابر قرار دیدیا گیا۔ سویڈن کی ویلفیئر پالیسی میں بھی تبدیلی کی گئی جس میں سکول جانے کی عمر سے پہلے کے بچوں کی گھر میں ماں کے ہاتھوں پرورش کی حوصلہ شکنی کی گئی۔'' (2)

یہ اور اسی طرح کی دیگر پالیسیوں کے نتیجے میں سویڈن میں شادی کا ادارہ اور فیملی سسٹم تباہ ہو گئے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ سویڈن کا شمار دنیا کے ترقی یافتہ ترین ممالک میں ہوتا ہے۔ یہاں پر بچوں کی شرح اموات سب سے کم ہے جبکہ شہریوں کی اوسط زندگی پوری دنیا میں

---

(1) Louis Harris and Associates Families at Work: Strength & Strains" The General Milles American Family Report 1980-81. General Mills, Inc. Minneapolis, MN.

(2) Carlson, Allan (July 1984). "Toward 'The Working Family': The Hidden Agenda Behind the Comparable Worth Debate," Persuasion at Work : pp. 1-5

سب سے زیادہ۔ جہاں تعلیم ہر درجے میں مفت اور لوگوں کی تنخواہیں بہت زیادہ ہیں۔ سویڈن میں دنیا کی ہر طرح کی نعمت ہونے کے باوجود ذہنی مریضوں کی بڑھتی ہوئی تعداد نے سویڈش پارلیمنٹ کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اس کی وجوہات پر غور کریں۔ اس کام کے لیے انہوں نے معروف ماہر نفسیات ڈاکٹر ہنس لومین (Hans Lomen) کو منتخب کیا۔ ڈاکٹر لومین نے اپنی تحقیق کے نتائج میں بتایا کہ چونکہ سویڈن میں خواتین کی اکثریت نوکری کرتی ہے، اس لیے یہاں پر خاندانی نظام بری طرح متاثر ہوا ہے۔ سویڈن میں ایسی عورتیں جن کے بچے تین سال یا کم عمر کے ہیں، ان میں سے ۵۰ فیصد سے زیادہ جاب کرتی ہیں اور جن کے بچے ۱۷ کی عمر یا اس سے کم ہیں ان میں سے ۷۰ فیصد سے زیادہ خواتین نوکریاں کرتی ہیں۔ ڈاکٹر لومین کے مطابق "اس وجہ سے ہم نے اپنے بچوں کے لیے انتہائی بے حس اور بچوں کے خلاف (anti children) ماحول پیدا کر دیا ہے۔ گھر میں ماں کی غیر موجودگی کی وجہ سے اس ملک میں تمام تر آسائشوں کے باوجود بچے بڑے ہو کر ذہنی مریض بن رہے ہیں۔" (1)

سویڈن کی فیملی سسٹم کی تباہی پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکی ماہر معاشیات اور معاشرتی نقاد جورج گلڈر لکھتا ہے:

"سویڈن کے تجربے کا بنیادی سبق وہ گہرا اور ناقابل تلافی نقصان ہے جو چھوٹے بچوں کی ماؤں کو گھروں سے نکال کر نوکریاں کرنے پر مجبور کرنے سے ہوا۔ خواتین گھر پر کوئی عام قسم کا کام نہیں کر رہی ہوتیں جس کو ویلفیئر سٹیٹ خود بطریق احسن پورا کر سکے۔ خواتین گھروں میں انسانی وسائل کو ضائع نہیں کر رہی ہوتیں۔ ماں کا کردار ایک مہذب انسانی معاشرے کو سہارا دینا ہے۔ یہ مردوں اور بچوں کو سماجی بنانے کے لیئے لازمی ہوتا ہے۔ جب مردوں پر نان ونفقہ کی ذمہ داری ہوتی ہے تو اس کا نہ صرف سوسائٹی کو فائدہ ہوتا ہے بلکہ اس طرح سے مردوں کے اندر کی مخفی بے پناہ صلاحیتیں اور جنگجو قوتیں صحیح سمت میں گامزن ہوتی ہیں وگرنہ یہی قوتیں معاشرے کو جرائم

(1) Izetbegovic, 'Alija 'Ali (1994). Islam Between East and West. Indiana, American Trust Publications.

کے ذریعے تباہ کرنے کا موجب ہو سکتی ہیں۔ اسکے برعکس جب مائیں گھروں سے باہر نکل کر چھوٹے بچوں کو گھر چھوڑ کر نوکری شروع کر دیتی ہیں تو اس کے دو نقصانات ہوتے ہیں:

☆ **اول:** ماں کی بچے کے لئے نا قابلِ پیمائش محبت اور توجہ کا چھن جانا۔

☆ **دوم:** خاوند کی اپنے کیریئر پر مکمل توجہ مرکوز کرنے میں ناکامی۔

ماں کی نوکری کرنے سے ملکی معیشت کو جو فائدہ پہنچتا ہے یا باپ کے گھر رہنے سے بچوں کی پرورش میں جو ہاتھ بٹتا ہے، اِس سے اُس نقصان کی قیمت ادا نہیں ہو سکتی جو ماں کے گھر سے غائب ہونے کی وجہ سے فیملی کو پہنچتا ہے۔ معاشرے کو کسی نہ کسی صورت میں (ماں کے گھر سے غائب رہنے کی) قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ نہ صرف ڈے کیئر سینٹرز کے کثیر اخراجات کی صورت میں بلکہ معاشی زوال، آبادی میں کمی، بچوں کا جرائم میں ملوث ہونا، عام جرائم، دماغی امراض، شراب نوشی کی لت، اور طلاقیں ...... جب حکومتی پالیسی گھر کا نان نفقہ کمانے والے مرد کے کردار کو تباہ کرتی ہے تو فیملی بڑی تیزی سے ٹوٹتی ہے اور معاشرے کا اخلاق تباہ ہو جاتا ہے۔ عام روایتی فیملی (جس کا سربراہ مرد ہوتا ہے) کا متبادل یک جنسی فیملی (Unisex family) نہیں بلکہ جنسی خودکشی ہے۔" (1)

یہودیوں کی ایک آبادی پر سوشل انجینئرنگ کا تجربہ اور اسکی بری طرح ناکامی:

آج اقوام متحدہ (UNO) کے سوشل انجینئرنگ پروگرام کا ایک مخصوص ایجنڈا ہے جس کا ہدف مسلمان ممالک ہیں۔ مشنریوں اور تحریک نسواں کے جذبے کے ساتھ، یو این کی کوشش ہے کہ مسلمان ممالک مردوں کو بیروزگار کر کے اور عورتوں کو نوکریاں دیکر وہ عورتوں کو "آزاد" کر دے یعنی مذہب سے آزاد، خاندانی بندھن سے آزاد، شرم وحیا سے آزاد اور حجاب

---

(1) Gilder, George (2001) Men and Marriage

سے آزاد!! لیکن اقوام متحدہ کو یہودیوں کے غصب شدہ فلسطینی علاقے میں ایک یہودی آبادی کبٹز سکیم (Kibbutz scheme) پر کئے گئے تجربے سے سبق سیکھنا چاہیے جس سکیم کی بنیاد 1910ء میں رکھی گئی۔

کبٹز سکیم شروع کرنے کا مقصد بچپن سے لڑکوں اور لڑکیوں کے مخصوص معاشرتی صنفی رول (Socialized Gender Roles) ختم کر کے عورتوں کو "آزادی" بخشنا تھا۔ کبٹزم (kibbutzim) دراصل اجتماعی بستیوں کا مجموعہ تھے جہاں پر ماں کی پرورش کو غائب کر دیا گیا تھا۔ اپنے والدین کے ساتھ رہنے کی بجائے بچوں کی پرورش تمام بستی والے کرتے تھے اور بچے مخصوص ہاسٹل میں رہتے تھے۔ سکیم میں کپڑے دھونے کی اجتماعی جگہیں اور کچن (laundries and kitchen community) بنائے گئے تا کہ عورتوں کو گھر میں کھانا پکانے اور کپڑے دھونے کے جھنجھٹ سے آزاد کر دیا جائے۔ اس طرح کرنے سے یہ امید کی جارہی تھی کہ عورت اور مرد دونوں کے اثر سے آزاد ہو کر کئی نسلیں گزر جائیں گی تو آنے والی نسلوں کے مرد اور عورت صنفی لحاظ سے غیر جانب دار (Gender Neutral) بن جائیں گے اور اونچے عہدوں پر دونوں برابر کی تعداد میں پہنچا کریں گے۔ مزید برآں، اس بات کی یقین دہانی کے لیئے کہ بچوں کے سماجی بننے کا عمل (Socialization) بھی کسی ایک جنس کے اثر سے آزاد رہے، ہر قسم کے کھلونے بڑی ٹوکریوں میں رکھے گئے تا کہ لڑکے اور لڑکیاں اپنی آزادی سے اپنے لیئے کھلونے پسند کریں، بجائے اس کے کہ والدین انہیں لڑکیاں یا لڑکوں کے مخصوص کھلونے لا کر دیں۔

نوے (90) سال کی مسلسل سوشل انجینئرنگ کے باوجود اس کے نتائج سوشل انجینئرز کے لیئے افسوس ناک تھے۔ تین یا چار نسلیں گزر جانے کے باوجود آج بھی کبوٹز سکیم کے بچے اپنے روایتی کردار اپنائے ہوئے ہیں۔ بچے ہر مرتبہ اپنی جنس کے مطابق کھلونوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ تین سال کے لڑکے مسلسل کھلونوں کی ٹوکریوں سے گاڑیاں اور پستولیں ہی کھیلنے کے لیئے نکالتے ہیں جبکہ لڑکیاں ہمیشہ گڑیوں اور چائے کے سیٹ کے ساتھ کھیلنے کو ترجیح دیتی ہیں۔

کیبوٹز کی انتظامیہ نے خواتین کی لیڈرشپ کی پوزیشنوں میں شرکت کے لیئے کوٹہ

زبردستی نافذ کیا ہوا ہے لیکن اسے وہاں کی عورتیں کبھی پورا نہیں کرتیں۔ وہاں کے مرد اور خواتین ابھی تک یک جنسی لباس کے قانون کو نظر انداز کرتے رہتے ہیں۔ دو مغربی ماہرین علم الانسان (anthropologists) لائینل ٹائیگر (Lionel Tiger) اور جے شیفر (J. Shepher) نے کیبوٹز کی خواتین پر تحقیق کر کے ایک کتاب تصنیف کی "Women in the Kibbutz" (مطبوعہ لندن، 1977ء) وہ لکھتے ہیں: ''(کیبوٹز کی خواتین جن پر سوشل انجینئرنگ کا تجربہ ہوا) ان خواتین نے اپنے سماجی بنائے جانے کے اصولوں کے خلاف عمل کیا، اپنی کیمونٹی کے مردوں کی خواہشات کے خلاف چلیں، حتیٰ کہ کیبوٹزم کے معاشی مفادات کے خلاف عمل کیا تاکہ وہ اس قابل ہوسکیں کہ وہ اپنا وقت اور قوتیں اپنے ذاتی مادرانہ کاموں (private maternal activities) میں صرف کرسکیں بجائے معاشی اور سیاسی باہر کے کاموں میں اپنا وقت لگانے کے۔'' (1)

سوشل انجینئرنگ کی امیدوں کے برخلاف، کیبوٹز سکیم کی خواتین درحقیقت ماں کے کار منصبی (maternal role) کی طرف واپس آرہی ہیں۔ فطرت بدلا نہیں کرتی۔ یہ دراصل خواتین کی جسمانی حیاتیات (biology of women) کی مردوں کی تراشی ہوئی خیالی اور جنسی لحاظ سے غیر جانبدار دنیا کے مقابلے میں کھلی فتح ہے۔ آج اسرائیل میں، کیبوٹز سکیم کے علاقوں میں عورتوں میں نسوانیت اور مردوں میں مردانگی عام اسرائیلی سوسائٹی کے مقابلے میں زیادہ شدت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ کیبوٹز سکیموں میں سوشل انجینئروں کا عورتوں اور مردوں کی سوشل انجینئرنگ کرنے کا تجربہ نہ صرف بری طرح ناکام ہوا ہے بلکہ اس تجربے کے نتائج سے سوشل انجینئروں نے اپنے پاؤں میں خود کلہاڑی ماری ہے اور ثابت کردیا ہے کہ اقوام متحدہ کا سوشل انجینئرنگ پروگرام دراصل ایک ناکام کوشش ہے کیونکہ اللہ کی تخلیق کی گئی فطرت کو بدلا نہیں جاسکتا:

---

(1) Tiger, Lionel & Shepher, J. (1977). Women in the Kibbutz. London, Penguin Books.

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا. لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ

(سورہ الروم: ۳۰)

(قائم ہوجاؤ اسی فطرت پر جس اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی۔)

امورِ خانہ داری کا ماہر ہے کون: عورت یا مرد؟

(Men or women: who is better home manager?)

اپنی مختلف حیاتیاتی ساخت کی وجہ سے زندگی کے متعلق عورتوں اور مردوں کے نقطۂ نظر مختلف ہوتے ہیں بالخصوص جب معاملہ گھر کے اندرونی انتظام کے چلانے کا ہو۔ اسلام نے عورتوں کا دائرہ گھر کے اندر مقرر کیا ہے اور مشاہدات اور علم عمرانیات کے اعداد و شمار یہ بتاتے ہیں کہ گھر کے اندرونی انتظام کو چلانے میں، اپنی امور خانہ داری میں عورتیں مردوں سے کئی گنا بہتر ہوتی ہیں۔

اکثر عورتیں نوکری کرنے کے باوجود گھر واپس آ کر امور خانہ داری انجام دیتی ہیں۔ عمرانی سائنسدانوں کے مشاہدات یہ بتاتے ہیں کہ اگر مرد گھر کے کاموں میں 2 گھنٹے صرف کرتے ہیں تو ان کے مقابلے میں عورتیں 5 گھنٹے گھر کے کام کرنے میں صرف کرتی ہیں اور گھر کی آرگنائزیشن کرنے میں اپنی بنیادی ذمہ داری کا اقرار کرتی ہیں اور گھر کے رہنے والوں کو مختلف کام اپنے زیرِ نگرانی سونپتی ہیں۔ (1)

چاہے وہ نوکری کرنے والی مائیں ہوں یا گھر رہنے والی مائیں، گھر کے امور کو چلانے والی خواتین ہی ہوتی ہیں اور وہی اپنے خاوندوں کو انکی ذمہ داریاں یاد کرواتی رہتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سکینڈی نیوین ممالک (Scandinavian Countries) یعنی فن لینڈ، سویڈن اور

---

(1) Moir, Anne & Jessel, David (1991)

ڈنمارک جہاں عورتوں اور مردوں کے روایتی فرائض منصبی کو گڈمڈ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے وہاں پر بچوں کی پرورش، کپڑوں کی دھلائی، گھر کی صفائی، برتن دھونا اور فیملی کے لیئے کھانا تیار کرنا وغیرہ 70فیصد خاندانوں میں بیویاں ہی کرتی ہیں جبکہ انکے خاوند بل وغیرہ ادا کرتے ہیں اور گھر سے باہر کے کام کرتے ہیں۔ (1)

اسی طرح یہود آبادی کی کیبوٹز سکیم (kibbutz scheme) کے تجربے میں (جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے) ہر ممکن کوشش کی گئی کہ مردوں اور عورتوں کے صنفی کرداروں اور کار منصبی کو بدلا جائے لیکن یہی نتیجہ سامنے آیا کہ گھر کی صفائی کا بیشتر کام خواتین خود کرتی تھیں کیونکہ وہ اپنے خاوندوں کی گھر کی صفائی کرنے کی صلاحیت سے متاثر (impressed) نہیں ہوتی تھیں۔
ایک خاوند نے اس بات کا ان الفاظ میں اعتراف کیا:

"I do what I can, but her [my wife's] standards for cleaning are too high. She says that if I did it, she'd just have to do it again." (2)

"میں جو میرے بس ہے وہ کرتا ہوں لیکن گھر کی صفائی کے معاملے میں میری بیوی کا معیار بہت بلند ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اگر میں نے صفائی کی ہے تو اس (میری بیوی) کو دوبارہ گھر کی صفائی کرنی ہی پڑے گی۔"

گھروں کو سنبھالنے میں عورتوں کی مردوں پر برتری کی وجہ دونوں جنسوں کا زندگی کے متعلق مختلف نقطۂ نظر ہے۔ گھر سے باہر کی جاب مارکیٹ کی دنیا دراصل مردوں کی دنیا ہوتی ہے

---

(1) Hoyenga, K.B. & Hoyenga, K. (1980). Sex Differences. Boston, Little Brown and Company.
(2) Lionel & Shepherd, J. (1977). Women in the Kibbutz. London, Penguin Books.

جہاں قدر صرف اس کی ہوتی ہے جو مقابلہ کرنے کی صلاحیت اور جنگجو پن (aggression) جیسی صفات سے اپنا آپ ثابت کر کے دکھاتا ہے لیکن خواتین کے لیئے جو صفات اور اقدار اہم ہوتی ہیں یعنی رحمدلی، محبت، رشتے، تحفظ، یہ ایسی صفات ہیں جو گھر کے باہر کے مقابلے میں گھر کے اندر زیادہ پائی جاتی ہیں۔ اسی لیئے عورتوں کے لیئے یہ چیز اہم ہوتی ہے۔ اگر گھر میں صفائی ستھرائی ہے اور گھر میں دوستانہ ماحول ہے۔ مردوں کے لئے ان کی پیسہ کمانے والی فطرت کی وجہ سے آفس یا فیکٹری بھی اتنی ہی اہم ہوتی ہے جتنا انکے گھر۔ برطانوی خاتون سائنسدان این موئر اسی فرق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتی ہیں:

''یہ سرایت کرنے والی طاقت نر اور مادہ کے دماغ پر نقش ہوتی ہے۔ مردوں کو میلے برتن نظر نہیں آتے، اسلیئے نہیں کہ ان کے پاس باریکی کو دیکھنے والی حساس آنکھ نہیں ہوتی بلکہ اس لیئے کیونکہ صاف شفاف برتنوں کی ان کے زندگی کے متعلق نقطۂ نظر میں زیادہ اونچی ترجیح نہیں ہوتی۔ دوسری طرف ایک عورت کے لیئے گھر ایک ہوٹل کی طرح نہیں ہوتا بلکہ انسانی رشتوں کو مضبوط کرنے کے لیئے ایک قلعے کی طرح ہوتا ہے اور اس نقطۂ نظر سے میلے کچیلے برتن ایک عورت کی اقدار پر کھلی چوٹ اور سرزنش کی طرح ہوتے ہیں۔'' (1)

---

(1) Moir, Anne & Jessel, David (1991)

باب 6

چہرے کا پردہ

قرآن، حدیث اور علمائے اسلام کی نظر میں

یہ بحث کہ کیا مسلمان خواتین کو گھر سے باہر یا نامحرم مردوں کے سامنے چہرے کا پردہ کرنا چاہیے یا نہیں، دراصل جدید دور کی پیداوار ہے جبکہ مسلمان ممالک کو یورپی اقوام نے اپنا غلام بنایا اور مسلمان خواتین کے چہروں سے نقاب کو زبردستی نوچ کر اتارا۔ پھر جب مسلمان ممالک کو آزادی ملی تو سب نے یہی سمجھا کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں مسلمان خواتین نے نقاب کبھی پہنا ہی نہیں تھا۔ اِس پر مستزاد یہ کہ مسلم ممالک میں اُبھرتی ہوئی میڈیا اور اشتہارات کی صنعت کا تمام تر دارومدار عورت کے چہرے کی نمائش پر ہونا شروع ہو گیا تو انہیں بھی اس میں اپنی موت نظر آئی کہ عورت کے چہرے کا نظارہ غیر مرد نہ کریں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اِس لیے میڈیا نے عورتوں کی بے پردگی کو عام کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور "روشن خیال مفکروں" کو "اسلامی علماء" کے بھیس میں اِس مہم میں استعمال کیا۔

اسلام میں چہرے کے پردے کے احکامات کو سمجھنے کے سلسلے میں سب سے پہلے ہم قرآن کے دلائل کو دیکھیں گے، پھر احادیث نبویؐ، آثار صحابہ کرامؓ اور علمائے اسلام کے فتاویٰ کو پیش کریں گے۔ یہاں ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ بحیثیت مسلمان ہمارے لیئے حجت (ultimate authority) قرآن و حدیث ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُّبِيناً (الاحزاب:36)

"کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔"

آج جب ہم اپنے اردگرد کے ماحول پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں بازاروں میں، سڑکوں پر، میڈیا پر غرض کہ ہر طرف مسلمان خواتین کی اکثریت بالکل بے پردہ نظر آتی ہے۔ جن میں سے چند کے سروں پر دوپٹے یا سکارف ہوتے ہیں۔ لیکن اگر آج مسلمان خواتین کی اکثریت بے نقاب ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ بے پردگی جائز ہے کیونکہ قرآن ہمیں یاددہانی کراتا ہے کہ حق کا معیار قلت یا کثرت نہیں ہوتی بلکہ لوگوں کی اکثریت تو عام طور پر گمراہ ہی ہوتی ہے۔ "زمانے کے ساتھ چلنے" میں یہ خطرہ پوشیدہ ہے کہ "زمانہ" تو عام طور پر جہنم کی طرف جا رہا ہوتا ہے:

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِن يَتَّبِعُونَ إِلاَّ الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلاَّ يَخْرُصُونَ (سورۃ الانعام: آیت 116)

اور اے محمد ﷺ! اگر تم ان لوگوں کی اکثریت کے کہنے پر چلو جو زمین پر بستے ہیں تو وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے۔ وہ تو محض گمان پر چلتے اور قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

عربی میں لفظ "حجاب" کی اصل "حجب" ہے جس کے معنی چھپانے، پوشیدہ رکھنے، نظروں سے اوجھل کرنے، پردہ کرنے کے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خواتین کے لیے

حجاب کی مقدار کیا ہے؟ اس سوال کے جواب کے لیے ہم قرآن، حدیث، آثار صحابہؓ اور علمائے اسلام کے فتووں پر نظر ڈالیں گے۔

پردہ ۔ قرآن کی رشنی میں:

قرآنی دلیل نمبر 1

سورہ الاحزاب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُوراً رَّحِيماً (سوره الاحزاب: آيت 95)

اے نبی ﷺ، اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تا کہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔ اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔

اِس آیہ مبارکہ میں عربی کے الفاظ "جلباب" اور "رداء" استعمال ہوئے ہیں۔ جلباب عربی زبان میں بڑی چادر کو کہتے ہیں۔ جلباب کی تشریح میں مفسر قرآن ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

والجلباب هو الرداء فوق الخمار قاله ابن مسعود و عبيدة والحسن البصرى و سعيد بن جبير و ابراهيم النخعي و عطاء الخراساني وغير واحد.

(جلباب اس چادر کو کہتے ہیں جو سر کی اوڑھنی کے اوپر مزید اوڑھی جاتی ہے۔ عبداللہ بن

مسعود، عبیدۃ، حسن بصری، سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، عطاء خراسانی، اُن میں سے ہر ایک نے اس کا یہی مطلب سمجھا)۔ (1)

مفسر قرآن علامہ آلوسیؒ (المتوفی 1270ھ) جلباب کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
''چادر کو ایسا ہونا چاہیے کہ جب اُسے سر سے لٹکایا جائے تو چہرہ بھی چھپ جائے اور جسم کا اوپر کا حصہ بھی ڈھک جائے۔اِس طرح سے صرف آنکھیں اُس میں شامل نہیں ہوں گی۔'' (2)

مشہور عربی لغت دان ابن منظور ''جلباب'' کی تعریف یہ بیان کرتے ہیں:
''جلباب اُس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو عورت اپنے کپڑوں کے اوپر اوڑھتی ہے تا کہ وہ سر سے پاؤں تک چھپ جائے۔اس چادر سے اس کا تمام جسم چھپ جاتا ہے۔'' (3)

جہاں تک عربی لفظ ''ادنا'' کے معنی کا تعلق ہے تو ''ادنا'' کے معانی ''لپیٹ لینے کے ہیں'' مگر جب ادنیٰ لفظ ''علی'' کے ساتھ آئے یعنی ''ادنا علی من جلباب'' تو تمام مفسرین قرآن جو عربی میں مہارت رکھتے ہیں اُن کے مطابق اِس کا مطلب ''چادر کو چہرے پر لٹکا لینا'' ہوتا ہے۔آج کل کے بعض ''روشن خیال مفکرین'' ٹی وی پر آ کر اس کا ترجمہ ''صرف لپیٹ لینا'' کرتے ہیں تا کہ کسی طرح چہرہ چھپانے سے جان بچ جائے اور مغربی آقاؤں کے سامنے عزت رہ جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ہر چیز صاف صاف بیان فرمائی ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کا مقصود وہ ہی ہوتا جو یہ لوگ چاہتے ہیں تو وہ یدنین الیھن فرماتا۔جو شخص بھی عربی جانتا ہے وہ یہ کبھی بھی نہیں جان سکتا کہ یدنین علیھن کے معانی محض لپیٹ لینے کے ہو سکتے ہیں۔اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنی چادر کے ایک حصے سے اپنے چہروں کو چھپالیا کریں۔

---

(1) تفسیر ابن کثیر، جلد 3، دارالسلام، ریاض

(2) روح المعانی، علامہ آلوسی، جلد 22، صفحہ 89

(3) لسانُ العرب، جلد 1، صفحہ 273

عہدِ رسالت سے قریب ترین زمانے کے اکابرین مفسرین نے اس آیت یُدۡنِیۡنَ عَلَیۡھِنَّ مِنۡ جَلَابِیۡبِھِنَّ سے استدلال کرتے ہوئے چہرے کے پردے کو واجب یا مستحب قرار دیا۔ ابن جریر طبری کی روایت ہے کہ محمد بن سیرینؒ نے جب حضرت عبیدہ السلمانیؒ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو انہوں نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اپنی چادر اٹھائی اور اس طرح اوڑھی کہ اپنا پورا سر اور پیشانی اور پورا منہ ڈھانک کر صرف ایک آنکھ کھلی رکھی۔ (1)

ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے جو تفسیر بیان کی، اُس میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی کام سے گھروں سے باہر نکلیں تو اپنی چادروں کے پلو اوپر سے ڈال کر اپنا منہ چھپائیں اور صرف آنکھیں کھلی رکھیں۔

عہدِ صحابہؓ و تابعینؒ کے بعد جتنے نامور مفسرین اسلامی تاریخ میں گزرے ہیں اُن سب نے اس آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ چند مثالیں یہاں تحریر کی جاتی ہیں۔

1) اس آیت کی تشریح میں علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں:

لا تشبهن بالاماء في لباسهن اذا هن خرجن من بيوتهن لحاجتهن، فكشفهن شعورهن ووجوههن ولكن ليدنين عليهن من جلابيبهن لئلا يعرض لهن فاسق، اذا علم انهن حرائر باذى من قول.

"جب وہ مسلمان عورتیں اپنی ضرورت کے تحت گھروں سے نکلیں تو اپنی لونڈیوں کے لباس میں اُن سے مشابہت اختیار کرتے ہوئے اپنے بالوں اور چہروں کو کھلا نہ رکھیں بلکہ اپنے اوپر چادر کو لٹکا لیا کریں تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ آزاد عورتیں ہیں اور فاسقین کی اذیت دہ باتوں سے بچ سکیں"۔ (2)

---

(1) تفسیر ابن کثیرؒ، علامہ ابن کثیرؒ صفحہ 3 جلد 569 دار الاسلام، ریاض

(2) جامع البیان فی تاویل القرآن، ابن جریر طبری ج 9 ص 302 دار الکتب العلمیۃ، بیروت

2) علامہ ابو بکر جصاص تفسیر احکام القرآن میں لکھتے ہیں:

قال ابو بکر فی هذا الایه دلالة علی ان المرأة الشابه مامورة بستر وجهها عن الا جنبیین. (1)

ابو بکر نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ یہ آیت اس بات کی دلالت کر رہی ہے کہ نوجوان عورت کو اجنبی مردوں سے اپنے چہرے کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔

3) الکشاف، ابوالقاسم جاراللہ محمد بن عمر الزمخشری الخوارزمی، المتوفی 538ھ

علامہ زمخشری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

و معنی ﴿ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلاَبِيْبِهِنَّ﴾ یر خینها علیهن و یغطین بها وجوههن و اعطافهن یقال اذازل الثوب عن وجه المرأة ادنی ثوبک علی وجهک. (2)

اور ﴿ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلاَبِيْبِهِنَّ﴾ کا معنی یہ ہے کہ وہ ان جلابیب کو اپنے اوپر لٹکائیں اور ان سے اپنے سینوں اور پہلوؤں کو ڈھانپ لیں، کیونکہ جب عورت کے چہرے سے کپڑا ہٹ جائے تو کہا جاتا ہے اپنے کپڑے کو اپنے چہرے کے قریب کر"

4) تفسیر بیضاوی، قاضی ناصر الدین عبداللہ بن عمر البیضاوی الشافعی المتوفی 692ھ

اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یغطین وجوههن وابدانهن بملاحفهن اذا برزن لحاجة ومن

---

(1) احکام القرآن، ابو بکر الجصاص ج ثالث ص 370 مطبعه دار الکتب العربی بیروت

(2) الکشاف، علامہ زمخشری، ج ثالث، ص 273، مطبع انتشارات، آفتاب تهران

للتبعيض فان المرأة ترخی بعض جلبابها وتتلفع ببعض. (1)

''وہ اپنے چہروں اور بدنوں کو ڈھانپ لیں جبکہ وہ کسی حاجت کے لیے گھروں سے باہر نکلیں اور ''مِنْ'' یہاں پر تبعیض کیلئے ہے۔ یعنی عورت اپنی چادر کے بعض حصے کو لٹکا لے اور بعض کو لپیٹ لے۔''

5) تفسیر جلالین، امام جلال الدین محمد بن احمد المحلی و امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی۔ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ای یرخین بعضها علی الوجوه اذا خرجن لحاجتهن الا عینا واحدة. (2)

''یعنی وہ ان چادروں کا بعض حصہ اپنے چہروں پر ڈال لیں جب وہ کسی حاجت کے لیے نکلیں اور ایک آنکھ کھلی رکھیں۔''

6) تفسیر قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی (المتوفی ۶۷۱ھ) اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لما کانت عادة العربیات التبذل و کن یکشفن وجوههن کما یفعل الاماء و کان ذلک داعیة الی نظر الرجال الیهن وتشعب الفکرة فیهن امر الله رسوله ﷺ ان یامرهن بارخاء الجلالیب

---

(1) انوار التنزیل و اسرار التاویل، امام بیضاوی، ج۵، ص۱۳۸، مطبعة العامره

(2) تفسیر جلالین، امام محلی و سیوطی، ص ۵۶۳، دارالعربیة

عليهن اذا اردن الخروج الى حوائجهن.(1)

"چونکہ عرب خواتین میں (دور جاہلیت کا) کچھ پھوہڑپن باقی تھا اور وہ لونڈیوں کی طرح اپنے چہروں کو کھلا رکھتی تھیں اور ان کا یہ فعل مردوں کے ان کی طرف دیکھنے اور ان کے حوالے سے منتشر خیالی کا باعث بن رہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم دیا کہ ان کو اپنے اوپر چادروں کو لٹکانے کا حکم دیں جب بھی وہ اپنی ضرورت کے تحت باہر نکلنے کا ارادہ کریں۔"

قرآنی دلیل نمبر 2:

سورۃ النور میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاء بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُوْلِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاء وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعاً أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (النور – ۳۱)

"اور (اے نبی ﷺ) کہہ دیں مومن عورتوں سے کہ وہ اپنی نگاہوں کو پست رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں سوائے اس کے کہ جو خود بخود ظاہر

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، امام قرطبی، ج۷، ص۲۴۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت

ہو جائے، اور اپنی چادروں کے پلو اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں۔ اور اپنی زینت کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپوں کے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنی (میل جول کی) عورتوں کے یا اپنے لونڈی غلام کے یا ان زیر دست مردوں کے جو کسی قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں یا ان بچوں کے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہ ہوں۔ اور وہ اپنے پاؤں (زمین پر) مار کر نہ چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔ اور تم سب مل کر اللہ کے ہاں توبہ کرو اے اہل ایمان! شاید کہ تم فلاح پا جاؤ۔"

سورۃ النور کی یہ آیہ مبارکہ چہرے کے پردے کے واجب ہونے پر قرآن سے دوسری دلیل مہیا کرتی ہے۔

اس آیت میں لفظ "خمر" استعمال ہوا ہے جو عربی لفظ "خمار" کی جمع ہے اور اُس سے مراد ایسی چادر ہے جس سے سر اور چہرے کو ڈھانکتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ اس آیہ کی شان نزول کے متعلق فرماتی ہیں کہ جب سورۃ النور نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ سے اُس کو سن کر صحابہؓ اپنے گھروں کی طرف پلٹے اور جا کر انہوں نے اپنی بیویوں، بیٹیوں، بہنوں کو اس کی آیات سنائیں۔ صحیح بخاری کی روایت ہے:

يرحم اللّٰه نساء المهاجرات الأول. لمّا أنزل اللّٰه ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ﴾ شققن مروطهن فاختمرن بها. (1)

"اللہ تعالیٰ پہلے پہل ہجرت کرنے والی عورتوں پر رحم فرمائے! جب اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ﴾ نازل فرمائی تو انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر اوڑھنیاں بنالیا۔"

---

(1) صحيح بخاری، كتاب التفسير، باب ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ﴾

اِس حدیث مبارک کی تشریح کرتے ہوئے ابنِ حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:

فاختمرن ای غطین وجوھھن ۔ (1)

"فاختمرن" سے مراد ہے انہوں نے اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا۔"

امام ابنِ خزیمہؒ اپنی صحیح میں لکھتے ہیں:

"خمار" اُس کپڑے کو کہتے ہیں جس سے عورت اپنے چہرے کو چھپاتی ہے۔

(صحیح الخزیمہ، جلد 4، صفحہ3)

آیت کی ابتداء میں ارشاد ہوا ہے کہ لَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَهُنَّ "وہ اپنی آرائش وزیبائش کو ظاہر نہ کریں" اور دوسرے فقرے میں اِلَّا بول کر اس حکم نہی سے جس چیز کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ ہے مَاظَهَرَ مِنۡهَا جو کچھ اس آرائش وزیبائش میں سے ظاہر ہو جائے یعنی عورتوں کو خود اس کا اظہار اور اس کی نمائش نہ کرنی چاہئے سوائے اس کے جو آپ سے آپ ظاہر ہو جائے۔ امام حاکمؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے:

"حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے زینت کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد پازیب، بالیاں اور ہار وغیرہ ہیں اور "اِلَّا مَاظَهَرَ مِنۡهَا" سے کپڑے مراد ہیں۔" (2)

آیت کا سیاق وسباق:

سورہ النور کی اس آیت کے سیاق وسباق کے متعلق اسلامی محقق حافظ محمد زبیر صاحب لکھتے ہیں:

---

(1) فتح الباری، ج۸، ص ۴۹۰، المکتبة السلفیة.

(2) المستدرک علی الصحیحین، جلد 2، صفحہ 397 ، مکتب المطبوعات الاسلامیہ، بیروت.

”آیت کے اِس حصے (وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِن زِيْنَتِهِنَّ ﴾ میں مومن عورتوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ چلتے وقت اپنے پاؤں زمین پر مار کر نہ چلیں، تا کہ ان کے پاؤں یا چال کی زینت یا پازیب وغیرہ کی جھنکار سن کر مردان کی طرف متوجہ نہ ہوں، کیونکہ اس طرح عورت کی یہ مخفی زینت ظاہر ہو کر مردوں کے لیے فتنے کا باعث بن جاتی ہے۔ جو شریعت مطہرہ فتنے کے اندیشے کو بھی ختم کرنے کے لیے عورتوں کو پاؤں زمین پر مار کر چلنے سے روک رہی ہے اس شریعت کے بارے میں یہ گمان رکھنا کہ وہ اس آیت میں عورتوں کو چہرہ دکھلا رکھنے کی اجازت دے رہی ہے، ایک عام انسان کی سمجھ سے بالاتر بات ہے۔ چہرے کی زینت بہر حال قدموں کی چاپ اور انداز کی زینت سے بہت بڑھ کر ہے، اس لیے "اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا" کے ذریعے چہرے کا مستثنیٰ کرنا قرآن کے سیاق وسباق کے خلاف ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ مِنَ الْخُيَلَاءِ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ)) قالت ام سلمة يا رسول الله فكيف تصنع النساء بذيولهن؟ قال : ((تُرْخِيْنَهُ شِبْرًا)) قالت : اذا تنكشف اقدامهن؟ قال : ((تُرْخِيْنَهُ ذِرَاعًا لَا تَزِدْنَ عَلَيْهِ)) (1)

”جس نے تکبر کے ساتھ اپنے کپڑے کو لٹکایا اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کی طرف نظر کرم نہیں فرمائیں گے۔“ تو ام سلمہؓ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! عورتیں اپنے پلو (کپڑے کا نچلا کنارا) کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم عورتیں اسے ایک بالشت لٹکا لیا کرو۔“ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کی: تب تو ان کے پاؤں کھل جائیں گے؟ آپ ﷺ فرمایا: ”تم عورتیں اپنے پلو کو ایک ہاتھ لٹکا لیا کرو اور اس سے زیادہ نہ لٹکاؤ“۔

---

(1) رواه النسائي، كتاب الزينة، باب ذيول النساء.

حضرت اُمّ سلمہؓ کا پاؤں کھلے رہ جانے کے بارے میں سوال کرنا اور آپ ﷺ کا ان کو جواب دینا یہ ظاہر کر رہا ہے کہ پاؤں کا ڈھانپنا بھی واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ البانی نے بھی اسی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے پاؤں کے ڈھانپنے کو واجب قرار دیا ہے اور عورت کے پاؤں کو اس کے ستر میں شمار کیا ہے۔ جب پاؤں ڈھانپنے کی اس قدر تاکید قرآن و سنت میں ہے تو چہرہ ڈھانپنے کے بارے میں قرآن و سنت کیسے خاموش رہ سکتے ہیں!'' (1)

مزید برآں، سورۃ النور کی ان آیات میں گھر میں کثرت سے داخل ہونے والے نا محرم رشتہ دار مثلاً بہنوئی، داماد، خالو، پھوپھا وغیرہ کے بارے میں گھر کی خواتین کو چند اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں۔ چونکہ گھر کے اندر ان قریبی رشتہ داروں کے سامنے زینت کے اظہار کا امکان زیادہ تھا، اس لیے خواتین کو ان حضرات کے سامنے زینت کے اظہار سے روک دیا گیا اور گھر کے اندر کے پردے کی حدود و قیود بیان کی گئیں۔ اسکے ساتھ ساتھ گھر کے دوسرے محرم رشتہ داروں کی فہرست بھی ساتھ ہی بیان کر دی گئی کہ جن کے سامنے زینت کا اظہار جائز ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ جس کی طرف مفسرِ قرآن مولانا امین احسن اصلاحی نے توجہ مبذول کروائی تھی کہ سورۃ النور کی پردے کی آیات گھر کے اندر کے پردے کے متعلق ہیں نہ کہ گھر کے باہر کے پردے کے، جبکہ گھر سے باہر پردے کا ذکر سورۃ الاحزاب کی آیات میں ہے۔ یہ وہ فرق ہے جس کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے بہت سارے علماء نے اس آیت کی تفسیر میں ٹھوکر کھائی۔ مولانا امین احسن اصلاحی قرآن میں ستر و حجاب کے احکامات کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تیسرے وہ احکام ہیں جو عام مردوں اور عورتوں کو مخاطب کر کے گھروں کے اندر آنے جانے سے متعلق دیے گئے ہیں اور جن میں تفصیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان جب

---

(1) چہرے کا پردہ—واجب، مستحب یا بدعت؟ حافظ محمد زبیر، مکتبہ رحمۃ للعالمینؐ، مطبوعہ لاہور، طبع اول 2010ء

اپنے کسی بھائی کے گھر میں داخل ہو تو اُس کو کن آداب وقواعد کی پابندی کرنی چاہیے اور گھر کی عورتوں پر ایسی صورت میں کیا پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ یہ احکام سورۃ النور میں بیان ہوئے ہیں"۔(1)

قرآنی دلیل نمبر 3:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحاً فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَن يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ وَأَن يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ . (النور — ٦٠)

"اور بوڑھی عورتوں میں سے وہ جو کہ نکاح کی امید نہیں رکھتیں، تو ان کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے (اضافی) کپڑے اتار رکھیں اُس حال میں کہ وہ زینت کا اظہار کرنے والی نہ ہوں۔ اور اگر وہ بچ کر رہیں تو یہ ان کے لیے بہت زیادہ بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے۔"

اس آیہ مبارکہ میں بوڑھی عورتوں کو رخصت دی گئی ہے کہ وہ اگر اپنے اضافی کپڑے مثلاً جلباب وغیرہ اتار دیں اور ان کا چہرہ ظاہر بھی ہو جائے تو ان کے لیے کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ عورتیں اُس عمر کو پہنچ چکی ہوں جس میں اولاد پیدا نہیں ہوتی۔ اُنکی اپنی خواہشات بھی مر چکی ہوتی ہیں اور اُن کو دیکھ کر مردوں میں بھی کوئی صنفی جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عورتیں بناؤ سنگھار کر کے اِس رخصت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتیں۔ اگر وہ کھلے چہرے کے ساتھ اجنبی افراد کے سامنے آنا چاہتی ہیں تو انہیں بغیر میک اَپ کے سادہ چہروں کیساتھ نامحرم مردوں کے سامنے آنے کی اجازت ہے۔

---

(1) پردہ اور قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی، ص ۷، مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن، لاہور

اِس آیۂ مبارکہ میں ''ثیاب'' سے مراد اضافی کپڑے ہیں یعنی اوڑھنیاں، جلباب، نقاب وغیرہ۔

ثیاب سے مراد دوپٹہ یا صرف سینہ کو ڈھاپنے والی چادر نہیں۔ تمام مفسرین نے بالاتفاق اس سے مراد وہ چادریں لی ہیں جن سے زینت کو چھپانے کا حکم سورۃ الاحزاب میں دیا گیا تھا۔

ابن جریر طبری ((فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ)) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فليس عليهن حرج ولا اثم ان يضعن ثيابهن يعنى جلابيبهن وهى القناع الذى يكون فوق الخمار و الرداء الذى يكون فوق الثياب لا حرج عليهن ان يضعن ذلک عند المحارم من الرجال وغير المحارم من الغرباء غير متبرجات بزينة. (1)

''ان (بوڑھی عورتوں) پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر وہ اپنے کپڑے یعنی جلباب وغیرہ اتار کر رکھ دیں، اور جلباب سے مراد وہ نقاب ہے جو کہ دوپٹے کے اوپر لیا جاتا ہے اور وہ چادر ہے جو کہ کپڑوں کے اوپر لی جاتی ہے۔ ان عورتوں پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر وہ یہ نقاب یا چادر اپنے محرم اور غیر محرم افراد کے سامنے اتار رکھیں، لیکن زینت ظاہر نہ کریں۔''

اس طرح امام بغویؒ آیت ((فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ)) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

---

(1) تفسير طبرى، ابن جرير طبرى، جلد 9، صفحه 348، دارالكتب العلمية، بيروت.

يعني يضعن بعض ثيابهن وهي الجلباب والرداء الذي فوق الثوب والقناع الذي فوق الخمار فأما الخمار فلا يجوز وضعه۔(1)

''(کپڑے اتارنے سے) مراد یہ ہے کہ وہ اپنے بعض کپڑے اتار رکھیں اور وہ جلباب اور چادر ہے جو کہ کپڑوں کے اوپر ہوتی ہے یا وہ نقاب جو کہ دوپٹے کے اوپر ہوتا ہے۔ جہاں تک دوپٹے کا تعلق ہے اس کا اتارنا جائز نہیں ہے۔''

سورۃ النور کی یہ آیت بظاہر بڑی عمر کی خواتین سے خطاب کر رہی ہے لیکن اس آیت میں جوان عورتوں کے پردے کے حق میں دلیل بھی موجود ہے۔ محقق اسلام حافظ زبیر صاحب اپنی کتاب ''چہرے کا پردہ—واجب، مستحب یا بدعت؟'' میں اس آیت پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''آیت مبارکہ میں 'فلیس علیهن جناح'' کے الفاظ کے ذریعے 'القواعد'' یعنی بوڑھی عورتوں کو پردہ نہ کرنے کی رخصت دی گئی ہے اور اس کا 'مفہوم مخالف'' یہ ہے کہ جو عورتیں جوان ہیں اور وہ نکاح کی امید رکھتی ہیں، اگر وہ پردہ نہ کریں گی تو گناہگار ہوں گی۔ آیت کے الفاظ ہیں: 'فلیس علیهن جناح '' کہ ان بوڑھی عورتوں پر گناہ نہیں ہے۔ گویا کہ کچھ ہیں جن پر گناہ بھی ہے اور یہ وہ عورتیں ہیں جو کہ بوڑھی نہ ہوں، یعنی جوان ہوں۔ استدلال کا یہ طریقہ کار اصولیین کے نزدیک مفہوم مخالف کہلاتا ہے۔''

---

(1) تفسیر بغوی، امام بغوی، جلد 4، صفحہ 449، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

(2) چہرے کا پردہ – واجب، مستحب یا بدعت؟ حافظ محمد زبیر مکتبہ رحمۃ للعالمین، مطبوعہ لاہور، طبع اول 2010ء

چہرے کا پردہ: احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں:

ذیل میں چند صحیح اور حسن احادیث پیش کی جاتی ہیں جن میں مسلمان خواتین کے پردے کے احکامات موجود ہیں:

حدیث نمبر 1:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهَا قَالَتْ: كُنَّ نِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ صَلاةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ اِلىٰ بُيُوْتِهِنَّ حِيْنَ يَقْضِيْنَ الصَّلاةَ لا يَعْرِفُهُنَّ اَحَدٌ مِّنَ الْغَلَسِ.

(صحیح البخاری)(1)

"حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ مسلمان عورتیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صبح کی نماز میں شریک ہوتیں۔ اس حال میں کہ انہوں نے اپنے جسم کو چادروں میں لپیٹا ہوتا، پھر وہ نماز ادا کرنے کے بعد اپنے گھروں کو واپس چلی جاتیں اور اندھیرے کی وجہ سے ان کو کوئی پہچان بھی نہ پاتا تھا۔"

اس حدیث سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں جب مسلمان عورتیں کسی کام سے گھر سے باہر نکلتی تھیں تو اپنے سارے بدن کو ایک بڑی چادر میں لپیٹ لیتی تھیں۔

حدیث نمبر 2:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ قَالَ: خَطَبْتُ امْرَأَةً فَجَعَلْتُ اَتَخَبَّأُلَهَا

---

(1) صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب وقت الفجر

حَتّٰی نَظَرْتُ اِلَیْهَا فِیْ نَخْلٍ لَهَا فَقِیْلَ لَهٗ اَتَفْعَلُ هٰذَا وَاَنْتَ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: ((اِذَا اَلْقَی اللّٰهُ فِیْ قَلْبِ امْرِئٍ خِطْبَةَ امْرَأَةٍ فَلاَ بَاسَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلَیْهَا))

(سنن ابن ماجه) (1)

حضرت محمد بن مسلمہؓ سے مروی ہے کہ میں نے ایک عورت کی طرف نکاح کا پیغام بھیجا اور میں اس کو چوری چھپے دیکھنے کی کوشش کرتا تھا، حتیٰ کہ ایک دن وہ عورت اپنے باغ میں گئی تو میں نے (موقع پا کر) اس کو دیکھ لیا تو مجھ سے لوگوں نے کہا: آپ اللہ کے رسول ﷺ کے صحابی ہو کر ایسا کرتے ہیں؟ تو میں نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا ہے "جب کسی مرد کا کسی عورت سے شادی کا ارادہ ہو تو اس کی طرف دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

اِس حدیث مبارک میں حضور ﷺ کے یہ الفاظ "فَلاَ بَاسَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلَیْهَا" اس بات کی دلیل ہے کہ اگر ایک شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو دیکھنے کی رخصت ہے۔ اس کے علاوہ نہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بغیر وجہ کے مردوں کا نامحرم عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا گناہ ہے۔ مزید برآں، حضرت محمد بن مسلمہؓ کا اُس عورت کو دیکھنے کے لیے اتنی کوشش کرنا اور اسکے باوجود اُس کو نہ دیکھ پانا اِس بات کا ثبوت مہیا کرتی ہے کہ اُس زمانے میں مسلمان خواتین حجاب سے اپنے چہرے چھپاتی تھیں۔ اگر وہ عورت گھر سے باہر نکلتے ہوئے اپنے چہرے کو حجاب سے نہ چھپاتی ہوتی تو حضرت محمد بن مسلمہؓ کو چوری چھپے اتنی کوشش کے بعد اُس عورت کو

---

(1) سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب النظر الى المرأة اذا اراد ان يتزوجها۔
یہ روایت صحیح ہے اور علامہ البانی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

دیکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

اس موضوع پر ایک دوسری حدیث مسند احمد میں بھی وارد ہوئی جس میں حضور ﷺ نے فرمایا:

اِذَا خَطَبَ اَحَدُکُمْ امْرَأَةً فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّنْظُرَ اِلَيْهَا اِذَا كَانَ اِنَّمَا يَنْظُرُ اِلَيْهَا لِخِطْبَةٍ وَاِنْ كَانَتْ لَا تَعْلَمُ.

(مسند احمد عن ابو حمید) (1)

ترجمہ: جب کوئی آدمی کسی عورت کو پیغام نکاح دے تو اس پر اس عورت کو دیکھ لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ نکاح کا پیغام دینے کے لیے دیکھ رہا ہو۔ خواہ وہ عورت اس سے بے خبر ہو۔

حدیث نمبر 3:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: اَوْمَتِ امْرَأَةٌ مِنْ وَرَاءِ سِتْرٍ بِيَدِهَا كِتَابٌ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَبَضَ النَّبِيُّ ﷺ يَدَهُ فَقَالَ: مَا اَدْرِیْ اَيَدُ رَجُلٍ اَمْ يَدُ امْرَاَةٍ)) قَالَتْ: بَلِ امْرَأَةٌ قَالَ: ((لَوْ كُنْتِ امْرَأَةً لَغَيَّرْتِ اَظْفَارَكِ يَعْنِى بِالْحِنَّاءِ)) (سنن ابی داؤد) (2)

---

(1) مجمع الزوائد میں بیان ہوا ہے کہ مسند احمد کی اس حدیث کے تمام راوی صحیح مسلم کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔ شیخ البانی نے اپنی سلسلۃ الصحیحہ میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (حدیث نمبر 97) اور لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

(2) سنن ابی داؤد، کتاب الترجل، باب فی الخضاب للنساء۔
یہ روایت حسن ہے اور علامہ البانی نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے۔

”حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے پردے کے پیچھے سے ایک خط رسول اللہ ﷺ کو دیا تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو سمیٹ لیا اور فرمایا: ”مجھے معلوم نہیں کہ یہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا ہاتھ ہے“ تو اُس عورت نے کہا کہ میں عورت ہوں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اگر تو عورت ہے تو اپنے ناخنوں کو مہندی لگا تا کہ مرد اور عورت میں فرق ہو سکے۔“

یہ حدیث اس بات کا واضح ثبوت مہیا کرتی ہے کہ عورتیں حضور ﷺ کے زمانے میں جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں تو پردے میں ہوتی تھیں۔

حدیث نمبر 4 :

لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْعَتَهَا لِزَوْجِهَا كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا

(صحیح البخاری) (1)

”کوئی عورت کسی دوسری عورت سے اس طرح نہ ملے کہ پھر جا کر اپنے شوہر کے سامنے اس کے حسن و جمال کو اس طرح بیان کرے گویا کہ اس کا شوہر اس اجنبی عورت کو دیکھ رہا ہو۔“

صحیح بخاری کی یہ حدیث چہرے کے پردے کے حق میں ایک مضبوط دلیل ہے۔ حافظ محمد زبیر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

”اس حدیث کے الفاظ ”كَأَنَّهُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا“ اس بات کی دلیل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتیں حجاب (نقاب) کرتی تھیں کیونکہ اگر عورتوں میں حجاب کی پابندی نہ ہوتی تو مردوں کو اس بات کی ضرورت باقی نہ رہتی کہ ان کی بیویاں ان کے سامنے اجنبی عورتوں کے حسن و جمال کو بیان کریں، بلکہ مرد بذاتِ خود عورتوں کو دیکھنے کی قدرت رکھتے۔“ (2)

---

(1) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لا تباشر المرأۃ المرأۃ فتنعتها لزوجها

(2) چہرے کا پردہ - واجب، مستحب یا بدعت؟ حافظ محمد زبیر، مکتبہ رحمۃ للعالمین، مطبوعہ لاہور، طبع اول 2010ء)

حدیث نمبر 5:

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((اَلْمَرْأَۃُ عَوْرَۃٌ فَاِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَھَا الشَّیْطَانُ)) (سنن الترمذی) (1)

"حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورت تو چھپانے کی چیز ہے۔ جب یہ (گھر سے) باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو جھانکتا ہے۔"

اس حدیث میں عورت کے لیئے عربی لفظ "عورۃ" استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں "چھپانے کی چیز" اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عورت کا سارا جسم "عورۃ" ہے جس کو چھپانا چاہیے۔

شیخ محمد صالح المنجد اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ترمذی کی یہ حدیث صحیح ہے اور اس حدیث میں یہ حکم واضح ہے کہ عورت کو اجنبی مردوں سے اپنا چہرہ چھپانا چاہیے۔ (2)

حدیث نمبر 6:

اِنْ کَانَ لِاِحْدَاکُنَّ مُکَاتَبٌ فَکَانَ عِنْدَہٗ مَا یُؤَدِّیْ فَلْتَحْتَجِبْ مِنْہُ

(سنن ابی داؤد) (3)

---

(1) سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی کراھیۃ الدخول علی المغیبات و رواہ ابن حبان فی صحیحہ والطبرانی فی الکبیر

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔

(2) پردہ، قرآن وسنت کی روشنی میں، از شیخ صالح المنجد، مطبوعہ الریاض، ۱۴۰۸ ھجری

(3) سنن ابی داؤد، کتاب العتق، باب فی المکاتب یؤدی بعض کتابتہ فیعجز او یموت

"جب تم (عورتوں) میں سے کسی کے پاس کوئی مکاتب (ایسا غلام جس سے اس کے مالک نے مکاتبت کرلی ہو کہ اگر اتنی رقم تم ادا کرو گے تو آزاد ہو جاؤ گے) ہو اور اس غلام کے پاس اتنی رقم ہو کہ وہ اسے مکاتبت کی صورت میں ادا کر سکے تو اس عورت کو چاہیے کہ اپنے غلام سے پردہ کرے۔"

اس حدیث سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ عورت کے لیے اپنے غلام کے سامنے چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت ہے لیکن یہ رخصت اس وقت تک ہے جب تک وہ اس کا غلام ہے۔ جونہی وہ غلام اپنی مالکن سے مکاتبت کر کے آزادی حاصل کرلیگا تو پھر وہ اس عورت کے لیے اجنبی مرد بن جائیگا جس سے پردہ کرنا ضروری ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ جس طرح آجکل لونڈیاں تقریباً ناپید ہو چکی ہیں، اسی طرح غلام بھی قریب قریب ناپید ہو چکے ہیں۔ آجکل گھروں میں کام کرنے والے جوان مرد ملازم یا نوکر بہرحال آزاد مرد ہوتے ہیں جنھیں بیچا یا خریدا نہیں جا سکتا۔ اس لئے گھریلو مرد نوکروں یا ملازموں کے سامنے عورتوں کا چہرہ کھلا رکھنے کا اسلام میں کوئی جواز موجود نہیں۔ اِس بات کو مزید آسانی سے اسطرح سمجھا جا سکتا ہے کہ گھر میں کام کرنے والی نوکرانیاں یا ملازمہ خواتین بہرحال آزاد عورتیں ہوتی ہیں، اس لئے جس گھر میں وہ کام کرتی ہیں وہاں کا مرد اُن کو اپنی پراپرٹی سمجھ کر اُن سے آزاد شہوت رانی نہیں کر سکتا۔ اگر مرد اُس ملازمہ یا نوکرانی کو پسند کرتا ہے تو اسے اُس ملازمہ یا نوکرانی سے شرعی طور پر نکاح کرنا ہوگا جسکے بعد وہ اس کی قانونی بیوی ہوگی۔ بالکل اسی طرح گھر کا نوکر یا مرد ملازم کسی صورت غلام نہیں ہوتا اور اُس سے پردہ کرنا گھر کی مالکن پر لازم ہے۔ افسوس کہ آجکل بعض خواتین شاپنگ کے شوق میں دوسری خواتین کے ساتھ خود تو بازار چلی جاتی ہیں جہاں اُنھیں نامحرم دوکاندار مردوں سے بھاؤ تاؤ کرنا پڑتا ہے جبکہ اپنے صحت مند خاوند کو کام کرنے والی نامحرم ملازمہ یا نوکرانی کے ساتھ گھر میں اکیلا چھوڑ جاتی ہیں اور پھر ایسا ایسے واقعات سامنے آتے ہیں کہ اللہ معاف کرے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ

مرد حضرات خود اپنی بیویوں کے ساتھ شاپنگ کے لئے بازار چلی جائیں اور نامحرم دوکاندار مردوں سے بھاؤ تاؤ کریں اور گھر میں کام کرنے والی نامحرم ملازمہ یا نوکرانی کے ساتھ اکیلے مت رہیں لیکن آج کے روشن خیالی کے دور میں لوگوں کا قرآن کے پردے کے احکامات کے متعلق تصور ہی بدل گیا ہے۔

حدیث نمبر 7 :

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرْتُ لَهُ امْرَأَةً أَخْطُبُهَا فَقَالَ : ((اِذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا)) فَأَتَيْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ فَخَطَبْتُهَا إِلَى أَبَوَيْهَا وَأَخْبَرْتُهُمَا بِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ فَكَأَنَّهُمَا كَرِهَا ذٰلِكَ، قَالَ فَسَمِعَتْ ذٰلِكَ الْمَرْأَةُ وَهِيَ فِي خِدْرِهَا فَقَالَتْ : إِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَكَ أَنْ تَنْظُرَ فَانْظُرْ وَإِلَّا فَأَنْشُدُكَ كَأَنَّهَا أَعْظَمَتْ ذٰلِكَ قَالَ فَنَظَرْتُ إِلَيْهَا فَتَزَوَّجْتُهَا)) (سنن ابن ماجه) (1)

"میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور میں نے آپ ﷺ کے سامنے ایک عورت کا تذکرہ کیا جس سے میں نکاح کرنا چاہتا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "جا کر پہلے اس کو ایک نظر دیکھ لو، یہ بات تمہارے مابین محبت کا باعث ہوگی۔" میں انصار کی ایک عورت کے پاس آیا تو میں نے اس کے والدین سے نکاح کی بات کی اور انہیں اللہ کے رسول ﷺ کے قول کے بارے میں بتایا۔ والدین نے لڑکی کے دیکھنے کو ناپسند کیا۔ حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں کہ اس عورت نے

---

(1) سنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب النظر الى المرأة اذا اراد ان يتزوجها

یہ روایت صحیح ہے اور علامہ البانی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے.

میری بات سن لی اور وہ پردے میں کھڑی تھی۔ اس لڑکی نے کہا کہ اگر اللہ کے رسول ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے تو تم دیکھ لو، اور اگر ایسا نہیں ہے تو میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ ایسا نہ کرنا۔ گویا اُس عورت نے اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کو بڑا جانا۔ حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس عورت کو دیکھا اور پھر میں نے اس سے نکاح کر لیا۔"

اس حدیث میں بھی ہمیں یہ ثبوت ملتا ہے کہ عورتیں حضور ﷺ کے زمانے میں چہرے کا پردہ کیا کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُس دور میں جب ایک مرد کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجتا تھا، اُس کے باوجود بھی دیکھ نہ سکتا تھا۔

حدیث نمبر 8 :

عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مُحْرِمَاتٌ فَإِذَا حَاذَوْا بِنَا سَدَلَتْ اِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا فَإِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَاهُ. (سنن ابی داؤد) (1)

"ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ قافلے ہمارے پاس سے گزرتے تھے اور ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ حالت احرام میں ہوتی تھیں، پس جب وہ ہمارے پاس سے گزرتے تو ہم اپنے جلباب اپنے سر سے اپنے چہرے پر لٹکا لیتی تھیں اور جب وہ قافلے آگے گزر جاتے تو ہم اپنے چہرے کو کھول دیتی تھیں۔"

یہ روایت حسن ہے اور علامہ البانی نے بھی اس حسن قرار دیا ہے۔ (2)

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب فی المحرمۃ تغطی وجهها

(2) حجاب المرأۃ المسلمۃ، علامہ البانی، ص۵۸

اِس حدیث میں حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ خود اُن کا اور حضور ﷺ کے ساتھ حج کے سفر میں شریک تمام خواتین کا طرزِ عمل یہ تھا کہ قافلوں کے قریب سے گزرنے پر وہ اپنے چہرے اپنی چادروں سے ڈھانپ لیتی تھیں۔ یہ حدیث صرف ازواجِ مطہراتؓ کے لیے نہیں ہے بلکہ اس حدیث کا حکم عام ہے۔ اگلی حدیث اِس بات کی تائید کرتی ہے۔

حدیث نمبر 9 :

عَنْ اَسْمَاءِ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھَا قَالَتْ: کُنَّا نُغَطِّیْ وُجُوْھَنَا مِنَ الرِّجَالِ وَکُنَّا نَمْتَشِطُ قَبْلَ ذٰلِکَ فِی الْاِحْرَامِ.

"حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ "ہم مردوں سے اپنے چہروں کو ڈھانپتی تھیں اور ہم حالت احرام میں کنگھی بھی کرلیا کرتی تھیں۔" (1)

یہ روایت صحیح ہے اور علامہ البانی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (2)

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ حضرت عائشہؓ کی بہن تھیں اور صحابیاتؓ میں سے تھیں۔ آپؓ، حضور ﷺ کی ازواجِ مطہراتؓ میں سے نہیں تھیں۔ حضرت اسماءؓ نے اس حدیث میں بیان کیا ہے کہ وہ اور دیگر صحابیاتِؓ رسول ﷺ نامحرم مردوں سے اپنے چہروں کو ڈھانپتی تھیں جو اِس بات کا قطعی ثبوت (Definitive Proof) ہے کہ حجاب کا حکم صرف ازواجِ مطہراتؓ کے لیئے نہ تھا بلکہ تمام مسلمان عورتوں کے لئے تھا۔

---

(1) المستدرک علی الصحیحین، امام حاکم، جلد ۱، ص ۴۵۴

(2) حجاب المرأۃ المسلمۃ، علامہ البانی، ص ۵۰

حدیث نمبر 10 :

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيْدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ، قَالَتِ امْرَأَةٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ؟ قَالَ : ((لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا))

(صحيح البخاری) (1)

"حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم حیض والی اور پردہ نشین عورتوں کو عیدین کے دن نکالیں، وہ مسلمانوں کی جماعت اور دعا میں حاضر ہوں، اور حیض والی عورتیں نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں ۔ایک عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ اگر ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کی سہیلی اس کو اپنی چادر میں شریک کرے۔"

اس حدیث کی شرح میں شیخ الصالح العثیمین بیان کرتے ہیں:

"یہ حدیث واضح طور پر بتا رہی ہے کہ صحابہ کرامؓ کی خواتین میں چادر کے بغیر باہر نکلنے کا معمول نہ تھا۔ بلکہ چادر پاس نہ ہونے کی صورت میں باہر نکلنے کو وہ ممکن ہی نہ سمجھتی تھیں۔" (2)

حدیث نمبر 11 :

عَنْ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ : يَرْحَمُ اللّٰهُ

---

(1) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب وجوب الصلاۃ فی الثیاب)

(2) پردہ، قرآن و سنت کی روشنی میں، از صالح المنجد، مطبوعہ الریاض، ۱۴۰۸ ھجری)

نِسَاءَ الْمُهَاجِرَاتِ الْاُوَلِ لَمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ اِلٰى جُيُوْبِهِنَّ﴾ شَقَّقْنَ مُرُوْطَهُنَّ فَاخْتَمَرْنَ بِهَا. (1)

"ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے پہل ہجرت کرنے والی مہاجر عورتوں پر رحم کرے! جب یہ آیت ﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ اِلٰى جُيُوْبِهِنَّ﴾ نازل ہوئی تو انہوں نے اپنی چادروں کو پھاڑ کر ان کے دوپٹے بنا کر اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا۔"

علامہ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

فَاخْتَمرن أی غطين وجوههن. یعنی حضرت عائشہؓ کے قول "فاختمرن" کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا۔ (2)

چہرے کا پردہ-صحابہؓ وتابعینؒ کے اقوال کی روشنی میں:

ہم نے شروع میں سورۃ النور اور سورۃ الاحزاب کی آیات حجاب کی تفسیر میں مختلف صحابہ کرامؓ کے اقوال پیش کیے تھے، جن میں انہوں نے ان قرآنی آیات کی تفسیر میں بتایا کہ ان سے مراد چہرے کا پردہ ہے۔ یہاں ہم مزید چند صحابہؓ وتابعینؒ کے اقوال اس سلسلے میں پیش کرتے ہیں:

---

(1) صحيح البخاری، كتاب تفسير القرآن، باب وليضربن بخمرهن على جيوبهن

(2) فتح الباری، ج٨، ص ٤٩٠، المكتبة السلفية

1) **حضرت فاطمہ بنت منذرؓ:**

عن فاطمة بنت المنذر انها قالت: كُنَّا نُخَمِّرُ وُجُوهَنَا وَنَحْنُ مُحْرِمَاتٌ وَنَحْنُ مَعَ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ.

مؤطاامام مالک (1)

(حضرت فاطمہ بنت منذرؓ سے روایت ہے کہ ہم حالت احرام میں اپنے چہروں کوڈھانپ لیتی تھیں اورحضرت اسماء بنت ابی بکرؓ ہمارے ساتھ ہوتی تھیں۔)

2) **روى ابن عيينه عن اسماعيل بن ابى خالد قال اخبرتنى امى و اختى انهما دخلتا على عائشة ام المئومنين فسألتا ها كيف تخمر المرأة وجهها فاخذت اسفل خمار ها فغطت به وجهها.**

(الاستذكار) (2)

"ابن عیینہ اسماعیل بن ابی خالد سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ مجھے میری ماں اور بہن نے خبر دی کہ وہ دونوں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس گئیں اوران سے سوال کیا کہ عورت اپنے چہرے کو کیسے ڈھانپے؟ تو حضرت عائشہؓ نے ان کی چادر کا نچلا حصہ پکڑا اوراس کے ساتھ ان کے چہرے کوڈھانپ دیا۔"

3) **اسماعیل بن ابی خالد اپنی والدہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:**

كنا ندخل على اُم المؤمنين يوم التروية فقلت لها يا ام

---

(1) مؤطاامام مالک، کتاب الحج، باب وانما يعمل الرجل مادام حيا فاذا مات فقد انقضى.

(2) الاستذكار، ابن عبدالبر، جلد 11، ص 48

المؤمنين هنا امرأة تأبى ان تغطى وجهها وهى محرمة فرفعت عائشة خمارها من صدرها فغطت به وجهها. (التلخيص الحبير)

"ہم (خواتین) ۱۸ ذی الحجہ کو ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس آئی تھیں تو میں نے کہا اے ام المؤمنین! یہاں ایک عورت ہے جو کہ اس بات سے انکاری ہے کہ حالت احرام میں وہ اپنا چہرہ ڈھانپے، تو حضرت عائشہؓ نے اس کی چادر اس کے سینے سے اٹھائی اور اس کے ساتھ اُس کے چہرے کو ڈھانپ دیا۔" (1)

4) حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے سورۃ الاحزاب کی آیت 59 کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت سے نکلیں تو سر کے اوپر سے اپنی چادروں کے دامن لٹکا کر اپنے چہروں کو ڈھانک لیا کریں۔" (تفسیر ابن جریر) (2)

5) حضرت عبیدہ سلمانی

امام محمد بن سیرینؒ نے حضرت عبیدہ سلمانی سے اللہ تعالیٰ کے قول "یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ" کے بارے میں دریافت کیا کہ اس حکم پر عمل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

انہوں نے خود چادر اوڑھ کر بتایا اور اپنی پیشانی اور ناک اور ایک آنکھ کو چھپا کر صرف ایک آنکھ کھلی رکھی۔ (تفسیر ابن جریر)

---

(1) التلخیص الحبیر، ابن حجر عسقلانی، جلد 2، المدینہ المنورہ

(2) تفسیر ابن جریر، جلد22

(3) تفسیر ابن جریر، جلد22 ; احکام القرآن، جلد 3، صفحہ45

6) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ:

جب حضرت موسیٰؑ قبطی کو قتل کر کے فرعون کے ڈر سے مصر سے فرار ہو کر مدین پہنچے تو اُنھوں نے کنویں پر دو خواتین کے لیئے بھیڑ میں سے پانی بھرا۔ پھر وہ خواتین اپنے گھر چلی گئیں۔ اسکے بعد سورہ القصص میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فجآءته احدهما تمشی علی استحیآء قالت ان ابی یدعوک.

(سورہ القصص: آیت 24)

"(کچھ دیر نہ گزری تھی کہ) ان دونوں عوتوں میں سے ایک شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اُس کے پاس آئی اور کہنے لگی "میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں"۔ (سورہ القصص: آیت 24)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"یعنی وہ شرم و حیا کے ساتھ چلتی ہوئی اپنا منہ گھونگھٹ سے چھپائے ہوئے آئی۔ ان بے باک عورتوں کی طرح دراتہیں چلی آئی جو ہر طرف نکل جاتی اور ہر جگہ جا گھستی ہیں"۔ (1)

حضرت عمرؓ کی اس تفسیر سے ہمیں صحابہ کرامؓ کے زمانے میں حیاداری کا اسلامی تصور سمجھ آ سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ واضح الفاظ میں یہاں چہرہ ڈھانکنے کو حیا کی علامت اور اسے نامحرموں کے سامنے کھولنے کو بے حیائی قرار دے رہے ہیں۔

---

(1) اِس مضمون کی متعدد روایات سعید بن منصور، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن المنذر نے معتبر سندوں کے ساتھ حضرت عمرؓ سے نقل کی ہیں۔

چہرے کا پردہ، علمائے اسلام کی نظر میں:

شافعی، مالکی اور حنبلی علماء کے نزدیک چہرے کا پردہ واجب ہے جبکہ حنفی علماء کے نزدیک عورت کا چہرہ اگرچہ ستر میں داخل نہیں لیکن اگر فتنے کا تھوڑا سا بھی اندیشہ ہو (مثلاً عورت کے چہرے کی طرف دیکھنے سے یہ اندیشہ ہو کہ کوئی مرد صرف اتنا سوچے کہ وہ عورت خوبصورت ہے) تو عورت کے لیئے چہرے کا پردہ واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر حنفی علماء نے چہرے کے پردہ کو واجب قرار دیا ہے۔ یہاں پر تاریخ اسلام کے چند چوٹی کے علماء کے چہرے کے پردے کے متعلق فتاوی پیش کیئے جاتے ہیں۔ (تفصیل کے لیئے حافظ محمد زبیر کی تحقیق "چہرے کا پردہ-واجب، مستحب یا بدعت؟" کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے)۔

فقہ حنفی میں امام ابن عابدین، علامہ ابن نجیم اور امام علاؤالدین الحصکفی سب سے نامور علماء سمجھے جاتے ہیں۔ ان تینوں علماء کے پردے کے متعلق فتوے درج ذیل ہیں۔

1) خاتم المحققین امام ابن عابدین لکھتے ہیں:

(وتمنع) المرأة الشابة (من كشف الوجه بين الرجال) لا لا نه عورة بل لخوف الفتنة. (1)

"نوجوان عورت کو مردوں کے درمیان چہرہ کھلا رکھنے سے منع کیا جائے گا، اس وجہ سے نہیں کہ چہرہ عورت کے ستر میں داخل ہے، بلکہ فتنے کے ڈر سے ایسا کیا جائے گا۔"

---

(1) محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الدمشقی، رد المختار علی دُر المختار، جلد ۲، ص ۷۲، دار احیاء التراث العربی.

2) علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

قال مشائخنا تمنع المرأة الشابة من كشف وجهها بين الرجال في زماننا للفتنة۔ (1)

"ہمارے مشائخ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ نوجوان عورت کو ہمارے زمانے میں فتنے کے ڈر سے مردوں کے درمیان چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا۔"

3) امام علاؤ الدین الحصکفی فرماتے ہیں:

ولذا تمنع من كشف وجهها بين الرجال للفتنة۔ (2)

"اسی لیے عورت کو مردوں کے درمیان فتنے کی وجہ سے چہرہ کھولنے سے منع کیا جائے گا۔"

حنبلی علماء میں علامہ ابن جوزی اور امام ابن تیمیہ کا نہایت بلند مقام ہے:

4) علامہ ابن جوزی

علامہ ابن جوزی آیہ مبارکہ (ولا يبدين زينتهن الا ماظهر منها) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وقد نص عليه احمد فقال الزينة الظاهرة الثياب وكل شيء منها عورة حتى الظفر ويفيد هذا تحريم النظر الى شيء من الاجنبيات لغير عذر فان كان لعذر مثل ان يريد ان يتزوجها او

---

(1) البحر الرائق شرح كنز الدقائق، زين الدين ابن نجيم الحنفي، جلد ۱، ص ۲۸۴، دارالمعرفة بيروت.

(2) الدرالمنتقى فى شرح الملتقى، علاؤالدين محمد بن على بن محمد العينى الحصكفى، جلد ۱، ص ۱۲۱، دارلكتب العلمية بيروت

يشهد عليها فانه ينظر فى الحالين الى وجهها خاصة فاما النظر اليها لغير عذر فلا يجوز لا لشهوة ولا لغيرها وسواء فى ذلك الوجه والكفان وغيرهما من البدن. (زاد المسير) (1)

"امام احمد نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ زینت ظاہرہ سے مراد کپڑے ہیں اور عورت کا سارا جسم ستر ہے، یہاں تک کہ اس کے ناخن بھی ستر میں داخل ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجنبی عورت کے طرف بغیر عذر کے دیکھنا حرام ہے۔ اگر یہ عذر کے ساتھ ہو، مثلاً شادی یا گواہی کی غرض سے دیکھنا، تو ایسی صورت میں صرف عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ لیکن بغیر عذر کے عورت کے چہرے کو شہوت یا بغیر شہوت کے دیکھنا جائز نہیں ہے اور اس مسئلے میں چہرہ، دونوں ہاتھ اور جسم کے باقی اعضاء سب کا ایک ہی حکم ہے۔"

5) علامہ ابن تیمیہؒ :

ایک جگہ "يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وقد حكى ابو عبيدة وغيره انها تدنى من فوق رأسها فلا تظهر الا بعينها ومن جنسه النقاب فكن النساء ينتقبن وفى الصحيح ان المحرمة لا تنتقب ولا تلبس القفازين فاذا كن مأمورات بالجلباب لئلا يعرفن وهو ستر الوجه اوستر الوجه بالنقاب كان الوجه واليدان من الزينة التى امرت الا تظهرها للأجانب.

(فتاویٰ ابن تیمیہ) (2)

---

(1) زاد المسیر، علامہ ابن جوزی، جلد ۶، ص ۳۱، ۳۲، المکتب الاسلامی دولۃ نظر۔

(2) فتاویٰ ابن تیمیہ، علامہ ابن تیمیہ، جلد ۲۲، ص ۱۱۰، ۱۱۱

"ابوعبیدہ وغیرہ نے ہم سے بیان کیا ہے کہ عورت اپنے جلباب (چادر) کو اپنے سر سے لٹکائے گی اور اپنی ایک آنکھ کے علاوہ اپنے جسم کا کوئی حصہ ظاہر نہ کرے گی اور اس کی جنس میں نقاب بھی شامل ہے۔ آپ ﷺ کے زمانے میں عورتیں نقاب کرتی تھیں، کیونکہ صحیح حدیث میں ہے کہ حالت احرام میں عورت نقاب نہ کرے اور نہ ہی دستانے پہنے، جیسا کہ عورتوں کو جلباب کا حکم اس لیے دیا گیا کہ وہ پہچانی نہ جائیں تو اس سے مراد چہرے کا چھپانا ہے، یعنی نقاب سے چہرے کا چھپانا، یہی وجہ ہے کہ چہرہ اور دونوں ہاتھ اس زینت میں شامل ہیں کہ جس کو اجنبی مردوں کے سامنے عورت کو چھپانے کا حکم دیا گیا۔"

مالکی علماء میں امام ابوبکر ابن العربی اور امام قرطبی کا شمار چوٹی کے علماء میں ہوتا ہے:

6) ابوبکر ابن العربی ؒ "فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والمرأة كلها عورة بدنها وصوتها فلا يجوز كشف ذلك الا لضرورة او لحاجة كالشهادة عليها اوداء يكون ببدنها

(احکام القرآن)(1)

"اور عورت تمام کی تمام ستر ہے، اس کا سارا جسم اور آواز بھی ستر میں داخل ہے لہٰذا عورت کے لیے اپنے جسم کے کسی حصے کو ظاہر کرنا جائز نہیں ہے' ہاں ضرورت یا حاجت کے پیش نظر وہ ایسا کر سکتی ہے' مثلاً اگر عورت کے خلاف گواہی دینا مقصود ہو یا اس کے جسم میں کوئی بیماری ہو وغیرہ (تو وہ اپنے جسم کے کسی حصہ کو اجنبی مرد کے سامنے کھول سکتی ہے)۔"

---

(1) احکام القرآن' ابن العربی' جلد۳' ص ۱۵۷۹' دار المعرفة بیروت.

7) امام قرطبی

امام قرطبی "فَاسْئَلُوْ هُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہراتؓ کو حجاب کے پیچھے سے کسی ضرورت یا مسئلے کے تحت سوال کرنے کی اجازت دی۔ اور یہ حکم تمام مسلمان عورتوں کو معنوی طور پر شامل ہے، کیونکہ شریعت کا اصول ہے کہ عورت تمام کی تمام ستر ہے یہاں تک کہ اس کا سارا جسم اور آواز بھی ستر میں داخل ہے۔ جیسا کہ یہ بات پہلے بھی بیان ہو چکی ہے، اس لیے عورت کے لیے اپنے جسم کے کسی حصے کو بغیر کسی ضرورت کے کھولنا جائز نہیں ہے۔ ضرورت سے مراد عورت کے خلاف گواہی ہے یا اس کے جسم میں کوئی بیماری ہے۔"

(الجامع لاحکام القرآن) (1)

امام غزالی اور ابن حجر عسقلانی فقہ شافعی کے ہی نہیں بلکہ پوری اسلامی تاریخ کے عظیم ترین علماء میں سے ہیں۔

8) امام غزالی کی رائے:

امام غزالی عورتوں کے پردے کے متعلق لکھتے ہیں:

لسنا نقول ان وجه الرجل في حقها عورة كوجه المرأة في حقه بل هو كوجه الامرد في حق الرجل فيحرم النظر عند خوف الفتنة فقط وان لم تكن فتنة فلا، اذلم تزل الرجال على ممر الزمان مكشوفي الوجوه والنساء يخرجن منقبات فلو استووالامر الرجال بالتنقب او منعن من

---

(1) الجامع لاحکام القرآن، امام محمد بن احمد القرطبی، جلد ۱۴، ص ۲۲۷، احیاء التراث العربی، بیروت۔

الخروج۔ (احیاء العلوم) (2)

"ہم یہ نہیں کہتے کہ مرد کا چہرہ عورت کے لیے ستر ہے جیسا کہ عورت کا چہرہ مرد کے لیے ستر ہے، بلکہ مرد کا چہرہ (عورت کے لیے) ایسا ہی ہے جیسا کہ نابالغ بچے کا چہرہ مرد کے لیے ہے۔ یعنی اگر فتنے کا اندیشہ ہوگا تو اس کی طرف دیکھنا حرام ہوگا اور اگر فتنہ نہ ہو تو پھر دیکھنا جائز ہے۔ کیونکہ ہمیشہ سے یہ بات چلی آرہی ہے کہ مرد ہر زمانے میں کھلے چہرے کے ساتھ باہر نکلتے ہیں، جبکہ عورتیں نقاب پہن کر باہر نکلتی ہیں۔ اگر مرد بھی اس مسئلے میں عورتوں کے برابر ہوتے تو ان کو نقاب پہننے کا حکم دیا جاتا یا عورتوں کو باہر نکلنے سے منع کردیا جاتا"۔ (احیاء العلوم)

9) ابن حجر عسقلانی کی رائے:

ابن حجر عسقلانیؒ عورتوں کے پردے کے متعلق لکھتے ہیں:

ویقوی الجواز استمرار العمل علی جواز خروج النساء الی المساجد والاسواق والاسفار منتقبات لئلا یراهن الرجال ولم یؤمر الرجال قط بالانتقاب لئلا یراهم النساء فدل علی تغایر الحکم بین الطائفتین.

"اور عورت کے مرد کی طرف دیکھنے کے جواز کو اس دلیل سے بھی تقویت ملتی ہے کہ شروع سے یہ عمل چلا آرہا ہے کہ عورتوں کے لیے مساجد، بازار اور سفر کی حالت میں نقاب پہن کر باہر نکلنے کا جواز ہے، جبکہ مردوں کو کبھی بھی نقاب کا حکم نہیں دیا گیا کہ عورتیں انہیں نہ دیکھ سکیں۔ پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مرد اور عورتوں کا حکم اس مسئلے میں مختلف ہے۔" (فتح الباری) (2)

---

(1) احیاء العلوم، امام غزالیؒ، کتاب النکاح، فصل سوم، آداب المعاشرت

(2) فتح الباری، ابن حجر عسقلانی، جلد ۹، ص ۳۳۷

پردے کے بارے میں علمائے اسلام کے اجماع کے متعلق عصرِ حاضر کے محقق حافظ محمد زبیر قمطراز ہیں:

"تواترِ عملی سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر دور میں مسلمان عورتیں نقاب پہن کر گھر سے باہر نکلتی تھیں، جیسا کہ آج کل کے دور میں بھی مذہبی گھرانوں سے تعلق رکھنے والی عورتیں اِس بات کا اہتمام کرتی ہیں۔ اِس کے برعکس جو لوگ اِس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ آج کل کے زمانے میں چونکہ اکثر عورتیں چہرے کا پردہ نہیں کرتیں لہٰذا تواترِ عملی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چہرے کا پردہ نہیں ہے، اُن کی خدمت میں ہماری مؤدبانہ گزارش یہی ہے کہ تواترِ عملی کے صرف دعووں سے تواترِ عملی ثابت نہیں ہوتا، سب سے پہلے وہ کسی نص صریح سے اتنا تو ثابت کردیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں عورتیں چہرے کا پردہ نہیں کرتی تھیں۔ جب ایک عمل کی ابتدا ہی ثابت نہ ہو تو انتہا کو دیکھتے ہوئے کیسے یہ حکم لگایا جاسکتا ہے کہ چہرے کا پردہ نہ کرنا تواترِ عملی سے ثابت ہے؟ اور آج کل کے بگڑے ہوئے اور بے عمل معاشروں سے تواترِ عملی کی دلیل پکڑنا اُس وقت تک صحیح نہیں ہے جب تک کہ رسول اللہ ﷺ سے لے کر آج کے دور تک ہر زمانے میں عملاً کسی مسئلے کو ثابت نہ کردیا جائے۔"(1)

پردے کے متعلق اسلامی حکم:

چہرے کے پردے کے سلسلے میں سب سے پہلے قرآنی آیات بیان کی گئیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان عورتوں کے لیئے چہرے کا پردہ واجب ہے۔ پھر اس باب میں گیارہ صحیح یا حسن احادیث بیان کی گئیں جو سورۃ النور اور سورۃ الاحزاب میں پردے سے متعلق قرآنی احکامات کی وضاحت کرتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حجاب کے بارے میں

---

(1) چہرے کا پردہ - واجب، مستحب یا بدعت؟ حافظ محمد زبیر، مکتبہ رحمۃ للعالمینؐ، مطبوعہ لاہور، طبع اول 2010ء

صحابیاتؓ کے طرزِ عمل پر روشنی ڈالتی ہیں کہ وہ کس طرح گھر سے باہر یا اجنبی مردوں کے سامنے پردہ کیا کرتی تھیں۔

پھر اقوال صحابہؓ وتابعینؒ کے علاوہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی مکتب فکر کے چوٹی کے علماء کے چہرے کے پردے کے متعلق فتوے بیان کئے گئے جس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ علمائے اہل سنت میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ عورت کے لیے اپنا چہرہ کھلا رکھنا واجب یا افضل ہے۔مذاہب اربعہ کے علماء کی اکثریت کا مذہب یہی ہے کہ چہرے کا پردہ کرنا شرعاً واجب ہے۔مزید برآں، علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اگر چہرے اور ہاتھوں میں زینت ہو تو ایسی صورت میں ان دونوں کا چھپانا بھی واجب ہے۔مثلاً چہرے پر میک اَپ (make-up) کیا ہو یا ہاتھوں میں سونا وغیرہ پہنا ہو۔علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کا ڈھانپنا فتنے کی صورت میں واجب ہوگا۔ المختصر یہ کہ بعض فقہاء کے نزدیک چہرے کا پردہ شرعاً واجب ہے اور بعض کے نزدیک سداً للذریعة (یعنی فتنے کے خوف سے) واجب ہے۔

☆☆☆☆☆☆

باب 7

چہرے کی بے پردگی کو جائز قرار دینے والوں کے شبہات اور اُنکے جوابات

کیونکہ مذاہب اربعہ فقہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی علماء کی بھاری اکثریت کا مذہب یہ ہے کہ چہرے کا پردہ کرنا واجب ہے۔ تاہم موجودہ دور میں جبکہ مسلمان ممالک کئی سالوں تک مغربی آقاؤں کی غلامی میں رہے، جس کی وجہ سے مسلم خواتین نے چہرے کا پردہ کرنا بالکل چھوڑ دیا، مسلمان ممالک کے اِسی بے پردہ ماحول کے نتیجے میں شیخ ناصر الدین البانی نے اپنی کتاب "حجاب المراۃ المسلمۃ" میں پورے شدومد کے ساتھ اپنا یہ مؤقف پیش کیا کہ چہرے کا پردہ مستحب ہے، واجب نہیں۔

آجکل کے ماڈرنسٹ حضرات اور نام نہاد محققین جو خواتین کے نامحرم مردوں کے سامنے چہرے کے پردے کے خلاف ہیں، وہ ایک تو شیخ ناصر الدین البانی کے فتوے کا آنکھیں بند کر کے حوالہ دیتے ہیں اور دوسرے وہ درج ذیل احادیث سے چہرے کی بے پردگی کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہم شیخ ناصر الدین البانی کی بہت عزت کرتے ہیں لیکن ہم اُن کے بارے میں وہی کہیں گے جو امام شافعیؒ نے اپنے محسن اور اُستاد امام مالکؒ کے متعلق کہا تھا:

أُحِبُّ مالِكاً وَلٰكِنْ مَحَبَّتِیْ لِلْحَقِّ اَكْثَرُ مِنْ مَحَبَّتِی لِمَالِكٍ

(مجھے امام مالک سے محبت ہے لیکن مجھے حق بات سے امام مالک سے بھی زیادہ محبت ہے)

ہمارا یہ ایمان ہے کہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے علاوہ ہر کسی سے خطا ہو سکتی ہے۔عربی کا محاورہ ہے:

لِكُلِّ عالِمٍ زَلَّة وَ لِكُلِّ صَارِمٍ هَفْوَة وَلِكُلِّ جَوَادٍ كَبْوَة

(ہر عالم سے غلطی ہو جاتی ہے اور بہترین تلوار بھی نشانے سے چوک جاتی ہے اور اعلیٰ ترین گھوڑا بھی کبھی نہ کبھی ٹھوکر کھا جاتا ہے۔)

ہاں البتہ مجتہد کو اسکی خطائے اجتہادی پر بھی ثواب ملتا ہے۔ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام کے کسی مسئلے پر اگر تحقیق کے چند علماء کا کسی مسئلے پر ایک فتویٰ ہے جبکہ علماء کی بھاری اکثریت کا فتویٰ اسکے برعکس ہے تو اعتبار علمائے سلف کی بھاری اکثریت کی رائے کا کیا جائے گا کیونکہ یہ تو ممکن ہے کہ تاریخ اسلام کے اکا دُکا علماء سے غلطی سرزد ہو جائے لیکن یہ ممکن نہیں کہ جس مسئلے کے بارے میں علمائے سلف کی بھاری اکثریت کا اجماع ہو، اُس میں اُن سے غلطی ہو کیونکہ اِس کی گارنٹی حضور ﷺ نے ہمیں دی ہے۔جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لا يَجْمَعُ اُمَّتِيْ عَلٰى ضَلاَلَةٍ وَيَدُ اللّٰهِ عَلٰى الْجَمَاعَةِ

(جامع ترمذی) (1)

دعویٰ نمبر 1 :

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الْفَضْلُ رَدِيْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَجَاءَ تِ امْرَاَةٌ مِنْ خَثْعَمَ فَجَعَلَ الْفَضْلُ يَنْظُرُ اِلَيْهَا وَتَنْظُرُ اِلَيْهِ فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْرِفُ وَجْهَ الْفَضْلِ اِلَى الشِّقِّ الْآخَرِ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ اَدْرَكَتْ اَبِيْ شَيْخًا

---

(1) جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب 7، حدیث 2167

كَبِيْرًا لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ أَفَأَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ : ((نَعَمْ)) وَذٰلِكَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ

(صحیح بخاری، کتاب الحج، باب حج المرأۃ عن الرجل)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت فضل بن عباسؓ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ سواری پر بیٹھے تھے تو ایک عورت جو قبیلہ خثعم سے تعلق رکھتی تھی، آئی۔ حضرت فضل بن عباسؓ اس عورت کو طرف دیکھنے لگے اور وہ انؓ کی طرف دیکھنے لگی۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت فضل بن عباسؓ کا چہرہ پکڑ کر اُس کا رُخ دوسری طرف پھیر دیا۔ اس عورت نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ میرے باپ پر بڑھاپے میں حج فرض ہوا ہے اور وہ سواری پر سیدھا بیٹھ بھی نہیں سکتا، کیا میں اس کی طرف سے حج کرلوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔ اور یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔''

منکرینِ حجاب اِس حدیث کو چہرے کی بے پردگی کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

جوابِ دعویٰ:

اِس حدیث سے چہرے کی بے پردگی کی دلیل دینا صحیح نہیں کیونکہ وہ عورت حالتِ احرام میں تھی اور احرام میں عورت کے بارے میں شرعی حکم یہی ہے کہ جب غیر محرموں میں سے اُسے کوئی دیکھ نہ رہا ہو تو چہرہ کھلا رکھے۔ یہ بھی امکان ہے کہ حضور ﷺ نے بعد میں اُسے چہرہ چھپانے کا حکم دے دیا ہو۔ کیونکہ راوی کا اس بات کو ذکر نہ کرنا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے اُس عورت کو چہرہ ڈھانپنے کا حکم نہیں دیا۔ کسی بات کے نقل نہ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ بات سرے سے ہوئی ہی نہیں۔

شیخ البانی نے اِس حدیث کی شرح کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ قبیلہ خثعم کی عورت حالتِ احرام میں نہ تھی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

قلت: كلا، فانه لا دليل على انها كانت محرمة، بل الظاهر خلافه

''میں (البانی) یہ کہتا ہوں کہ ہرگز ایسا نہیں ہے (جو کہ ابن حجر نے بیان کیا ہے)، کیونکہ

اِس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ وہ عورت حالت احرام میں تھی، بلکہ بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔" (1)

شیخ البانی کا یہ دعویٰ کہ وہ عورت حالت احرام میں نہیں تھی، ایک ایسا دعویٰ ہے جسکی کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ بہت سی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عورت دراصل حالت احرام میں تھی اور شیخ البانی کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ مثلاً درج ذیل احادیث ملاحظہ ہوں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ الْفَضْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّـهُ كَانَ رَدِيْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ غَدَاةَ النَّحْرِ فَاَتَتْهُ امْرَاَةٌ مِنْ خَثْعَمَ...... (سنن النسائی) (2)

"حضرت ابن عباسؓ (اپنے بھائی) حضرت فضل بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ قربانی کی صبح اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ سوار تھے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت آپ ﷺ کے پاس آئی............"

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ اَخِيْهِ الْفَضْلِ اَنَّهُ كَانَ رِدْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ غَدَاةَ النَّحْرِ فَاَتَتْهُ امْرَاَةٌ مِنْ خَثْعَمَ..... (سنن ابن ماجه) (3)

"حضرت ابن عباسؓ اپنے بھائی حضرت فضل بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ قربانی والے دن کی صبح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سوار تھے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت آپ ﷺ کے پاس آئی......"

---

(1) حجاب المرأة المسلمة، علامه البانی، ص ۲۹

(2) سنن النسائی، كتاب آداب القضاة، باب الحكم بالتشبيه و التمثيل وذكر الاختلاف على الوليد.

(3) سنن ابن ماجه، كتاب المناسكه باب الحج عن الحی اذا لم يستطع

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ امْرَاَۃً مِنْ خَثْعَمَ سَاَلَتِ النَّبِیَّ ﷺ غَدَاۃَ جَمْعٍ ....

(سنن النسائی) (1)

''حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے نبی اکرم ﷺ سے مزدلفہ کی صبح سوال کیا.................''

اوپر دی گئی احادیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت فضل بن عباسؓ والا واقعہ قربانی والے دن کی صبح کو مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جاتے ہوئے پیش آیا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ عورت حالت احرام میں تھی اور احرام میں عورت کے بارے میں شرعی حکم یہی ہے کہ جب غیر محرم میں سے کوئی اُسے دیکھ نہ رہا ہو تو وہ چہرہ کھلا رکھے۔ اس لیے شیخ البانی کا اس حدیث سے چہرے کے پردے کے نہ ہونے پر دلیل دینا صحیح نہیں۔

مزید برآں، شیخ البانی نے ابن حزم سے موافقت اختیار کرتے ہوئے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ اس عورت کے لیے حالت احرام میں اپنا چہرہ ڈھانپنا جائز تھا، لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو چہرہ ڈھانپنے کا حکم نہ دیا بلکہ حضرت فضل ابن عباسؓ کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا، اور آپ ﷺ کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کے لیے چہرے کا پردہ واجب نہیں ہے۔

شیخ البانی کے اس دعوے کے جواب میں حافظ محمد زبیر صاحب لکھتے ہیں:

''استدلال کا جو انداز علامہ البانی نے ابن حزم کے حوالے سے اختیار کیا ہے، یہ استدلال کا کوئی معروف طریقہ نہیں ہے۔ بات واضح ہے کہ اس عورت کے لیے جس طرح چہرے کو حالت احرام میں ڈھانپنا جائز تھا، اُسی طرح کھلا رکھنا بھی مشروع تھا۔ اب رسول اللہ ﷺ نے فتنے کے اندیشے کے پیش نظر حضرت فضل بن عباسؓ کے چہرے کو پکڑ کر دوسری طرف کر دیا اور اس عورت کو

---

(1) سنن النسائی، کتاب مناسک الحج، باب الحج عن الحی الذی لا یستمسک علی الرجل.

پردے کا حکم نہ دیا، اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے چہرے کا پردہ واجب نہیں ہے؟ اصل مقصد اُس وقت پیدا ہونے والے فتنے کو ختم کرنا تھا۔ اس کا ایک طریقہ کار تو یہ تھا کہ آپ اُس عورت کو حکم دیتے اور وہ اپنے چہرے پر اپنی چادر لٹکا لیتی۔ دوسرا طریقہ کار یہ تھا کہ آپ ﷺ حضرت فضل بن عباسؓ کو غض بصر کا حکم دیتے اور آپ ﷺ نے دوسرے طریقے کو اختیار فرمایا.................

علاوہ ازیں اللہ کے رسول ﷺ کا حضرت فضلؓ کے چہرے کا رخ موڑنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ چہرے کا پردہ ہے، کیونکہ چہرہ نسوانی حسن کا مرکز اور محل فتنہ ہے اور صنفی آوارگی کے اسباب و ذرائع میں سے ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کا حضرت فضلؓ کے چہرے کو دوسری طرف پھیرنے سے ہی یہ ثابت ہو رہا ہے کہ چہرہ ڈھانپنا ضروری ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فتنے کے اندیشے سے ان کے چہرے کا رُخ دوسری طرف کیا تو ہم ان کے جواب میں یہی کہیں گے کہ ہم تو شروع سے ہی یہ بات کہہ رہے ہیں کہ چہرہ محل فتنہ ہے، اس وجہ سے اُس کا پردہ واجب ہے۔" (1)

دعویٰ نمبر 2 :

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الصَّلَاةَ يَوْمَ الْعِيْدِ فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَلَا اِقَامَةٍ ثُمَّ قَامَ مُتَوَكِّئًا عَلٰى بِلَالٍ فَاَمَرَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَحَثَّ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ ثُمَّ مَضٰى حَتّٰى اَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ فَقَالَ تَصَدَّقْنَ فَاِنَّ اَكْثَرَكُنَّ حَطَبُ جَهَنَّمَ فَقَامَتِ امْرَاَةٌ مِنْ سِطَةِ النِّسَاءِ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ فَقَالَتْ لِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((لِاَنَّكُنَّ تُكْثِرْنَ

---

(1) چہرے کا پردہ – واجب، مستحب یا بدعت؟ حافظ محمد زبیر، مکتبہ رحمۃللعالمینؐ، مطبوعہ لاہور، طبع اول 2010ء

الشَّكَاةَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ)) قَالَ فَجَعَلْنَ يَتَصَدَّقْنَ مِنْ حُلِيِّهِنَّ يُلْقِينَ فِي ثَوْبِ بِلاَلٍ مِنْ أَقْرِطَتِهِنَّ وَخَوَاتِمِهِنَّ. (صحیح المسلم، کتاب صلاۃ العیدین۔)

"حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نماز عید میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، تو آپ ﷺ نے خطبہ سے پہلے نماز کو بغیر اذان و اقامت کے شروع کیا، پھر آپ ﷺ حضرت بلال ؓ کا سہارا لے کر کھڑے ہوگئے۔ آپ ﷺ نے اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا اور اس کی اطاعت کی ترغیب دلائی۔ اور لوگوں کو وعظ اور نصیحت کی پھر آپ ﷺ عورتوں کے پاس آئے اور فرمایا کہ تم صدقہ کیا کرو کیونکہ تم میں سے اکثر جہنم کا ایندھن ہیں۔ عورتوں میں سے ایک عورت کھڑی ہوگئی جو پچکے رخساروں والی تھی۔ اس نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ایسا کیوں ہوگا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا اس وجہ سے ہوگا کہ تم بہت زیادہ شکایت اور ناشکری کرتی ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) وہ عورتیں اپنے زیورات میں سے کانوں کی بالیاں اور ہاتھوں کی انگوٹھیاں اتار اتار کر حضرت بلال کے کپڑوں میں ڈالنے لگیں"۔

(صحیح المسلم، کتاب صلاۃ العیدین۔)

اس حدیث کو بھی چہرے کی بے پردگی کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

جوابِ دعویٰ :

اس حدیث میں "سفعاء الخدین" کے الفاظ سے منکرین حجاب یہ دلیل نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اُس عورت کا چہرہ دکھلا تھا اور حضور ﷺ نے اسے چہرہ ڈھانپنے کا حکم نہ دیا، بہت سے دلائل احادیث میں ایسے موجود ہیں جن کے مطابق منکرین حجاب کی یہ دلیل غلط ثابت ہوتی ہے مثلاً:

1۔ بعض احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس عورت نے حضور ﷺ سے سوال کیا تھا۔ اس

کے چہرے سے چادر وقتی طور پر سرک گئی تھی۔یہی وجہ ہے حضرت جابر بن عبداللہ واحد صحابیؓ ہیں جنہوں نے اُس عورت کے چہرے کے بارے میں بیان کیا۔جبکہ بہت سے اور صحابہؓ نے یہ روایت بیان کی ہے جس میں عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابو ہریرہ شامل ہیں لیکن انہوں نے اُس عورت کے چہرے کے بارے میں کچھ بیان نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے۔

فَقَالَتِ امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ لَمْ يُجِبْهُ غَيْرُهَا: نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ. لَايَدْرِیْ الْحَسَنُ مَنْ هِيَ. (صحیح بخاری) (1)

ایک عورت نے آپ ♋ کو جواب دیا اور کسی نے جواب نہ دیا۔اس نے کہا "ہاں اے اللہ کے رسول ♋" اور حسن کو یہ معلوم نہیں کہ وہ عورت کون تھی ۔(صحیح بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر ♍ کی روایت کے الفاظ ہیں:

فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ جَزْلَةٌ: وَمَالَنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟

(سنن ابن ماجه) (2)

تو اُن میں سے ایک رائے رکھنے والی عورت نے کہا اے اللہ کے رسول ♋ ہمارے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوگا؟(سنن ابن ماجہ)

مذکورہ بالا روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ "سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ " کے الفاظ نقل کرنے میں حضرت جابر ♍ منفرد ہیں اور باقی صحابہ کرامؓ جب اس حدیث کو نقل کرتے ہیں تو صرف عورت کا ذکر کرتے ہیں جب کہ اس کی صفت "سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ" کا ذکر نہیں کرتے۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس عورت کے چہرے سے کپڑا کھسک گیا تھا اور اس دوران

---

(1) صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن باب اذا جاء ک المومنات یبا یعنک

(2) سنن ابن ماجه، کتاب الفتن باب فتنة النساء

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نظر اس عورت پر پڑی اور انہوں نے اس عورت کی نشاندہی کے لیے اس کی یہ صفت بھی بیان کر دی۔

مزید برآں، اِس بات کا بھی احتمال موجود ہے کہ جس عورت نے حضور ﷺ سے سوال کیا تھا، وہ بوڑھی تھی کیونکہ ''سفاء الخدین'' (پچکے رخساروں والی) کے الفاظ عربی زبان میں اس عورت کے لیے بولا جاتا ہے جس نے ساری عمر سخت مشقت میں گزاری ہو جس وجہ سے بڑی عمر میں اُس کے رخسار پچک گئے ہوں۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا:

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اَنَا وَامْرَاَةٌ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ كَهَاتَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ —— وَاَوْمَاَ يَزِيْدُ بِالْوُسْطٰى وَالسَّبَّابَةِ —— امْرَاَةٌ آمَتْ مِنْ زَوْجِهَا ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ حَبَسَتْ نَفْسَهَا عَلٰى يَتَامَاهَا حَتّٰى بَانُوْا اَوْ مَاتُوْا)) (سنن ابی داؤد) (1)

حضرت عوف بن مالک الاشجعیؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ ''میں اور پچکے گالوں والی عورت قیامت کے دن اِن دو انگلیوں کی طرح ہوں گے اور یزید (راوی) نے درمیانی اور شہادت والی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔ یہ وہ حسب نسب والی خوبصورت عورت ہے جس کا خاوند فوت ہو گیا اور اُس نے اپنے بچوں کی خاطر اپنے آپ کو (نئی شادی) سے روک کے رکھا یہاں تک کہ اولاد بڑی ہو گئی یا وہ عورت مر گئی۔ (سنن ابی داؤد)

علاوہ بریں، بعض محدثین کے مطابق یہ واقعہ آیۂ حجاب کے نزول سے پہلے کا ہے کیونکہ سورۃ الاحزاب (جس میں پردہ کے احکام ہیں) 5ھ یا 6ھ میں نازل ہوئی اور نمازِ عید 2ھ سے شروع چلی آتی ہے۔

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی فضل من عال یتیما

دعویٰ نمبر 3 :

حدثنا یعقوب بن کعب الانطاکی ومؤمّل بن الفضل الحرّانی قالا حدثنا الولید عن سعید بن بشیر عن قتادة عن خالد قال یعقوب بن دریک عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ اَبِیْ بَکْرٍ دَخَلَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَیْهَا ثِیَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ: ((یَا اَسْمَاءُ اِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِیْضَ لَمْ تَصْلُحْ اَنْ یُرٰی مِنْهَا اِلاَّ هٰذَا وَهٰذَا)) وَاَشَارَ اِلٰی وَجْهِهٖ وَکَفَّیْهِ

(سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب فیما تبدی المرأة من زینتها)

''حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اورانہوں نے باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے اعراض کرتے ہوئے فرمایا: ''اے اسماء! جب عورت جوان ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اُس کے جسم کے اعضاء میں سوائے اِس کے اور اِس کے کچھ نظر آئیں۔'' اور آپ ﷺ نے اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔'' (سنن ابی داوٗد)

منکرینِ حجاب اِس حدیث کو بھی چہرے کی بے پردگی کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

جوابِ دعویٰ :

شیخ البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے حالانکہ یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔اس روایت پر جرح کرتے ہوئے شیخ محمد صالح العثیمینؒ لکھتے ہیں:

''حضرت عائشہؓ سے مروی حدیث دو وجوہ کی بناء پر ضعیف ہے۔

(1) خالد بن دریک نے جس راوی کے واسطہ سے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے، اُس کا ذکر نہیں کیا ہے لہٰذا سند منقطع ہے جیسا کہ خود امام ابوداوٗد نے اس کی نشاندہی کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ خالد بن دریک نے حضرت عائشہؓ سے براہِ راست نہیں سُنا۔اس حدیث کے ضعیف ہونے

کی یہی وجہ ابو حاتم رازی نے بھی بیان کی ہے۔

(2) اس حدیث کی سند میں سعید بن بشیر البصری نزیل دمشق نامی راوی ہے۔ ابن المہدی نے اسے ناقابلِ اعتماد سمجھ کر ترک کیا۔ امام محمد، ابن معین، ابن مدینی اور نسائی رحمہم اللہ جیسے اساطین علم حدیث نے اُسے ضعیف قرار دیا لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔"

اس پر مستزاد یہ کہ ہجرت کے وقت حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کی عمر 27 سال تھی، وہ کوئی چھوٹی بچی یا کم عمر لڑکی نہ تھیں۔ یہ ناممکن ہے کہ اس بڑی عمر میں وہ حضور ﷺ کے سامنے ایسے کپڑے پہن کر جائیں جن سے اُن کے ہاتھوں اور چہرے کے علاوہ بدن کے اوصاف ظاہر ہو رہے ہوں۔ لہٰذا اس ضعیف حدیث سے استدلال صحیح نہیں۔

کیا چہرے کے پردے کا حکم صرف ازواج مطہراتؓ کے لیئے تھا؟

اعتراض: جناب! چہرے کے پردے کا حکم صرف حضور ﷺ کی بیویوں کے لیے تھا۔ عام عورتوں کے لیے نہیں تھا۔ اس لیے عام مسلمان خواتین کھلے چہروں کے ساتھ گھر سے باہر گھوم پھر سکتی ہیں۔

جواب اعتراض: اِس کتاب میں ہم نے قرآن و حدیث، آثار صحابہؓ اور تابعین اور علمائے سلف کے فتاوٰی کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ:

چہرے کا پردہ تمام مؤمن عورتوں کے لیے لازم ہے۔ یہ حکم صرف ازواج مطہراتؓ کے لیے خاص نہیں ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے یہاں پر صرف دو احادیث دوبارہ بیان کی جاتی ہیں جو مسئلے کو واضح کرتی ہیں۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

---

(1) پردہ، شیخ العثیمین، مطبوعہ الریاض

كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مُحْرِمَاتٌ فَاِذَا حَاذَوْا بِنَا سَدَلَتْ اِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا فَاِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَاهُ۔ (ابوداؤد) (1)

"ہمارے پاس سے قافلے گزرتے تھے اور ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ حالت احرام میں ہوتیں، پس جب وہ ہمارے پاس سے گزرتے تو ہم سے کوئی ایک اپنی چادر اوراپنے سر سے اپنے چہرے پر لٹکا لیتی پس جب وہ ہمارے پاس سے گزر جاتے تو ہم اسکو کھول دیتیں۔"

اسی طرح حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے مروی ہے،اور یہ روایت حجاب کے حکم کے عموم کے بارے میں نص قطعی ہے:

كنا نغطى وجوهنا من الرجال وكنا نمتشط قبل ذلك فى الاحرام. (المستدرك على الصحيحين) (2)

"ہم مردوں سے اپنے چہروں کو ڈھانپتی تھیں اور ہم حالت احرام میں کنگھی بھی کرلیا کرتی تھیں۔"

یہ روایت صحیح ہے اور امام حاکم نے اس حدیث کو شیخین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت اختیار کی ہے۔

ابوداؤد، كتاب المناسك، باب فى المحرمة تغطى وجهها. مسند احمد، كتاب باقى مسند الانصار، باب حديث السيدة عائشة - المستدرك على الصحيحين، امام حاكم، جلد ١، ص ٤٠٤

المستدرك على الصحيحين، امام حاكم، جلد ١، ص ٤٥٤

شیخ ناصر الدین البانی کی وہ باتیں جو ماڈرنسٹ حضرات عوام سے چھپاتے ہیں :

حقیقت یہ ہے کہ عصر حاضر میں جتنے بھی منکرین حجاب اور مغرب زدہ مسلم محققین (Modernists) کام کر رہے ہیں اُن سب نے شیخ ناصر الدین البانی کے عورتوں کا چہرہ کھلا رکھنے کے متعلق دلائل کو ہی آنکھیں بند کر کے آگے پیش کر دیا۔ ہم نے ان میں سے چند دلائل کا جواب اِس کتاب میں پیش کر دیا ہے۔ یہاں ہم شیخ ناصر الدین کے چند دوسرے بیانات اور فتوے پیش کرتے ہیں، جنہیں ماڈرنسٹ حضرات لوگوں سے چھپاتے ہیں۔

آج کل کے دور میں مسلم خواتین میں پینٹس (Pants) پہننے کا جو رواج عام ہوتا جا رہا ہے بالخصوص عرب ممالک مثلاً اُردن، لبنان، مصر وغیرہ میں اور پاکستان میں پینٹ پائجامہ کی صورت میں اُس کا ظہور ہوا ہے، اُس کے متعلق شیخ ناصر البانیؒ فرماتے ہیں:

"آجکل کے دور میں مسلمان خواتین جو پینٹیں (Pants) پہنتی ہیں، اُن میں رانوں اور دیگر حصوں کے نشیب و فراز اور جسم کے اُبھار ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی اُس سے بھی زیادہ۔ کون کہتا ہے کہ ایسا لباس خواتین کے لیے پہننا جائز ہے؟ کوئی مسلمان کبھی یہ نہیں کہہ سکتا۔ پس جب ایک عورت ایسا لباس زیب تن کرتی ہے تو وہ اپنے ستر کو ظاہر کرتی ہے۔ عورت کی رانیں (Thighs) اُس کے ستر میں داخل ہیں، اِس لیے اگر چُست لباس کی وجہ سے (مثلاً Tight pants) رانوں کی بناوٹ جھلکے گی تو اُس کی وجہ سے شاید جسم کے اُس حصے کو عریاں کر دینے سے بھی زیادہ وہ باعث کشش ثابت ہو۔ مثلاً ایک عورت کی رنگت دلکش نہ ہو لیکن اسکے چست کپڑوں کا رنگ خوبصورت ہو تو یہ چیز باعث کشش بن سکتی ہے۔ پس یہ فتنے کے اوپر مزید فتنہ ہے۔" (1)

---

(1) شیخ ناصر الدین البانی کی عربی تقریر "عورة المرأة المسلمه"

اسی طرح شیخ ناصر الدین البانی نے اپنی کتاب "حجاب المرأة المسلمة" میں جہاں چہرے کے کھلے رکھنے کے حق میں دلائل دیئے ہیں (جو نہایت کمزور ہیں) اُسی کتاب میں ایک عالم ہونے کی حیثیت سے ایسی حق باتیں بھی کی ہیں جن کا حوالہ دیتے ہوئے ماڈرنسٹ حضرات گھبراتے ہیں۔ شیخ البانی کی اُس کتاب سے مغرب زدہ مسلمان محققین صرف اپنے مطلب کی باتیں لیتے ہیں۔

اپنی اِس کتاب میں شیخ البانی ایک جگہ لکھتے ہیں:

نلفت نظر النساء المئومنات الی ان کشف الوجه وان کان جائزا فستره افضل۔ (1)

"ہم عورتوں کو اس بات کی توجہ دلاتے ہیں کہ چہرہ کھلا رکھنے کا اگرچہ جواز ہے لیکن اس کا ڈھانپنا افضل ہے۔"

اِسی طرح اپنی کتاب میں دوسری جگہ وہ لکھتے ہیں:

فبینا ما یجب علی المرأة وما یحسن بها، من التزم الواجب فبها ونعمت، ومن اخذ بالا حسن فهو افضل وهذا هو الذی التزمته عملیا مع زوجی، وارجو الله تعالی ان یوفقنی لمثله مع بناتی حین یبلغن۔ (2)

"پس ہم نے اچھی طرح سے واضح کر دیا ہے کہ عورت کے لیے کیا واجب ہے اور کیا مستحسن ہے۔ جس نے واجب کو مضبوطی سے پکڑا تو وہ اس کو کفایت کرے گا اور وہ بہتر ہے، اور جس نے احسن کو پکڑا تو وہ افضل ہے۔ اور یہ (چہرے کا پردہ) وہی ہے، جس کا التزام میں نے ازدواجی زندگی میں اپنی بیوی کے ساتھ کیا ہے اور میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ وہ مجھے اِسی بات (چہرے کے

---

(1) حجاب المرأة المسلمة، علامہ ناصر الدین الالبانی

(2) ایضاً

پردے) کی اپنی بیٹیوں کے بارے میں بھی توفیق دے جب وہ جوان ہوجائیں۔"

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

فمن حجب ذلک ای الوجہ والکفین ایضا منھن، فذلک ما نستحبہ و ندعوالیہ۔ (حجاب المرأۃ المسلمۃ، علامہ البانی)

"جس نے ان دونوں یعنی چہرے اور ہاتھوں کو ڈھانپا تو اسی بات کو ہم مستحب سمجھتے ہیں اور اسی کی دعوت دیتے ہیں۔"

یہاں سے ناظرین اندازہ لگائیں کہ شیخ ناصرالدین البانیؒ خود مسلمان خواتین کو اِس بات کی دعوت دے رہے ہیں کہ وہ اپنے چہرے کو نامحرم مردوں سے چھپائیں۔

عمرے اور حج میں عورت کا پردہ :

اعتراض: چہرے کا پردہ کرنا ضروری نہیں۔ آخر حج یا عمرے کے موقع پر خواتین اپنے چہرے کھلے رکھتی ہیں۔ اس لیے اسلام میں چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت ہے۔

جواب اعتراض:

عجیب بات ہے کہ بعض خواتین حج کے موقع پر نامحرم مردوں سے تو پردہ نہیں کرتیں اور یہ کہہ کر جان چھڑاتی ہیں کہ حج یا عمرے کے موقع پر خواتین کو اپنا چہرہ کھلا رکھنے کا حکم ہے لیکن جب انھیں گردوغبار یا بسوں ٹرکوں کا ڈیزل والا دھواں نظر آتا ہے تو اُن خواتین کو وہی "چہرہ کھلا رکھنے کا حکم" بھول جاتا ہے اور وہ فوراً اپنے چہرے کو چادر یا ماسک سے چھپالیتی ہیں حالانکہ

نامحرم مردوں کی نگاہوں میں صرف گردوغبار یا بسوں ٹرکوں کے ڈیزل والے دھوئیں سے زیادہ بڑا فتنہ پوشیدہ ہے۔ بہرحال اصل بات یہ ہے کہ حج اور عمرے میں عورت کے چہرے کے پردے کی نوعیت مختلف ہوتی ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے واضح ہوتا ہے۔

عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مُحْرِمَاتٌ فَاِذَا حَاذَوْا بِنَا سَدَلَتْ اِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا فَاِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَاهُ۔ (سنن ابی داؤد) (1)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ قافلے ہمارے پاس سے گزرتے تھے اور ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ حالتِ احرام میں ہوتی تھیں، پس جب وہ ہمارے پاس سے گزرتے تو ہم اپنے جلباب اپنے سر سے اپنے چہرے پر لٹکا لیتی تھیں اور جب وہ قافلے آگے گزر جاتے تو ہم اپنے چہرے کو کھول دیتی تھیں۔" (سنن ابی داؤد)

موطا امام مالک میں ہے:

"عن فاطمه بنت المنذر كنا نخمر وجوهنا و نحن محرمات ونحن مع اسماء بنت ابى بكر الصديق فلا تنكره علينا۔ (موطا امام مالک) (2)

---

(1) سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب فی المحرمة تغطی وجهها۔ یہ روایت حسن ہے اور علامہ البانی نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے۔(حجاب المرأة المسلمة علامہ البانی ص ۵۸)

(2) موطا امام مالک کتاب الحج، باب وانما يعمل الرجل مادام حيا فاذا مات فقد انقضى۔

"فاطمہ بنت منذر کا بیان ہے کہ ہم حالت احرام میں اپنے چہروں پر کپڑا ڈال لیا کرتی تھیں۔ ہمارے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کی صاحب زادی حضرت اسماءؓ بھی تھیں۔ انہوں نے ہم کو اس سے منع نہیں کیا (یعنی انہوں نے یہ نہیں کہا کہ احرام کی حالت میں نقاب استعمال کرنے کی جو ممانعت ہے، اس کا اطلاق ہمارے اس فعل پر ہوتا ہے۔" (موطا امام مالک)

اسی طرح فتح الباریؒ کتاب الحج میں حضرت عائشہؓ کی ایک روایت ہے:

تستدل المرأة جِلبَابها من فوق رأسها علٰی وجهها.

(فتح الباریؒ۔ کتاب الحج)

"عورت حالت احرام میں اپنی چادر اپنے سر پر سے چہرے پر لٹکا لیا کرے۔"

اسماعیل بن ابی خالد اپنی والدہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

كنـا ندخل علی اُم المؤمنین یوم التروية فقلت لها یا اُم المـؤمـنیـن هـنـا امرأة تأبی ان تغطی وجهها وهی محرمة فرفعت عائشة خمارها من صدرها فغطت به وجهها.(1)

"ہم (خواتین) ۸ ذی الحجہ کو اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس آتی تھیں تو میں نے کہا اے اُمّ المؤمنین! یہاں ایک عورت ہے جو کہ اس بات سے انکاری ہے کہ حالتِ احرام میں اپنا چہرہ ڈھانپے تو حضرت عائشہؓ نے اس کی چادر اس کے سینے سے اٹھائی اور اس کے ساتھ اس کے چہرے کو ڈھانپ دیا"۔ (التلخيص الحبير)

عمرے اور حج کے دوران عورتوں کے پردے کی کیفیت کیا ہونی چاہیے؟ اس بارے میں مزید تشریح علمائے اسلام نے اپنی کتابوں میں کی ہے:

التلخيص الحبير' ابن حجر عسقلانی' جلد ۲' ص ۲۷۲ المدینة المنورة۔

1) امام شافعی حالت احرام میں عورت کے چہرے کے پردے کے بارے میں لکھتے ہیں:

ویکون للمرأۃ اذا کانت بارزۃ ترید استر من الناس تدلی جلبا بھا او بعض خمارھا او غیر ذلک من ثیا بھا من فوق رأسھا وتجافیہ عن وجھھا حتی تغطی وجھھا متجافیا کالستر علی وجھھا ولا یکون لھا ان تنتقب اخبر نا سعید بن سالم عن ابن جریج بن عطاء عن ابن عباس قال تدلی علیھا من جلبا بھا ولا تجرب بہ......... اخبرنا سعید بن سالم عن ابن جریج عن ابن طائو عن ابیہ قال تسدل المرأۃ المحرمۃ ثوبھا علی وجھھا ولا تنتقب۔ (کتاب الام) (1)

"اور جب عورت (حالت احرام میں) باہر ہوگی اور لوگوں سے پردہ کرنا چاہے گی تو اپنی چادر یا اس کا بعض حصہ یا اس کے علاوہ اپنے کپڑوں کا کوئی حصہ اپنے سر پر ڈال دے گی اور اسے اپنے چہرے سے الگ رکھے گی اور اپنے چہرے کو اس طرح ڈھانپے گی کہ کپڑا جسم سے الگ رہے۔جیسا کہ چہرے کے آگے کوئی پردہ ڈال دیا جائے اور اس کے لیے نقاب کرنا جائز نہیں ہے۔(اس کے بعد اس مؤقف کے ثبوت کے لیے امام شافعی نے دو روایات بیان کی ہیں) ہمیں سعید بن سالم نے خبر دی، وہ ابن جریج سے، وہ عطاء سے، وہ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ عورت اپنے اوپر اپنی چادر کو لٹکالے گی اور اس کو لپیٹے گی نہیں.........ہمیں سعید بن سالم نے خبر دی، وہ ابن جریج سے، وہ ابن طاؤس سے اور وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا حالت احرام میں عورت اپنے کپڑے کو اپنے چہرے پر لٹکائے گی اور نقاب نہیں پہنے گی۔" (کتاب الام)

2) ابن حجر عسقلانی شرح بخاری میں ابن المنذر کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

اجمعو اعلی ان المرأۃ تلبس المخیط کلہ والخفاف، وان لھا ان تغطی رأسھا، وتستر شعر ھا الا وجھھا فتسدل علیہ الثوب سدلا خفیفا تستر بہ عن

(1) کتاب الام، امام شافعی، جلد ۲، ص ۱۲۷، دار الشعب

نظر الرجال . (فتح البارى) (1)

"اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورت (حالت احرام میں) تمام کپڑے سلے ہوئے پہنے گی اور موزے بھی پہنے گی اور سر کو ڈھانپے گی اور بالوں کو چھپائے گی سوائے چہرے کے، چہرے پر ہلکا سا کپڑا لٹکائے گی تاکہ مردوں کی نظروں سے اس کے ذریعے بچ سکے۔"

3) ابن قدامہ حنبلی حالت احرام میں عورت کے پردے کے بارے میں لکھتے ہیں:

فاما اذا احتاجت ستر وجهها لمرور الرجال قريبا منها فانها تسدل الثوب من فوق رأسها على وجهها ولا نعلم فيه خلافا. (المغنى) (2)

"پس جب عورت مردوں کے قریب سے گزرنے کی وجہ سے اپنے چہرے کو چھپانے کی ضرورت محسوس کرے گی تو اپنے سر سے کپڑا اپنے چہرے پر لٹکائے گی اور ہمارے علم کی حد تک اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔"

4) موطا امام مالک میں حضرت فاطمہ بنت المنذر کی احرام کی حالت میں چہرہ چھپانے والی حدیث کی شرح میں مشہور مالکی عالم امام زرقانیؒ فرماتے ہیں:

لانه يجوز للمرأة المحرمة ستر وجهها بقصد الستر عن أعين الناس بل يجب ان علمت أو ظنت الفتنة بها أو ينظر لها بقصد اللذة (شرح موطا امام مالک) (3)

---

(1) فتح البارى، ابن حجر، جلد۳، ص ۴۰۶

(2) المغنى، ابن قدامه جلد۳، ص ۳۰۵

(3) شرح موطا امام مالک، ابوعبدالله محمد بن عبدالباقى بن يوسف الزرقانى، جلد۳ ص ۲۱، مصطفى البابى الحلبى مصر.

"حالت احرام میں عورت کے لیے اپنے چہرے کو چھپانا جائز ہے تاکہ وہ اپنے آپ کو لوگوں کی آنکھوں سے بچا سکے۔ اگر اسے فتنے کا علم یا گمان ہو یا شہوت کی وجہ سے اس کی طرف دیکھے جانے کا گمان ہو تو اس پر چہرے کا پردہ واجب ہو جاتا ہے"۔(شرح موطا امام مالک)

5) حج اور عمرے میں عورت کے چہرے کے متعلق عصر حاضر کے مشہور عالم اسلام شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ بیان کرتے ہیں:

"حالت احرام میں عورت کا اجنبی غیر محرم مردوں سے سامنا ہو رہا ہو تو پھر عورت کے لئے اپنے چہرے کو اوڑھنی یا کسی اور چیز سے چھپانا ویسے ہی واجب ہوگا جیسا کہ غیر حالت احرام میں چھپانا واجب ہے۔" (1)

6) صحیح بخاری کی حالت احرام میں نقاب اور دستانے پہننے کی ممانعت سے متعلق حدیث کی شرح میں سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

"اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اس عہد مبارک میں چہروں کو چھپانے کے لئے نقاب اور ہاتھوں کے چھپانے کے لئے دستانوں کا عام رواج ہو چکا تھا۔ صرف احرام کی حالت میں اس سے منع کیا گیا۔ مگر اس سے بھی یہ مقصد نہ تھا کہ حج میں چہرے منظر عام پر پیش کئے جائیں، بلکہ دراصل مقصد یہ تھا کہ احرام کی فقیرانہ وضع میں نقاب عورت کے لباس کا جزو نہ ہو، جس طرح عام طور پر ہوتا ہے۔ چنانچہ دوسری احادیث میں تصریح کی گئی ہے کہ حالت احرام میں بھی ازواج مطہراتؓ اور عام خواتینِ اسلام نقاب کے بغیر اپنے چہروں کو اجانب سے چھپاتی تھیں۔" (2)

(1) دلیل الحاج و المعتمر و زائر مسجد الرسول ﷺ از الشیخ محمد بن صالح العثیمینؒ، 1431ھ، مطبوعہ الریاض

(2) پردہ، مطبوعہ لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، 1990ء

7) احرام کی حالت میں پردے کے حوالے سے ڈاکٹر اسماعیل میمن مدنی اپنی کتاب ''حجاب'' میں لکھتے ہیں:

''شریعت میں پردہ کا اس قدر اہتمام ہے کہ خود حالت احرام میں بھی اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ بہت سے لوگ لاعلمی کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ احرام کی حالت میں پردہ ضروری نہیں ہے کیونکہ احرام کی حالت میں کپڑے وغیرہ کا چہرے پر لگنا جائز نہیں ہے۔ مگر یہ خیال ان کی لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ احرام کی حالت میں بھی پردہ ضروری ہے۔ البتہ اس کا طریقہ ذرا مختلف ہے مثلاً یہ کہ چہرہ چھپانے کے لئے پنکھا یا چھجہ دار ٹوپی سر پر رکھ کر اس کے اوپر سے نقاب ڈال لی جائے۔ جیسا کہ بہت سی عورتیں کرتی ہیں۔ ازواج مطہراتؓ بھی اپنی جلباب یعنی چادر سے غیر محرم مردوں سے اپنے چہرہ کو احرام کی حالت میں چھپا لیا کرتی تھیں۔

ایک حدیث میں حضرت فاطمہ بنت منذر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم حالت احرام میں اپنے چہروں پر کپڑے ڈال لیا کرتی تھیں۔ ہمارے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بھی تھیں انہوں نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا۔ (مؤطا امام مالک) یعنی انہوں نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ حالت احرام میں نقاب استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔ اور تم جو یہ نقاب ڈالے ہوئے ہو یہ ناجائز ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عورت کو چاہئے کہ حالت احرام میں اپنی چادر اپنے سر پر سے اپنے چہرے پر لٹکا لیا کرے۔ (فتح الباری کتاب الحج) (1)

---

(1) حجاب، پردے کے شرعی احکام، از قلم ڈاکٹر محمد اسماعیل میمن مدنی، اسلامک بک سروس، دھلی۔ 2001

8) سنن ابو داؤد کی حضرت عائشہ ؓ کی سفرِ حج میں پردے کی حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ اپنی کتاب ''شرعی پردہ'' میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ سفرِ حج میں بھی پردے کا اہتمام لازم ہے۔عورت جب حج کا احرام باندھ لے تو احرام کھولنے تک چہرے پر کپڑا لگانا منع ہے۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ چہرہ کھولے ہوئے حاجیوں کے سامنے پھرتی رہیں۔ایسی صورت اختیار کرنا ضروری ہے کہ چہرے پر کپڑا بھی نہ لگے،اور نامحرموں سے پردہ بھی ہو جائے۔جس طرح حضرت عائشہ ؓ نے اپنے سفرِ حج کا واقعہ بیان فرمایا جو حدیث بالا میں مذکور ہے۔اس واقعہ سے ان مغرب زدہ مجتہدین کے قول کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ نامحرموں کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے۔اسی لئے وہ نقاب والا برقع اپنی عورتوں کو نہیں اڑھاتے ہیں۔اگر نامحرموں سے چہرہ چھپانا لازم نہ ہوتا تو حضرت عائشہ ؓ اور دیگر صحابی عورتیںؓ حاجی لوگوں سے چہرہ چھپانے کا کیوں اہتمام کرتیں؟

آج کل حاجی لوگ آپس میں عرفاتی بھائی بن جاتے ہیں،اور حاجی جن آپس میں عرفاتی بھائی بہن کہلانے لگتے ہیں،اور جب بھائی بہن بن گئے تو پورے سفرِ حج میں جنہیں نامحرم حاجیوں کے سامنے بلا تکلف بے پردہ ہو کر آتی جاتی اور اٹھتی بیٹھتی ہیں۔

حدیث سے معلوم ہوا کہ بے پردگی سفرِ حج میں بھی ممنوع ہے،اور اس کے بعد بھی ممنوع ہے۔نامحرم بہرحال نامحرم ہے۔'' (1)

کیا پردے کا مسئلہ ایک اختلافی مسئلہ ہے؟

اعتراض: اسلام میں خواتین کے پردے کا مسئلہ دراصل ایک اختلافی مسئلہ ہے،اس لیے اسلام میں خواتین کے لیے بے پردگی کی گنجائش ہے۔

جوابِ اعتراض: دراصل یہ ماڈرنسٹ اور روشن خیال اسلامی مفکروں کا پرانا طریقہ

(1) شرعی پردہ، مولانا عاشق الٰہی مہاجر مدنی، صدیقیہ دار الکتب ملتان 2001ء

واردات ہے کہ جس مسئلے میں اپنی مرضی کرنی ہو اُس کو ایک اختلافی مسئلہ قرار دے دیتے ہیں۔ پھر اس کے بعد ''حلوائی جی کی دکان اور نانا جی کی فاتحہ'' کے مصداق مذہب اسلام کے احکامات میں سے اپنی مرضی سے جو احکامات پسند ہیں، وہ لے لیے اور باقی ردی کی ٹوکری میں یعنی (classic case of pick and choose)۔

جیسا کہ پچھلے ابواب میں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ علمائے اسلام کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ سارا جسم ڈھانپنا خواتین کے لیے واجب ہے یعنی سر کے بال، کلائی، گردن اور سینہ وغیرہ۔ علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اگر چہرے اور ہاتھوں میں زینت ہو تو اُس صورت میں اُن دونوں کا چھپانا واجب ہے مثلاً چہرے پر میک اپ (Eyeliner, Lipstick, blush-on, foundation, eye-mascara وغیرہ) کیا ہو یا ہاتھوں میں سونا پہنا ہو یا مہندی لگی ہو۔

اسی طرح علمائے اسلام اس مسئلے پر بھی متفق ہیں کہ چہرے اور ہاتھوں کا ڈھانپنا فتنے کی صورت میں واجب ہوگا۔ علمائے اسلام میں اختلاف صرف اس صورت میں ہے کہ جب چہرے یا ہاتھ پر کوئی زینت نہ ہو اور اُس کو ظاہر کرنے سے کسی قسم کے فتنے کا اندیشہ بھی نہ ہو اور اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ کیا چہرے کا پردہ واجب ہے یا مستحب؟ البتہ اسلامی تاریخ میں علمائے اسلام کی غالب اکثریت چہرے کے پردے کو واجب سمجھتی ہے، جس میں متاخرین حنفی علماء بھی شامل ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ علمائے اہل سنت میں سے کسی کا بھی یہ دعویٰ نہیں ہے کہ عورت کے لیے اسکا چہرہ کھلا رکھنا افضل ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو چہرے کے پردے کے مسئلہ کے صرف ایک گوشے سے متعلق چند علماء نے اختلاف کیا ہے ورنہ یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے۔

باب نمبر 8

چہرے کا پردہ - جدید سائنس کی روشنی میں

انسانی چہرہ اللہ تعالیٰ کی ایک حیران کن تخلیق ہے جو 44 مختلف عضلات یا پٹھوں (muscles) پر مشتمل ہوتا ہے۔ اُن 44 پٹھوں میں سے صرف 4 پٹھے چبانے میں مدد کرتے ہیں اور بقیہ 40 پٹھوں کا کام انسانی چہرے پر مختلف تاثرات (facial expressions) کا اظہار کرنا ہوتا ہے۔ پٹھوں کا ایک گروپ چہرے پر خوشی کے اظہار کے وقت متحرک ہوتا ہے تو پٹھوں کا دوسرا گروپ انسانی چہرے پر خفگی یا اُداسی کے اظہار کے وقت کام کرتا ہے۔ ہمارے چہرے کے پٹھے ہمارے مرضی کے بغیر کسی قسم کے احساسات کے اظہار کے وقت کام شروع کردیتے ہیں غرضیکہ انسانی چہرہ ایک بے مثال تخلیق ہے۔ (1)

اِس میں کوئی شک نہیں کہ انسانوں کی خوبصورتی کا مرکز ومحور اُن کا چہرہ ہوتا ہے۔ چہرہ انسانی خوبصورتی کا سب سے پائیدار پیمانہ ہوتا ہے۔ قلوپیٹرا (Cleopetra) کی خوبصورتی کی داستانوں سے لیکر آج کی اشتہارات کی دنیا کی سُوپر ماڈلز (super-models) تک، چہرہ ہی خواتین کی کشش اور شہرت کا باعث سمجھا جاتا ہے۔ اِس دنیا کے چھ بلین چہروں کے درمیان ہم میں سے ہر ایک کا چہرہ منفرد اور مختلف ہے۔ یہ بات ہم پر آج بھی اسی طرح صادق آتی ہے جس طرح مصر میں فراعنہ کے حنوط شدہ چہروں (Mummies) کو دیکھ کر سمجھ آتی ہے کہ ہر

---

(1) HeartMath LLC (2002). The Inside Story - Understanding the Power of Feelings. Boulder Creek, California, HeartMath LLC.

کسی کا چہرہ مختلف اور منفرد تھا۔ عمرانی سائنسی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کا چہرہ معاشرے کے دوسرے لوگوں پر فیصلہ کن اثر چھوڑتا ہے۔ (1)

اِس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے میں انسانوں کے باہمی تعلقات پر اُن کے چہروں کے تاثرات یا نقوش زبردست طریقے سے اثرانداز ہوتے ہیں۔ لوگ عام طور پر ہمارے چہرے کی بنیاد پر ہماری شخصیت کے متعلق ابتدائی رائے قائم کرتے ہیں۔ چہرہ ہمارے جذبات کا اظہار کرتا ہے اور کبھی تو یہ بھی بتاتا ہے کہ ہمارے وجود کی گہرائیوں میں کیا کشمکش بپا ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پوری دنیا کی خواتین اپنے چہروں کو میک اَپ کے ذریعے خوبصورت بنانے یا اپنی خوبصورتی کو برقرار رکھنے پر کئی ملین ڈالرز خرچ کرتی ہیں۔ میک اَپ کا سامان (beauty products) بنانے والی کمپنیاں اپنی مصنوعات پر بے انتہاء منافع کماتی ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ چہرے کو خوبصورت بنانے والی میک اَپ کی مصنوعات کی تعداد بقیہ جسم کو خوبصورت بنانے والی مصنوعات کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ یہ بات بذات خود ثابت کرتی ہے کہ انسان اپنے چہروں کو اہمیت دیتے ہیں۔ خواتین اپنے چہروں کے بناؤ سنگھار پر وقت اور کثیر پیسہ صرف کرتی ہیں۔

چونکہ چہرہ انسانی کشش میں اتنی زیادہ اہمیت رکھتا ہے بالخصوص خواتین کا چہرہ، اس لیئے اسلام نے خواتین کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے حسن کو نامحرم مردوں سے چھپائیں۔ نقاب یا چہرے کا پردہ اسی حکم پر عمل کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ اس باب میں چہرے کے پردے کی اہمیت جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں بیان کی جائے گی۔

---

(1) Berry, D.S. and McArthur, L.Z. (1986). "Perceiving character in faces: The impact of age-related craniofacial changes on social perception." Psychological Bulletin 100: 3-18.

شرم وحیا اور خواتین کی نفسیات:

شرم وحیا میں مرد اور عورت برابر نہیں۔ عورتوں میں شرم وحیا مردوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ مغربی علم نفسیات کا بادا آدم امریکی سائنسدان ہیولاک ایلس (Havelock Ellis) اپنی کتاب Studies in the Psychology of Sex میں انسانوں میں شرم وحیا کے جذبے کے متعلق لکھتا ہے:

"شرم و حیا ایک فطری خوف پر مبنی ہوتا ہے جس کے نتیجے میں انسان (اپنے جسم کو دوسروں سے) چھپاتا ہے اور عام طور پر جنسی افعال سے بھی اس کا تعلق ہوتا ہے۔ گو کہ یہ جذبہ عورتوں اور مردوں دونوں میں پایا جاتا ہے لیکن یہ خاص طور پر عورتوں کے اندر بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نفسیاتی لحاظ سے اسے عورتوں کے ثانوی جنسی خصائل میں شمار کیا جاسکتا ہے۔"(1)

تحریک نسواں کے علمبردار چاہے کتنی ہی سوشل انجینئرنگ کرلیں لیکن دونوں صنفوں کی فطرت کو بدلنا آسان کام نہیں۔ عورتوں میں فطرتاً شرم وحیا مردوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ شرم وحیا کا یہ زنانہ احساس زندگی کے ہر شعبے میں ظاہر ہوتا ہے جس میں کھیل بھی شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تحریک نسواں کی حامی مصنفہ آئرس ینگ (Iris Young) نے اپنے مضمون "Throwing Like a Girl" میں عمیق مشاہدہ بیان کیا تھا کہ مرد کھیلوں میں اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ اپنی مہارت اور جسمانی ساخت کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی مردانگی کی نمائش کی وجہ سے کرتے ہیں۔ اسکے برعکس، خواتین کھیلوں کے عملی مظاہرے میں بزدلی، بے یقینی اور جھجک دکھاتی ہیں۔ آئرس ینگ نے یہ وضاحت کی:

---

(1) Ellis, Havelock (1910). "The Evolution of Modesty". Studies in the Psychology of Sex. Vol. I, Philadelphia, F.A. Davis.

"Girls' apparent lack of competence in activities such as throwing and hitting in games was due to the fact that girls tend not to extend their bodies fully when participating in physical activities." (1)

"کھیلوں میں گیند کے پھینکنے یا مارنے میں لڑکیوں کی مہارت میں کمی کی اصل وجہ یہ ہے کہ لڑکیاں ورزشی کھیلوں میں اپنے جسم کو پوری طرح کھولتی نہیں یا جسم کو پوری طرح پھیلاتی نہیں"۔

آئرس ینگ نے واشگاف الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا:

"A space surrounds us in imagination that we are not free to move beyond; the space available to our movement is a constricted space." (1)

"ہمارے تصور میں ایک حدود نے ہمارا احاطہ کیا ہوتا ہے جس سے باہر ہم (خواتین) آزادانہ حرکت نہیں کرسکتیں۔ ہمیں اپنے جسم کو حرکت دینے کے لیئے جتنی جگہ ہمارا تصور مہیا کرتا ہے وہ محدود جگہ ہوتی ہے۔"

جس چیز کا آئرس ینگ یہاں ذکر کررہی ہے، وہ خواتین کا جذبہ شرم وحیا ہی ہے جو انہیں باہر کی دنیا میں "اپنے جسم کو پوری طرح کھولنے نہیں دیتا" اور عورتیں یہ محسوس کرتی ہیں کہ وہ ایک خاص "نہ نظر آنے والی حدود سے باہر آزادانہ حرکت نہیں کرسکتیں۔"

تحریک نسواں والوں کے لیئے خواتین میں جذبہ شرم وحیا، انکے اندر ایک کمی اور انکی ترقی میں رکاوٹ ہے اور وہ اِسی جذبے کو ختم کرنے کے لیئے سر دھڑ کی بازی لگارہے ہیں لیکن اسلام خواتین کے اس جذبۂ شرم وحیا کو عیب سمجھنے کی بجائے عورت کا سب سے قیمتی سرمایہ سمجھتا

---

(1) Young, Iris (1990). Throwing like a girl and other essays in feminist philosophy. Indianapolis, Indiana University Press.

ہے۔اسلام عورت کو اپنے گرد محسوس ہونے والی اور نہ نظر آنے والی حدود یا "حریم غیب" کی نہ صرف قدر افزائی کرتا ہے بلکہ گھر سے باہر اُس حریم غیب کے زنانہ احساس کی نقاب اور حجاب کے ذریعے حفاظت بھی کرتا ہے۔نقاب اور حجاب اُس حریم غیب کی حفاظت کر کے عورت کی شرم وحیا کو محفوظ رکھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عورت کی شرم وحیا کو قابل تحسین سمجھا حتی کہ یہ چیز دین اسلام کا جزو لاینفک بن گئی۔رسول کریم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقٍ وَ خُلُقِ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ. (موطا امام مالک) (1)

"ہر دین کی ایک خصوصیت (characteristic quality) ہوتی ہے اور اسلام کی خصوصیت شرم وحیا ہے۔"

چہرے کے پردے کا مقصد: علم الانسانیات کی روشنی میں

پردے کا ایک اہم مقصد عورت کی شرم وحیا کی حفاظت اور عورت اور معاشرے کے نامحرم مردوں کے درمیان ایک قسم کا سماجی فاصلہ پیدا کرنا ہوتا ہے۔امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی کے ماہر علم الانسانیات رابرٹ ایف مرفی (Robert F. Murphy) نے چہرے کے پردے (نقاب) کے مقاصد پر دنیا کے مختلف خطوں میں تحقیق کی جو American Anthropologist کے دسمبر 1964ء کے شمارے میں چھپی۔چہرے کے پردے کا مقصد بیان کرتے ہوئے رابرٹ مرفی نے یہ نوٹ کیا کہ جب کسی سوسائٹی کے لوگ (خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں) اپنے چہرے کا اِس حد تک پردہ کرتے ہیں کہ صرف اُن کی آنکھیں دکھائی دیتی ہیں (یعنی نقاب) تو "اس طرح کرنے سے اپنے اور معاشرے کے دوسرے لوگوں کے درمیان علامتی طور پر ایک قسم کا سماجی فاصلہ (social distance) متعارف کرواتے ہیں۔"(2)

---

(1) موطا امام مالک، کتاب الجامع، جلد 1، صفحہ 613

(2) Murphey, Robert F. (Dec., 1964). Social Distance and the Veil. American Anthropologist 66(6) Part 1, 1257-1274.

رابرٹ مرفی نے مزید واضح کیا:

"The veil, though providing neither isolation nor anonymity, bestows facelessness and the idiom of privacy upon its wearer and allows him to stand somewhat aloof from the perils of social interaction while remaining a part of it."(1)

"گو کہ چہرے کا پردہ نہ تو پہننے والی کو علیحدگی دیتا ہے اور نہ گمنامی لیکن اسے بغیر چہرے کے وجود اور پوشیدگی عطا کرتا ہے اور نقاب پہننے والی کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ سماجی واسطوں کے خطرات سے جدا رہتے ہوئے بھی اس کا حصہ بن سکیں۔"

اسی طرح نامور اسلامی اسکالر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اپنی کتاب "پردہ" میں چہرے کے پردے کے مقاصد پر علم الانسانیت کی روشنی میں درج ذیل الفاظ میں بحث کی:

"جو شخص اسلامی قانون کے مقاصد کو سمجھتا ہے اور اس کے ساتھ کچھ عقل عام (Common Sense) بھی رکھتا ہے، اس کے لئے یہ سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں کہ عورتوں کو کھلے چہروں کے ساتھ باہر پھرنے کی عام اجازت دینا اُن مقاصد کے بالکل خلاف ہے جن کو اسلام اس قدر اہمیت دے رہا ہے۔ ایک انسان کو دوسرے انسان کی جو چیز سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے وہ اس کا چہرہ ہی تو ہے۔ انسان کی خلقی و پیدائشی زینت، یا دوسرے الفاظ میں انسانی حسن کا سب سے بڑا مظہر چہرہ ہے۔ نگاہوں کو سب سے زیادہ وہی کھینچتا ہے۔ جذبات کو سب سے زیادہ وہی اپیل کرتا ہے۔ صنفی جذب وانجذاب کا سب سے زیادہ قوی ایجنٹ وہی ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے نفسیات کے کسی گہرے علم کی بھی ضرورت نہیں۔ خود اپنے دل کو ٹٹو لئے۔ اپنی

---

(1) Murphey, Robert F. (Dec., 1964). Social Distance and the Veil. American Anthropologist 66(6) Part 1, 1257-1274.

آنکھوں سے فتویٰ طلب کیجئے۔ اپنے نفسی تجربات کا جائزہ لے کر دیکھ لیجئے۔ منافقت کی بات تو دوسری ہے۔ منافق اگر آفتاب کے وجود کو بھی اپنے مقصد کے خلاف دیکھے گا تو دن دیہاڑے کہہ دے گا کہ آفتاب موجود نہیں۔ البتہ صداقت سے کام لیجئے گا تو آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ صنفی تحریک (Sex Appeal) میں جسم کی ساری زینتوں سے زیادہ حصہ اس فطری زینت کا ہے جو اللہ نے چہرے کی ساخت میں رکھی ہے۔ اگر آپ کو کسی لڑکی سے شادی کرنی ہو اور آپ اسے دیکھ کر آخری فیصلہ کرنا چاہتے ہوں تو سچ بتائیے کہ کیا دیکھ کر آپ فیصلہ کریں گے؟ ایک شکل اس کے دیکھنے کی یہ ہو سکتی ہے کہ چہرے کے سوا وہ پوری کی پوری آپ کے سامنے ہو۔ دوسری شکل یہ ہو سکتی ہے کہ ایک جھروکے میں وہ صرف اپنا چہرہ دکھا دے۔ بتائیے کہ دونوں شکلوں میں سے کون سی شکل کو آپ ترجیح دیں گے؟ سچ بتائیے کہ سارے جسم کی بہ نسبت چہرے کا حسن آپ کی نگاہ میں اہم ترین نہیں ہے؟

اس حقیقت کے مسلم ہو جانے کے بعد آگے بڑھیئے۔ اگر سوسائٹی میں صنفی انتشار اور لامرکزی ہیجانات و تحریکات کو روکنا مقصود ہی نہ ہو، تب تو چہرہ کیا معنی، سینہ اور بازو اور پنڈلیاں اور رانیں سب کچھ ہی کھول دینے کی آزادی ہونی چاہیے، جیسی کہ اس وقت مغربی تہذیب میں ہے۔ اس صورت میں ان حدود و قیود کی کوئی ضرورت ہی نہیں جو اسلامی قانون حجاب کے سلسلہ میں آپ اوپر سے دیکھتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن اگر اصل بات اسی طوفان کو روکنا ہو تو اس سے زیادہ خلاف حکمت اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ اس کو روکنے کے لئے چھوٹے چھوٹے دروازوں پر تو کنڈیاں چڑھائی جائیں اور سب سے بڑے دروازے کو چوپٹ کھلا چھوڑ دیا جائے۔" (1)

---

(1) پردہ، سید ابوالاعلیٰ مودودی، مطبوعہ لاہور، 1990ء

انسانی چہرہ،

جسمانی دلکشی کا سب سے زیادہ قطعی تعین کرنے والا جزء

انسان کی جسمانی دلکشی (Physical Attractiveness) بہت سے اجزاء پر مشتمل ہوتی ہے مثلاً انسانی چہرہ، جسم کی ساخت، بالوں کا سٹائل اور رنگ، لباس، وغیرہ لیکن اُن تمام اجزاء میں سے کشش اور خوبصورتی کے معاملے میں فیصلہ کن اور قطعی جزء کونسا ہوتا ہے؟ عمرانی سائنسدانوں نے اِس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیئے جسمانی دلکشی کے مختلف اجزاء پر تحقیقات کیں۔ایک ریسرچ جو علم النفسیات کے جریدے Journal of Personality and Social Psychology کے 1984ء کے شمارے میں چھپی، اُس میں اِس بات کا تعین کیا گیا کہ آیا چہرے کی خوبصورتی انسان کی مجموعی دلکشی میں فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے یا جسم کے باقی اعضاء کی خوبصورتی؟ شکاگو کی یونیورسٹی آف الینوائے (University of Illinois) کے پروفیسر کیم ٹی مویزر (Kim T. Mueser) اور معاون سائنسدانوں نے یونیورسٹی کے اکیس مردوں کو اِس تحقیق کے لیئے ججوں کے طور پر استعمال کیا اور انہیں 15 سفید رنگت والی عورتوں کی تصاویر دکھائی گئیں۔مرد ججوں کو بغیر کسی تفریق کے 3 گروپوں میں تقسیم کیا گیا یعنی ہر گروپ میں 7 مرد جج تھے جنہوں نے تجربے میں شامل خواتین کو اُن کی جسمانی دلکشی (Physical Attractiveness) کے حوالے سے نمبر دیئے۔سفید رنگت والی خواتین کی تصاویر کو تین گروپوں میں تقسیم کیا گیا:

1) پوری عورت کی تصویر

2) عورت کے چہرے کی تصویر

3) عورت کی بغیر چہرے کی تصویر

ہر گروپ میں مرد ججوں کو (7 مردنی گروپ) خواتین کی ایک ایک تصویر پردہ سکرین پر 15 سیکنڈ کے لیئے دکھائی جاتی۔ جسمانی دلکشی کے نمبر سائیکالوجی کے 10 پوائنٹ لائکرٹ سکیل (10 Point Likert Scale) کی بنیاد پر دیئے گئے۔ (1)

ماہر نفسیات پروفیسر کیم ٹی مویئزر اور انکے معاونین کی تحقیق کے نتائج نے یہ ثابت کیا کہ اس تحقیق میں شامل خواتین کی جسمانی دلکشی کا تعین کرنے والا سب سے اہم جزء اُن کا چہرہ تھا یعنی مرد ججوں نے جسمانی دلکشی کے مرکز و محور کی حیثیت سے خواتین کے چہرے کو باقی جسم کے مقابلے میں زیادہ نمبر دیئے۔ چنانچہ اس تحقیق سے اُس عام انسانی مشاہدے کو تقویت ملتی ہے کہ بالخصوص خواتین کے معاملے میں اُن کے تمام جسم میں سے کشش اور خوبصورتی کا فیصلہ کرنے والا اُن کا چہرہ ہوتا ہے۔ اگر خواتین کے چہرے کو نامحرم مردوں کی نگاہوں سے چھپا دیا جائے تو اِس طرح سے معاشرے میں مردوں اور عورتوں میں ایک قسم کا سماجی فاصلہ (Social Distance) قائم ہو جاتا ہے اور پھر مردوں کے لیئے خواتین کا جسمانی یا نظری استحصال بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ اِس تحقیق کی روشنی میں خواتین کے نامحرم مردوں سے چہرے کا پردہ کرنے کی حکمت بآسانی سمجھ آسکتی ہے۔

خواتین کے چہرے کا ظاہری دلکشی سے تعلق سمجھنے میں وہ ریسرچ بھی مددگار ثابت ہو سکتی ہے جو مغربی دانشور خاتون فلورنس مونا ہن (Florence Monahan) نے اپنی کتاب Women in Crime میں بیان کی ہے۔ مِس مونا ہن نے خود کئی سالوں تک امریکی ریاست کیلیفورنیا، الینوائے اور منیسوٹا میں خواتین کی جیلوں (female prisons) میں بحیثیتِ انچارج جیلر (warden) کے کام کیا۔ مِس مونا ہن نے اپنی کتاب میں بیان کیا کہ مغربی معاشروں میں قانونی اعداد و شمار ہمیں بتاتے ہیں کہ عام شکل و

---

(1) Mueser, Kim T., Grau, Barry W., Sussman, Steve & Rosen, Alexander J. (1984). "You're Only as Pretty as You Feel: Facial Expression as a Determinant of Physical Attractiveness." Journal of Personality and Social Psychology 46(2): 469-478.

صورت کی خواتین کے مقابلے میں خوبصورت خواتین پر جرائم کا الزام کم لگایا جاتا ہے اور انہیں عام شکل وصورت کی خواتین کے مقابلے میں سزائیں بھی کم ملتی ہیں۔ (1)

انسانی چہرہ بندے کی ظاہری عمر اور اسکے نتیجے میں ظاہری خوبصورتی کے معاملے میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔اس سلسلے میں ایک اہم تجربہ دو خواتین ماہرین نفسیات کیتھلین کورتھیز (Kathleen Korthase) اور آئرین ٹرین ہولم (Irene Trenholime) نے کیا جن کا تعلق امریکی ریاست الینوائے کے ایلم ہرسٹ کالج (Elmhurst College) سے ہے۔یہ تحقیق سائنٹفک جریدے "Perceptual and Motor Skills" کے 1982ء کے شمارے میں چھپی اور اس کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ کیا ظاہری عمر اور ظاہری حسن میں الٹی یا معکوس مناسبت (Inverse Proportionality) پائی جاتی ہے یعنی کیا لوگ بوڑھے چہروں کو کم خوبصورت خیال کرتے ہیں؟ اس تحقیق میں 15 رضا کاروں (subjects) کے 4 گروپ شامل تھے جن میں بڑی عمر کے مرد اور عورتیں بھی تھیں اور جوان لڑکے اور لڑکیاں بھی۔انہوں نے مختلف عمروں کے مردوں اور عورتوں کی بہت سی تصاویر کو جسمانی دلکشی کے معیار پر جانچا۔اس تحقیق میں یہ انکشاف ہوا کہ تجربے میں شامل رضا کار مردوں عورتوں کو جوں جوں بڑی سے بڑی عمر کے مردوں یا عورتوں کی تصاویر کھائی گئیں تو انہوں نے ان تصاویر کو خوبصورتی کے معاملے میں کم سے کم نمبر دیئے۔اس تجربے میں جسمانی دلکشی کی تمام تر بنیاد چہرے کی کشش پر رکھی گئی تھی اور اس تجربے میں جوں جوں عورتوں یا مردوں کی عمریں بڑھیں تو ان کے چہرے کی کشش میں کمی کا رضا کاروں نے مشاہدہ کیا۔خواتین ماہرین نفسیات کیتھلین اور آئرین کی اس

(1) Monahan, Florence. (1941). Women in crime. New York, Washburn.

تحقیق میں جسمانی دلکشی کا مرکز چہرہ تھا۔ عمر بڑھنے سے اس کے حسن میں زوال آیا جس کی وجہ سے خواتین و حضرات کی مجموعی خوبصورتی میں بھی کمی آئی۔

اس تحقیق کی روشنی میں یہ بات بآسانی سمجھ آسکتی ہے کہ اسلام نے آخر کیوں بڑی عمر کی خواتین کو (جن کی شادی کی عمر گزر چکی ہو) نامحرم مردوں کے سامنے چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت دی ہے جبکہ نوجوان لڑکیوں یا جوان عورتوں کو اس بات کی اجازت نہیں۔ سورہ النور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحاً فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَن يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ (سوره النور: 60)

ترجمہ: اور بڑی بوڑھی عورتوں میں سے وہ جو کہ نکاح کی امید نہیں رکھتیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ اپنے (اضافی) کپڑے (مثلاً جلباب، نقاب) اتار رکھیں، اس حال میں کہ وہ زینت کا اظہار کرنے والی نہ ہوں۔)

اوپر بیان کی گئی تحقیق میں ایک اور دلچسپ دریافت یہ بیان کی گئی کہ سب رضا کاروں کا عورتوں کی خوبصورتی کے بارے میں اتفاق رائے تھا جو کہ چہرہ دیکھ کر یہ رائے قائم کر رہے تھے بہ نسبت مردوں کی خوبصورتی کے حالانکہ ان کے بھی صرف چہروں کی تصاویر دکھائی گئی تھیں:

"All the subjects of the study (which included males) showed greater agreement for what constitutes females' physical attractiveness than for what constitutes males' physical attractiveness." (1)

---

(1) Korthase, Kathleen M. & Trenholme, Irene (1982). "Perceived Age and Perceived Physical Attractiveness." Perceptual and Motor Skills 54: 1251-1258.

یہ دریافت بھی اس حقیقت کو مزید تقویت پہنچاتی ہے کہ انسان کے مجموعی حسن میں عورتوں کے معاملے میں چہرہ زیادہ اہم کردار ادا کرتا ہے بہ نسبت مردوں کے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو گھر سے باہر چہرے کے پردے کا حکم دیا ہے۔

زندگی کے شریک سفر کے لیئے

عورتوں کا معیار کیا ہے/مردوں کا معیار کیا ہے؟

اپنی زندگی کے شریک سفر کے انتخاب کے معاملے میں مردوں اور عورتوں کے ذہنوں میں کیا معیار ہوتے ہیں؟ یہاں پر اسی بات پر بحث ہوگی کہ وہ کیا خصوصیات ہوتی ہیں جو مرد اپنی ہونے والی بیوی میں دیکھنا چاہتے ہیں اور عورتیں اپنے ہونے والے شوہر میں دیکھنا پسند کرتی ہیں۔ بہت سی عمرانی سائنسی تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس معاملے میں مردوں کے معیار انتخاب عورتوں کے معیار سے بہت زیادہ مختلف ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک اہم ریسرچ ایک مؤقر سائنسی جریدے Evolution & Human Behavior کے مارچ 2001ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔ کینیڈا کے صوبے اونٹاریو (Ontario) کی کوئینز یونیورسٹی (Queen's Universtiy) کے عمرانی سائنسدان رابرٹ مانٹگازی (Robert Montgonerie) اور خاتون سائنسدان ڈیبرا ہیوم (Deborah Hume) نے سینکڑوں رضا کاروں (مردوں اور عورتوں) کو جنس مخالف کے چہروں کی بہت سی تصاویر دکھائیں اور انہیں ان کی خوبصورتی کی بنیاد پر نمبر دینے کو کہا۔

مردوں اور عورتوں کی تمام تصاویر کسی زیور کے یا میک اپ کے بغیر تھیں اور اُن کے بالوں کی ایک ہی انداز میں کنگھی کی ہوئی تھی۔ مرد رضا کاروں نے خوش شکل خواتین کی تصاویر کو سب سے زیادہ نمبر دیئے۔ تاہم تحقیق میں شامل خواتین رضا کاروں نے مردوں میں جس چیز کو

سب سے زیادہ باعثِ کشش قرار دیا وہ اُن کا چہرہ نہیں بلکہ ان کا عہدہ اور دولتمندی تھی۔ اِس سلسلے میں دوسری شہادت امریکہ کی سب سے نامور یونیورسٹی Harvard Medical School میں نفسیات کی خاتون پروفیسر نینسی ایٹکاف (Nancy Etcoff Ph.D) نے اپنی کتاب Survival of the Prettiest: The Science of Beauty میں دی۔ وہ لکھتی ہیں:

"Men are evaluated by their income and professional status as harshly as women are evaluated by their looks." (1)

(مردوں کو ان کی تنخواہ اور عہدے کی بنیاد پر اتنا ہی سختی سے جانچا جاتا ہے جتنا خواتین کو اُن کے ظاہری حسن کی بناء پر جانچا جاتا ہے)۔

1989ء میں امریکہ کی یونیورسٹی آف مشی گن (University of Michigan) کے شہرت یافتہ ماہر نفسیات اور معروف کتاب The Evolution of Desire کے مصنف ڈیوڈ ایم بس (David M. Buss) نے ایک نہایت وسیع ریسرچ کی۔ اُس تحقیق میں انہوں نے دنیا کے چھ براعظموں اور پانچ جزیروں پر واقع 33 ممالک کے 37 مختلف کلچرز میں انسانوں کے اپنے زندگی کے شریکِ سفر تلاش کرنے کے معاملے میں عورتوں اور مردوں کے معیارِ انتخاب (Gender Preference in the Selection of Human Mate) میں فرق کا تجزیہ کیا۔ اِس تحقیق میں شامل ممالک میں ایک طرف نیوزی لینڈ اور مغربی جرمنی تھے تو دوسری طرف ایران سے لیکر برازیل تک کے ممالک، چین، انڈیا، امریکہ اور کینیڈا حتیٰ کہ جاپان اور نائجیریا تک شامل تھے۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی سٹڈی تھی جو

---

(1) Etcoff, Nancy (1999). Survival of the Prettiest: The Science of Beauty. New York, Anchor Books.

10,000 سے زیادہ لوگوں کی پوری دنیا کے معاشروں میں اپنا رفیقِ حیات (مستقبل کا شوہر یا بیوی) کے انتخاب کے معیار پر روشنی ڈال رہی تھی۔ اِس جامع تحقیق کے نتائج نے یہ ثابت کیا کہ مردوں نے اپنی ہونے والی بیوی کے انتخاب میں ایسی خصوصیات کو ترجیح دی جن کا تعلق بچہ جننے کی بہترین صلاحیت (Reproductive Capacity) سے ہو جبکہ خواتین نے اپنے ہونے والے شوہر کے اندر دولت اور وسائل حاصل کرنے کی صلاحیت (Resource Acquisition) کو ترجیح دی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے حدیث نبوی میں حضور ﷺ نے مردوں کو ایسی ہی عورتوں سے نکاح کی ترغیب دی جو بہت بچے جننے والی اور بہت محبت کرنے والی ہوں۔

تزوجوا الودود الولود فإني مکاثر بکم الأمم یوم القیامة

(سنن ابی داؤد)

چنانچہ تجرباتی سروے میں کی گئی تمام صفات میں مردوں نے اپنی ہونے والی رفیقۂ حیات کے انتخاب میں جوانی اور ظاہری خوبصورتی کو زیادہ اہمیت دی کیونکہ ماہر نفسیات ڈیوڈ بس کے مطابق اِن صفات کا عورت کی زرخیزی اور بچہ جننے کی صلاحیت سے تعلق ہوتا ہے۔ اسکے برعکس، تحقیق کے حصوں میں لسٹ کی گئی تمام صفات (مثلاً خوش شکل ہونا، اعتباری کردار، لوگوں میں بہت گھلنے ملنے والا، پاکدامنی، ذہانت وغیرہ) میں سے خواتین نے اپنے مستقبل کے رفیقِ حیات میں زیادہ اہمیت پیسہ کمانے کی اچھی صلاحیت اور اچھے معاشی مستقبل کو دی۔ یہی خوبی قرآن بیان کرتا ہے کہ مرد عورتوں سے ایک درجہ اوپر ہیں (میاں بیوی کے رشتے میں) کیونکہ وہ پیسہ خرچ کرتے ہیں۔ (سورہ النساء: آیت 34)

یاد رہے کہ اِس تحقیق میں صرف غریب ممالک کی خواتین ہی شامل نہ تھیں بلکہ دنیا کے امیر ترین ممالک کی خواتین بھی حصہ لے رہی تھیں۔ پوری دنیا میں مردوں کی نفسیات ایک جیسی ہے اور عورتوں کی نفسیات میں ان کی فطرت کا حصہ ہے۔ ان نتائج پر بحث کرتے ہوئے

ماہرِ نفسیات ڈیوڈ بس لکھتا ہے:

''خواتین کے مقابلے میں مرد حضرات اپنی رفیقۂ حیات کے چناؤ میں ظاہری حسن اور جوانی کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ دونوں صنفوں میں یہ انتخاب کا فرق حیران کن طور پر تمام کلچرز میں پایا جاتا ہے۔'' (1)

علم الانسانیات کا ماہر (anthropologist) ڈونلڈ سائمونز (Donald Symons) اپنی کتاب The Evolution of Human Sexuality (مطبوعہ نیویارک، 1979) میں نسوانی ظاہری حسن کی تشریح کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ نسوانی حسن کے اجزاء میں چہرے کی ملائم جلد، چہرے کے پٹھوں کی لچک، چمکتے بال، چمکتی دمکتی آنکھیں اور مکمل ہونٹ ایسے نقوش ہیں جو عورت کی زرخیزی (fertility) اور بچہ جننے کی صلاحیت کے متعلق سب سے مضبوط اشارہ دیتے ہیں۔ (2)

اسی طرح نیویارک کی سائیراکیوز یونیورسٹی (Syracuse Universtiy) کے علم الانسانیات کے پروفیسر جان مارشل ٹاؤن سینڈ (John Marshall Townsend, Ph.D.) نے دو قسم کی تصاویر پردۂ سکرین پر جوان خواتین کو دکھائیں اور اُن سے فرضی سوال پوچھا کہ وہ اُن تصاویر میں سے اپنے شریکِ سفر کے لیئے کس کا انتخاب کریں گی۔ اِس تجربے میں خواتین نے اپنے شریکِ سفر کے لیئے مردوں کے چہروں پر توجہ نہ دی بلکہ عام شکل وصورت یا بدصورت مردوں کو اُن کے عہدوں کے حوالے سے شریکِ سفر کے لیئے منتخب کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اُن خواتین نے ایسے خوش شکل مردوں کو اپنے شریکِ سفر کے لیئے منتخب نہ کیا جو

(1) Buss, D. M. (1989). "Sex differences in human mate preferences: Evolutionary hypotheses tested in 37 cultures." Behavioral and Brain Sciences 12: 1-49.

(2) Symons, D. (1979). The Evolution of Human Sexuality. New York, Oxford University Press.

ریسٹورانٹ کے ملازموں کے لباس میں ملبوس تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر ٹاؤن سینڈ لکھتے ہیں کہ بچوں کی کہانیوں والی شہزادی سینڈریلا (Cinderella) کے زمانے سے لیکر آج تک کچھ بدلا نہیں کیونکہ آج بھی مرد حضرات اپنی رفیق سفر کے انتخاب میں عورت کے چہرے کے حسن کو اہمیت دیتے ہیں جبکہ خواتین نے اپنے شریک سفر کے لیئے مردوں کے چہروں پر توجہ نہ دیتیں بلکہ اُن کے عہدے یا وسائل حاصل کرنے کی صلاحیت کو اہمیت دیتی ہیں۔ (1)

ڈاکٹر ٹاؤن سینڈ کی تحقیق اور ڈیوڈ بس (David Buss) کی دنیا کے 33 مختلف ممالک کے 37 کلچرز میں رفیقۂ حیات کے انتخاب کے معیار پر تحقیق سے ہمیں اسلامی شریعت کا منشا سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آنی چاہیئے کہ اسلام نے عورت کو نامحرم مردوں سے اپنا چہرہ چھپانے کا حکم کیوں دیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَـا أَيُّهَـا الـنَّبِـيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ط ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُوراً رَّحِيماً (سوره الاحزاب: ۵۹)

"اے نبی ﷺ، اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تا کہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔"

ڈاکٹر مارشل ٹاؤن سینڈ کی کتاب کا دوسرا حصہ بھی بہت دلچسپی کا حامل ہے جس میں انہوں نے 50 میڈیکل کالجز کے طالبعلموں کے تفصیلی انٹرویو کیئے جن میں لڑکے اور لڑکیاں

---

(1) Townsend, John Marshall (1998). What Women Want - What Men Want: Why the Sexes Still See Love and Commitment So Differently. New York, Oxford University Press.

دونوں شامل تھے۔اُن انٹرویوز میں 85فیصد مردوں نے بتایا کہ ان کے لیئے اپنی رفیقۂ حیات کے انتخاب میں ظاہری خوبصورتی سب سے صفت اہم ہے جبکہ صرف 10 خواتین نے اپنے ہونے والے شوہر کے انتخاب کے لیئے اس صفت کو اہمیت دی۔مزید برآں اِس تفصیلی سروے میں ایک بھی میڈیکل کالج کی طالبہ نے ایسے مرد سے شادی کے لیئے آمادگی کا اظہار نہیں کیا جو اُس لڑکی سے کم پیسہ کماتا ہو۔دلچسپ بات یہ ہے کہ میڈیکل کالج کی ایک تہائی لڑکیوں نے ڈاکٹر ٹاؤن سینڈ کے انٹرویو میں بتایا کہ وہ ایسے مرد سے شادی کی خواہشمند ہیں جس کے ساتھ رہتے ہوئے انہیں حفاظت اور امن کا احساس ہو۔

"A third of the women medical college students said they wanted a man (husband) who made them feel protected and secure." **(1)**

اللہ تعالیٰ انسانوں کا خالق ہے اور مردوں عورتوں کی فطرت سے بخوبی واقف ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جن خصوصیات کی وجہ سے مرد کو گھر کی سربراہی بخشی ہے وہ یہی دو صفات ہیں جو اُن تمام خواتین نے اپنے ہونے والے شوہروں میں دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا یعنی مردوں کا محافظ ہونا اور اپنے گھر کا نان نفقہ حاصل کرنے کے لئے معاشی وسائل اُس کے پاس ہونا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ(سورہ النساء: ۳۴)

”مرد عورتوں پر قوام ہیں،اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے،

---

(1) Townsend, John Marshall (1998). What Women Want - What Men Want: Why the Sexes Still See Love and Commitment So Differently. New York, Oxford University Press.

اوراس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں“۔

(قوام یا قیم اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا ادارے کے معاملات کو درست حالت میں چلائے اور اس کی حفاظت اور نگہبانی کرنے کا ذمہ دار ہو۔ دوسری صفت مال کمانے کی صلاحیت ہے)

عورتیں فطرتاً مردوں کا اُن کی طرف گھورنا پسند نہیں کرتیں

(You can feel them looking at you - women by their nature do not like men to stare at them.)

شرم وحیا عورت کے وجود میں اس قدر رچی بسی ہوتی ہے کہ خواتین کی شرم یہ پسند نہیں کرتیں کہ مردان کے چہرے یا جسم کی طرف گھوریں۔ عمرانی سائنسی ریسرچ نے یہ ثابت کیا ہے کہ اکثر عورتیں اپنے آپ کو مردوں کی نگاہوں کا ایک کھلونا محسوس کرتی ہیں جب اجنبی مرد اُن کی طرف نظر بازی کریں۔ اس سلسلے میں ایک اہم تحقیق مغربی آسٹریلیا کے صوبے پرتھ کی ایڈتھ کوون یونیورسٹی **(Edith Cown University)** نے **Ownership of Space** کے عنوان سے 1995ء میں شائع کی۔ یونیورسٹی کے شعبۂ علم تفریح **(Department Leisure Sciences)** کی خاتون عمرانی سائنسدان کینڈی جیمس **(Kandy James)** نے کمیونٹی کے پبلک اور پرائیویٹ مختلف تفریحی مقامات پر لڑکیوں کے رویے **(attitudes of girls)** کا مطالعہ کیا اور اُسے جانچا۔ (1)

اِس تحقیق میں مغربی آسٹریلیا کے معاشرتی اور معاشی لحاظ سے دس مختلف ہائی سکولوں کی پندرہ برس کی عمر کی 276 لڑکیوں پر سروے کیا گیا کہ وہ 20 مختلف قسم کے تفریحی مقامات پر کیسا

---

(1) James, Kandy (1995). Ownership of space: Its impact on recreational participation of young women. Perth, Western Australia, Edith Cowan University, Dept. of Leisure Sciences.

محسوس کرتی ہیں۔ اِس ریسرچ میں یہ انکشاف ہوا کہ وہ جگہیں جہاں لڑکیاں اپنی ذات کے متعلق سب سے زیادہ چوکنی (self-conscious) ہو جاتی ہیں وہ اپنی ترتیب کے لحاظ سے یہ ہیں: باسکٹ بال کے کورٹ، عوامی تیراکی کرنے کی جگہیں، ہیلتھ کلب یعنی جمنازیم اور ساحل سمندر۔ اِس تحقیق کی ایک بہت دلچسپ دریافت یہ تھی کہ لڑکیوں کی پبلک تفریحی مقامات پر جانے کی ترتیب اُس صورت میں بالکل مختلف تھی اگر انہیں علم ہو کہ وہاں لڑکے موجود نہ ہوں گے۔ ڈاکٹر کینڈی نے مشاہدہ کیا کہ لڑکیوں نے اُنہی پبلک تفریحی مقامات کو اپنا پسندیدہ قرار دیا (جن کے متعلق وہ وہاں مردوں کی موجودگی کی صورت میں خوف زدہ تھیں)، بشرطیکہ وہاں مرد موجود نہ ہوں۔ (1)

اسی طرح ایک دوسری تحقیق آسٹریلیا کے ادارے Girls in Space Consortia نے 1997ء میں شائع کی جس میں آسٹریلیا کے شہر برسبین (Brisbane) میں جوان خواتین کے تفریحی مقامات سے تعلق کا تجزیہ کیا گیا تو یہ پتہ چلا کہ ایسے تفریحی مقامات جہاں اجنبی مرد موجود ہوں وہاں لڑکیوں کو اپنے ساتھ ظلم یا زیادتی ہونے کا خطرہ محسوس ہوتا رہتا ہے۔(2)

اِسی ریسرچ کے تعاقب میں ایک دوسری تحقیق (follow-up study) جو Journal of Leisure Research کے 2000ء کے شمارے میں شائع ہوئی، ڈاکٹر کینڈی نے تیراکی کے مقامات (swimming pools) پر لڑکیوں کے احساسات کا تجزیہ کیا یعنی لڑکیوں کو وہاں ناگواری کا احساس کیوں ہوتا ہے اور وہ اس احساسِ ناگواری پر قابو پانے کے

---

(1) Kandy (1998). "Deterrents to active recreation participation: Perceptions of year 10 girls." Health Promotion Journal of Australia 8(3): 183-189.

(2) Girls in Space Consortia (1997). Phase 1 report for the girls in space consortia research: A Project investigating young women's relationships to public space in Brisbane. Brisbane, Backbone Youth Arts Inc.

لیئے عملی طور پر پول پر کیااقدامات کرتی ہیں؟ اکثرلڑکیوں کے لیے اس بات کا احساس کہ لڑکے انہیں دیکھ رہے ہیں، ان کی بے چینی میں اضافہ کرتا تھا۔ اس تحقیق میں شامل ایک لڑکی جسکا نام کرسٹا(Krista) تھا، اُس نے ڈاکٹر کینڈی کے سامنے اس بات کا اعتراف کیا کہ وہ تیراکی کی کلاس میں عجیب اجنبیت محسوس کرتی تھی۔ اس نے بتایا:

''مجھے محسوس ہوتا تھا کہ لوگ میری طرف گھور رہے ہیں۔ مجھے اپنے تیراکی کے لباس سے شروع سے نفرت ہے۔ مجھے اس بات سے نفرت ہے کہ لوگ میری ٹانگوں کو دیکھیں اور میرے بازوؤں پر نگاہیں ڈالیں اور میرے جسم کو دیکھیں۔''

ریسرچ میں شامل دوسری لڑکی جس کا نام وینیسا(Venessa) تھا، اُس کے لیئے مخلوط سوئمنگ پول انتہائی شرمندگی کا باعث تھے۔ اُس نے بتایا: ''مجھے پول پر جانے سے نفرت ہے .... میں لڑکوں کی موجودگی میں بہت عجیب محسوس کرتی ہوں۔''

وال (Val) نامی ایک تیسری لڑکی نے اُن لڑکیوں کے متعلق فکرمندی کا اظہار کیا جنہیں اجنبی مرد دیکھ رہے ہوں۔

گو کہ ایک محدود تعداد ایسی لڑکیوں کی بھی تھی جنہیں "achievers" کے گروہ میں شامل کیا گیا تھا کیونکہ وہ اپنے آپ کو نیم مترجلات (مردانہ صفات والی لڑکیاں) (tomboys) قرار دیتی تھیں اور انہیں لڑکوں کی موجودگی میں سوئمنگ پولز پر کوئی شرمندگی محسوس نہیں ہوتی تھیں تاہم لڑکیوں کی اکثریت یا تو ''سمجھوتہ کرنے والیاں'' (compromisers) تھیں یعنی وہ لڑکیاں جو لڑکوں کی موجودگی میں اپنے جسم کو ڈھکنا پسند کرتی تھیں یا پھر ''گریز کرنے والیاں'' (avoiders) تھیں جو کہ لڑکوں کی موجودگی میں سوئمنگ پول جانا ہی نہیں چاہتی تھیں۔ اس تجربے میں لڑکیوں کا سب سے بڑا گروپ یعنی "compromisers" اُن لڑکیوں پر مشتمل تھا جو لڑکوں کی موجودگی میں سخت خلجان اور شرمندگی محسوس کرتی تھیں چنانچہ ڈاکٹر کینڈی

(James Kandy) کے الفاظ میں اُن لڑکیوں نے آخری لمحے تک اپنے جسموں کو ڈھکے رکھنے کے لیے ایک حکمت عملی (Strategy) ایجاد کی۔ڈاکٹر کینڈی لکھتی ہیں: ''(سوئمنگ پول پر) اکثر لڑکیاں یہ کرتیں کہ اپنے جسموں کو ایک بڑے سے کپڑے کے ذریعے آخری لمحے تک ڈھک کر رکھتیں اور جب وہ پانی میں چھلانگ لگانے لگتیں تو وہ اس تیزی سے بڑے کپڑے کو پھینک دیتیں کہ کسی مرد کو اُن کو سوئمنگ کے لباس میں دیکھنا ممکن نہ ہوتا۔'' (1)

ڈاکٹر کینڈی کے مطابق لڑکیاں، لڑکوں کی موجودگی میں اتنی شرمندگی محسوس کرتی تھیں کہ انٹرویو میں شامل اکثر لڑکیوں نے بتایا کہ ''انہیں پانی میں ڈوب جانے کی اتنی فکر نہیں جتنی اس بات کی کہ مرد اُن کی طرف گھوریں۔''

اسی طرح 1999ء میں ڈاکٹر جیمس کینڈی کی ایک اور ریسرچ ACHPER Healthy Lifestyles Journal میں شائع ہوئی۔اس تحقیق کا عنوان تھا:

I felt really embrassed in front of the guys! Adolescent girls and informal school basketball.

(میں لڑکوں کے سامنے بہت شرمندگی محسوس کرتی ہوں: نوجوان لڑکیاں اور سکول باسکٹ بال)۔

اِس تحقیق کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ لڑکیاں آخر کیوں لڑکوں کی موجودگی میں باسکٹ بال کھیلنا پسند نہیں کرتیں۔اصل سروے میں شامل تقریباً آدھی لڑکیوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ سکولوں کو چاہیے کہ لڑکیوں کے کھیلنے کے لیے علیحدہ میدان (separate-sex) ہونے چاہئیں جہاں لڑکے انہیں نہ دیکھ رہے ہوں۔تحقیق میں شامل بیتھ (Beth) نامی ایک آسٹریلوی لڑکی نے

---

(1) James, Kandy (2000). ""You can feel them looking at you": The experiences of adolescent girls at swimming pools." Journal of Leisure Research 32(2): 262-280.

ڈاکٹر کینڈی کے سامنے اس بات پر زور دیا کہ وہ اس بات کے حق میں ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کو علیحدہ ہونا چاہیے کیونکہ "وہ ایسی بہت سی لڑکیوں کو جانتی ہے جو باسکٹ کو بہت پسند کرتی ہیں لیکن وہ جا کر لڑکوں کے ساتھ یا ان کی موجودگی میں نہیں کھیلنا چاہتیں۔" (1)

کیی (Kaye) نامی ایک دوسری لڑکی نے ڈاکٹر کینڈی کے سروے میں بتایا: "لڑکوں اور لڑکیوں کو علیحدہ رکھنا بہتر ہے اگر آپ سنجیدگی کے ساتھ ورزش کرنا چاہتی ہیں اور فٹ رہنا چاہتی ہیں اور یہ آپ کبھی نہ چاہیں گی کہ مرد آپ کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے ہوں۔" (1)

یہ چیز کسی ایک یورپین ملک تک محدود نہیں۔ 1998ء کے موسم گرما میں Journal of Lesisure Research میں امریکہ کی نوجوان لڑکیوں کے بیرونی رویے پر ایک ریسرچ شائع ہوئی۔ خاتون محقق روکلین کلپ (Rocklynn Culp) نے یہ دریافت کیا کہ اُس تحقیق میں شامل تمام امریکی لڑکیوں کا اس بات پر اتفاق رائے تھا کہ گھروں سے باہر کے تفریحی پروگراموں میں لڑکیوں کی شرکت اُس صورت میں بہت بڑھ جائے گی اگر وہ مخلوط نہ ہوں بلکہ لڑکیوں کے لیئے علیحدہ ہوں۔ ریسرچ میں شامل ایک لڑکی نے بتایا:

"اگر کھیلوں یا تفریحی پروگرام میں صرف لڑکیاں ہوں گی اور میں چند لڑکیوں کو کوئی کھیل کرتا دیکھوں گی تو مجھے اعتماد ہوگا کیونکہ وہ سب لڑکیاں ہیں اور میں بھی لڑکی ہوں اور میں سوچوں گی کہ میں یہ کر سکتی ہوں بجائے اِس کے کہ میں لڑکوں کو کوئی کھیل کرتا دیکھوں تو پھر مجھے اپنے اوپر اعتماد نہیں رہے گا۔" (2)

یہ ٹھیک ہے کہ اوپر بیان کی گئی سوئمنگ پول میں لڑکیوں کی شمولیت والی ریسرچ میں

---

(1) James, Kandy (1999). ""I feel really embarrassed in front of the guys!": Adolescent girls and informal school basketball." ACHPER Healthy Lifestyles Journal 46(4): 11-16.

(2) Culp, Rocklynn H. (Summer 1998). "Adolescent girls and outdoor recreation: a case study examining constraints and effective programming." Journal of Leisure Research 30(3): 356-379.

لڑکیوں نے تیراکی کے لباس پہنے ہوئے تھے جن میں وہ نہیں چاہتی تھیں کہ لڑکے انہیں دیکھیں لیکن ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ریسرچ ایک مغربی سیکولر ملک میں کی گئی جس میں بچپن سے تیراکی کے لباس پہنا کر اور بیشمار دوسرے طریقوں سے لڑکی کے اندر سے شرم وحیا کی حس کو ختم کیا جاتا ہے۔ وہ لڑکیاں بچپن سے جنسی آزادی کے ماحول میں آنکھیں کھولتی ہیں، اُن تمام باتوں کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اِن تحقیقات میں شامل لڑکیوں کی اکثریت مخلوط ماحول کو پسند نہیں کرتیں۔ انہیں یہ پسند نہیں کہ مرد اُن کے جسم کی طرف گھوریں۔ ایک لڑکی کے الفاظ میں:

"You can feel them looking at you"

(تم محسوس کروگی کہ مرد تمہیں گھور رہے ہیں)

اُن لڑکیوں کی اکثریت نے اس بات کو ترجیح دی بلکہ یہ کوشش کی کہ مردوں کے سامنے اپنے جسموں کو ڈھانپ لیں۔ چنانچہ انہوں نے تماشائیوں کی نگاہوں سے "حجاب" کرنے یعنی چھپنے یا اوجھل ہونے کی کوشش کی۔ آخر اسلام بھی تو خواتین کو یہی درس دیتا ہے کہ وہ گھر سے باہر اپنے جسموں کو حجاب سے ڈھانکیں بالخصوص نامحرم مردوں کی موجودگی میں۔ دراصل شرم وحیا عورت کی فطرت کا حصہ ہے۔ چاہے وہ مشرق کی عورت ہو یا مغرب کی اور اُس کے اظہار کا فطری طریقہ وہی ہے جو اسلام نے سکھایا ہے یعنی اپنا پورا جسم نامحرم مردوں کے سامنے چھپانا۔

مردوں کی نگاہوں سے بچاؤ عورتوں کو احساسِ کمتری سے بچاتا ہے۔ عمرانی سائنسی ثبوت

عمرانی نفسیاتی ماہرین (social psychologists) کی ریسرچ اِس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ مخلوط ماحول میں جہاں عورتیں مردوں کی نگاہوں سے محفوظ نہ ہوں وہاں پر وہ اپنی ذات کو اپنے حسن کی بناپر جانچتی ہیں۔ مخلوط ماحول بمقابلہ غیر مخلوط ماحول کو سمجھنے کے لیے ایک

اچھا تجرباتی ماڈل کوایجوکیشن (co-education) سکول بمقابلہ غیر مخلوط سکول ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی چیز محققین نے شمالی آئرلینڈ میں دریافت کی۔ دو ماہرین نفسیات گرین لیز (Gran Leese) اور سٹیفن (Stephen) نے آئرلینڈ کے شہر بیلفاسٹ (Belfast) کے بعض حصوں پر اپنی ریسرچ کی۔ انہوں نے کوایجوکیشن سکولوں اور غیر مخلوط سکولوں میں لڑکیوں کی عزت نفس (self-esteem) کا مطالعہ کیا۔ دو قسم کے سکولوں کی لڑکیوں کے درمیان تعلیمی یا معاشی وسماجی سٹیٹس کے لحاظ سے کوئی فرق نہ تھا۔

گرین لیز اور سٹیفن نے دو قسموں کے سکولوں (یعنی کوایجوکیشن اور علیحدہ ایجوکیشن) کی لڑکیوں سے اپنے انٹرویوز میں متعدد سوالات کیئے مثلاً۔

- ☆ کیا آپ اچھی طالبہ ہیں؟
- ☆ کیا آپ کی بہت سی سہیلیاں ہیں؟
- ☆ کیا آپ کھیلوں میں اچھی ہیں؟
- ☆ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ آپ خوبصورت ہیں؟
- ☆ کیا آپ کے والدین کی نوکریاں (jobs) باعزت قسم کی ہیں؟

پھر ہر لڑکی کے جوابات کا اس کی عزت نفس کے پیمانے کے ساتھ باہمی تعلق ایک علیحدہ فہرست (separate inventory) کی مدد سے پیمائش کیا گیا۔ اس سروے کے نتائج نے یہ ثابت کیا کہ کوایجوکیشن سکولوں میں لڑکیاں اپنی عزت نفس کی بنیاد صرف اس بات رکھتی ہیں کہ وہ نظر کیسی آتی ہیں، کیا وہ خوبصورت ہیں یا نہیں؟ اس سے فرق نہیں پڑتا چاہے وہ کلاس میں "A" گریڈ لے رہی ہیں یا کلاس فیل کر رہی ہیں۔ چاہے ان کی بہت سی سہیلیاں ہیں یا نہیں وغیرہ۔ تحقیق کے مطابق کوایجوکیشن سکولوں میں پڑھنے والی لڑکیوں کے لیئے سب سے اہم مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کیسی نظر آتی ہیں (How they look?)۔ یہ نہیں کہ اُن کا اخلاق کیسا ہے یا اُن کی شخصیت کیسی ہے؟ اسکے برعکس، غیر مخلوط سکولوں (single-sex schools) کی لڑکیاں

اپنی عزت نفس کی بنیاد صرف اس بات پر نہیں رکھتیں کہ کیا وہ خوبصورت ہیں یا نہیں بلکہ ان کے لیئے یہ بھی اہم ہوتا ہے کہ ان کا اخلاق اچھا ہے یا برا، اُن کی اسکول میں تعلیمی کارکردگی کیسی ہے، اُنکی فیملی کے معاشی حالات کیسے ہیں اور اسی طرح کے دیگر عوامل۔ (1)

چنانچہ اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مخلوط محفلوں میں لڑکیاں اور خواتین اپنی ظاہری وضع اور خوبصورتی کے متعلق ضرورت سے زیادہ باشعور ہو جاتی ہیں کیونکہ انہیں احساس ہوتا ہے کہ مردوں کی نگاہیں انہیں دیکھ رہی ہیں چنانچہ ایسی محفلوں میں عورتوں کے احساس کمتری کا شکار ہونے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنی عزت نفس کی بنیاد اپنے ظاہری حسن کی بنا پر رکھتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں عورتوں مردوں کی علیحدہ محفلوں میں لڑکیاں اپنی عزت نفس کی بنیاد اپنی شخصیت کے دوسرے اور گہرے پہلوؤں پر رکھتی ہیں مثلاً اخلاق، کردار، ذہانت وغیرہ۔

مندرجہ بالا تحقیق اس سلسلے میں کوئی اکیلی تحقیق نہیں بلکہ بہت سی دوسری تحقیقات بھی یہی بتاتی ہیں کہ مخلوط ماحول (mixed-gender environment) لڑکیوں میں احساس کمتری اور اپنے جسم اور چہرے کے ظاہری حسن کے متعلق حد سے بڑھا ہوا شعور پیدا کرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ امریکہ کی مشہور جان ہاپکن یونیورسٹی (John Hopkins University) کے سوشیالوجسٹ جیمس کول مین (James Coleman) نے یہی دریافت کئی سال پہلے کی تھی جب انہوں نے امریکہ کے بہت سے کوایجوکیشن سکولوں اور غیر مخلوط سکولوں کے طالبعلموں کے انٹرویوز کیئے اور اپنے مشاہدات اپنی کتاب "The Adolescent Society: The Social Life of the Teenager" (مطبوعہ نیویارک، 1961ء) میں ریکارڈ کیئے۔ کول مین نے یہ انکشاف کیا کہ کوایجوکیشن سکولوں میں طالبعلموں بالخصوص لڑکیوں کو سب سے زیادہ فکر اس بات کی ہوتی ہے کہ کون لڑکی سب سے زیادہ خوبصورت ہے اور کون لڑکی

---

(1) Granleese, Jacqueline & Stephen, Joseph (Dec. 1993). "Self-perception Profile of Adolescent Girls at a Single-sex and a Mixed-sex School." Journal of Genetic Psychology 154(4): 525-530.

سب سے زیادہ ہر دلعزیز ہے۔ جب کوایجوکیشن سکولوں کی لڑکیوں سے پوچھا گیا کہ مستقبل میں وہ کون سا پیشہ اختیار کرنا چاہیں گی تو انہوں نے فیشن ماڈل یا فلم ایکٹرس بننے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اسکے برعکس، غیر مخلوط سکولوں (Single-sex schools) کی لڑکیوں نے مستقبل میں بزنس یا سائنس کے پیشوں میں جانے کے عزائم کا اظہار کیا۔

کول مین کی ریسرچ کے مطابق کوایجوکیشن سکولوں کی مخلوط فضا میں لڑکیاں اپنی ظاہری خوبصورتی کے متعلق بہت زیادہ حساس ہوجاتی ہیں یہاں تک کہ لڑکیاں یہ محسوس کرنا شروع کر دیتی ہیں کہ دوسروں سے مقابلہ کرنے کی واحد بنیاد یا سب سے اہم بنیاد یہی یہ ہے۔ کوایجوکیشن سکولوں میں لڑکیاں جب لڑکوں کی نگاہوں (male gaze) کا شکار ہوتی ہیں تو اُن کی نفسیات پر اس چیز کے گہرے نقوش مرتب ہوتے ہیں۔ پھر وہ لڑکیاں اپنی ذات کے معاملے میں کم ہی مطمئن ہوتی ہیں اور نتیجتاً احساس کمتری (inferiority complex) کا شکار ہوجاتی ہیں بالخصوص جبکہ وہ یہ خیال کرتی ہوں کہ وہ اپنی ہم عمر دوسری لڑکیوں جتنی خوبصورت نہیں۔ کول مین رقمطراز ہے:

"لڑکوں کے درمیان مقبول ہونے پر زور دینے کے لڑکیوں پر اور بھی بہت سے اثرات مرتب ہوتے ہیں جن کے متعلق ہمیں ابھی بہت کم علم ہے۔ اُن اثرات میں سے ایک اثر اُس لڑکی کے اپنے متعلق احساسات سے متعلق ہے۔" (1)

کول مین اپنی تحقیق کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

"یہ عام طور پر فرض کر لیا جاتا ہے کہ لڑکوں، لڑکیوں کا اسکول میں ایک ساتھ ہونا بہتر ہے، اگر ان کی تعلیمی ترقی کے لیئے نہیں تو کم از کم ان کی سماجی نشوونما کے لیئے لیکن یہ صحیح نہیں۔ کو ایجوکیشن تعلیمی ترقی اور سماجی نشوونما دونوں کے لیئے نقصان دہ ہو سکتی ہے...... لڑکوں لڑکیوں کو

---

(1) Coleman, James S. (1961). The Adolescent Society: The Social Life of the Teenager and its Impact on Education. New York, The Free Press.

ایک سکول میں جمع کر دینا کوئی نارمل اور صحتمند چیز نہیں۔ یہ چیز زندگی میں موافقت پیدا نہیں کرتی۔ دراصل جیسا کہ اعداد و شمار بتاتے ہیں، یہ چیز زندگی میں ناموافقت پیدا کرتی ہے۔ جب لڑکی مستقبل میں ماڈل گرل یا گلوکارہ یا فلم ایکٹرس بن کر نکلتی ہے۔" (1)

سکول سے ہٹ کر صرف نفسیاتی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو لڑکیوں کی صلح جو نفسیات ہی ایسی ہوتی ہے کہ مخلوط ماحول میں نامحرم مردوں کے درمیان آزادانہ اختلاط (free mixing) سے ان کو نقصان ہی نقصان ہوتا ہے۔ کے بی ہو ینگا (K.B. Hoyenga) اپنی کتاب Sex Diffferences میں بیان کرتے ہیں کہ بچوں اور نوجوانوں پر تجربات نے یہ ثابت کیا ہے کہ لڑکیوں کے لیئے کامیابی کا معیار اچھے نمبر لینا نہیں ہوتا بلکہ سماجی کامیابی ہوتی ہے۔ اکثر اوقات لڑکیوں کو اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ لوگ اُن کی تعلیمی کامیابی کے متعلق کیا سوچیں گے بلکہ یہ فکر ہوتی ہے کہ لوگ اُن کے بارے میں کیا سوچیں گے۔ (2)

یہ تمام تحقیقات صرف غیر مخلوط تعلیم کی برتری ہی ثابت نہیں کرتیں بلکہ اس بات کا ثبوت بھی فراہم کرتی ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو نامحرم مردوں کے سامنے چہرہ چھپانے (نقاب کرنے) کا جو حکم دیا ہے اس سے دراصل خواتین کی خود اعتمادی کے احساس میں اضافہ ہوتا ہے۔ اپنے چہروں اور اپنی خوبصورتی کو نقاب سے چھپانے کے بعد مسلم خواتین کو مردوں کی نگاہوں کا نشانہ بننے کا احساس نہیں ہوتا چنانچہ اسلامی حجاب خواتین کو احساس کمتری (inferiority complex) سے نجات دلاتا ہے۔ چہرے کا پردہ کر کے مسلم خواتین کو اس کی فکر نہیں کرنی پڑتی کہ نامحرم یا اجنبی مرد اُن کے متعلق کیا سوچتے ہوں گے۔

---

(1) Coleman, James S. (1961). The Adolescent Society

(2) Hoyenga, K.B. & Hoyenga, K. (1980). Sex Differences. Boston, Little Brown and Company.

کورٹ شپ، ڈیٹنگ اور شادی سے پہلے کی ملاقاتیں

(Courtship, dating and testing waters before marraige)

اسلام میں جہاں آزاد شہوت رانی حرام ہے وہاں چوری چھپے آشنائیاں (secret love affairs) بھی حرام ہیں (جیسا کہ سورۃ النساء، آیت 25 میں بیان ہوا ہے)۔ اسلام میں کورٹ شپ یا ڈیٹنگ کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایک مسلمان لڑکی کو ہر نامحرم مرد کے سامنے چہرہ چھپانے کا حکم ہے۔ صرف مخصوص حالات میں عورتوں کو نامحرم مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہے (مثلاً نکاح کی نیت ہو یا عدالت میں گواہی دینے کا معاملہ ہو)۔ حدیث میں آتا ہے:

اِذَا خَطَبَ اَحَدُكُمْ اِمْرَاَةً فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّنْظُرَ اِلَيْهَا اِذَا كَانَ اِنَّمَا يَنْظُرُ اِلَيْهَا لِخِطْبَةٍ وَاِنْ كَانَتْ لاَ تَعْلَم.

(مسند احمد عن ابو حمید) (1)

ترجمہ: جب کوئی آدمی کسی عورت کو پیغام نکاح دے تو اس پر عورت کو دیکھ لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ نکاح کا پیغام دینے کے لیئے دیکھ رہا ہو۔ خواہ وہ عورت اس سے بے خبر ہو)۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق لڑکے لڑکی کا جب تک نکاح اور رخصتی نہ ہو جائے، وہ ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہی رہتے ہیں۔ صرف منگنی انہیں محرم نہیں بنا سکتی۔ یہ جو ٹی وی ڈراموں یا فلموں میں دکھایا جاتا ہے کہ منگنی کے بعد لڑکے لڑکی ٹیلیفون پر رابطے کرتے ہیں، تنہائیوں میں

---

(1) مسند احمد عن ابو حمید۔ شیخ ناصر الدین الالبانی ؒ نے اپنی سلسلہ الصحیحہ میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (حدیث نمبر 97) اور لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں.

ملتے اور عشقیہ گفتگو کرتے ہیں، پارکوں اور دریاؤں کے کنارے، کھلی فضا میں پکنک مناتے ہیں یا کاروں میں تنہا سیر و تفریح کرتے ہیں۔ ویلنٹائن ڈے پر محبت بھرے کارڈز کا تبادلہ کرنا یا چاکلیٹیں وغیرہ دینا یہ سب اسلامی شریعت کی رو سے حرام مطلق ہے اور غیر مسلم قوموں کی نقالی ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُم۔ (ابوداؤد)

(جو کسی قوم کی نقالی کرتا ہے، وہ اسی میں سے ہوتا ہے۔)

دوسری حدیث میں حضور ﷺ نے اسلامی کلچر کی سب سے بڑی خصوصیت "شرم وحیا" بتائی ہے:

إِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَ خُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ. (موطا امام مالک)

(ہر دین کا ایک اخلاق ہوتا ہے اور اسلام کا اخلاق حیاء ہے)

لفظ "حیاء" کا مادہ اصل عربی زبان میں "حیات" ہے جس کا مطلب "زندگی" ہے یعنی امت مسلمہ کی زندگی "شرم وحیاء" سے ہے اور بے حیائی میں مسلمان قوم کی موت ہے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی:

إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ. (بخاری)

(اگر تم حیا نہ کرو تو جو چاہو کرو)

اسلام فطرتِ انسانی کے عین مطابق مذہب ہے۔ اسلام غیر محرم مردوں عورتوں کے شادی سے باہر کے تعلقات کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ کورٹ شپ یا لڑکی لڑکے کی شادی سے پہلے کی دوستی میں وہ دونوں ایک دوسرے کو اپنی زندگیوں کے صرف روشن پہلو ہی دکھاتے ہیں۔ ایسے آزادانہ ماحول میں سب سے زیادہ گھاٹا عورت کو ہوتا ہے کیونکہ بقول ڈاکٹر بلال فلپس (Bilal Philips) (کینیڈا کے نومسلم عالمِ اسلام):

"عورتیں معاشرے کا جسمانی لحاظ سے کمزور حصہ ہوتی ہیں اور مرد مضبوط۔ جب بھی مضبوط اور کمزور کا آزادانہ میل جول ہوگا تو مضبوط کمزور کا استحصال کرے گا۔" (1)

جنسی انقلاب کے جدید دور میں یہ بات عام ہے کہ شادی سے پہلے مرد اور عورت کی ملاقاتیں کرنے سے آپس کی ہم آہنگی بڑھتی ہے اور شادی کے بعد کی زندگی میں موافقت اور مناسبت (compatability) پیدا کرنے میں یہ چیز مددگار ثابت ہوتی ہے۔ مشہور حقوق نسواں کی حامی خاتون سکالر جرمین گریئر (Germaine Greer) اپنی حالیہ کتاب The Whole Woman (مطبوعہ نیویارک، 2000ء) میں کورٹ شپ، ڈیٹنگ اور شادی سے پہلے ایک دوسرے کو جاننے کی کوشش کرنا (testing waters before marriage) جیسے عوامی نظریات کی تردید کرتے ہوئے لکھتی ہے:

"Some of the briefest marriages are those that follow a long period of cohabitation." (2)

(وہ شادیاں عام طور پر مختصر ترین ہوتی ہیں جن سے پہلے مرد اور عورت ایک لمبے عرصہ تک ساتھ رہے ہوں (یعنی شادی سے پہلے وہ آپس میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ساتھ رہے ہوں)

اس لیئے یہ بات حیرانگی کی نہیں کہ جدید تہذیب اپنے ساتھ طلاقوں کی اتنی اونچی شرح لائی ہے جو انسانی تاریخ میں کبھی نہیں دیکھی گئی۔ ماہرین نفسیات اور سوشیالوجسٹ حضرات کی تحقیقات نے اس سلسلے میں کافی ثبوت مہیا کیا ہے کہ ڈیٹنگ، کورٹ شپ اور شادی سے پہلے

---

(1) Removing the Veil by Dr. Bilal Philips, n.d., Riyadh

(2) Greer, Germaine (2000). The Whole Woman. New York, Anchor Books.

بدکاری مستقبل میں پائیدار اور مضبوط ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی راہ میں بڑی رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ ماہرین نفسیات جو کم عمر جوانوں کی ڈیٹنگ (Teenage Dating) کا مطالعہ کرتے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ اس عمر کے دور میں معاشقانہ تعلقات (Romantic relationships) کی بنیاد شخصی خصوصیات نہیں ہوتیں بلکہ نوجوانوں کے گروپ میں مقبولیت کے درجہ پر منحصر ہوتی ہے۔

سوشیالوجسٹ براؤن بریڈفورڈ (Brown Bradford) کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ ٹین ایج گروپ میں سے سب سے مقبول لڑکا، سب سے مقبول لڑکی کے ساتھ معاشقانہ تعلقات قائم کرے گا اور وہ ڈیٹنگ پر جائیں گے۔ اسی طرح دوسرے نمبر پر سب سے مقبول لڑکا، لڑکیوں کے گروپ میں سے دوسرے نمبر پر سب سے مقبول لڑکی کے ساتھ معاشقہ کریگا اور یہی حال بقیہ نوجوانوں کا ہوگا۔ (1)

امریکہ کی صحافی خاتون لنڈا پرسٹین (Linda Perlstein) نے مڈل سکول کے طالب علموں کے ساتھ ایک پورا سال اس مقصد کے لیے گزارا تا کہ وہ ان نوجوانوں کے آپس کے معاشقوں کی ماہیت کا مطالعہ کر سکے۔ اپنی کتاب "Not Much Just Chilling": The Hidden Lives of Middle Schoolers (مطبوعہ نیویارک، 2003ء) میں مس لنڈا بیان کرتی ہیں کہ معاشقے کے لیے لڑکے کا انتخاب کرنے میں اسکولوں میں لڑکیاں اپنی ذاتی رائے استعمال نہیں کر رہی تھیں بلکہ اس معاملے میں اپنی سہیلیوں کی آراء (opinions of their peers) پر اندھا اعتماد کر رہی تھیں۔ لنڈا کے الفاظ میں:

"لڑکیاں جب کسی لڑکے کا ڈیٹ پر جانے کے لیے انتخاب کرتی تھیں تو اکثر اُس کی وجہ

---

(1) Brown, B. Bradford, " 'You're Going Out with WHO?' Peer Group Influences on Adolescent Romantic Relationships" in Furman, Wyndol, B. Bradford Brown & Candice Feiring, eds., (1999). The Development of Romantic Relationships in Adolescence. New York, Cambridge University Press.

یہ ہوتی تھی کہ اُس کی سہیلیوں میں سے کسی نے اُس لڑکے کی تعریف یا توثیق کی ہوتی تھی۔ یہ انتخاب اکثر اوقات سطحی باتوں کے متعلق ہوتا تھا۔ مثلاً وہ صحیح نظر آتا ہے، اس لڑکے نے کپڑے صحیح پہنے ہوئے تھے..... پہلی دفعہ ڈیٹ کا کہنے یا تعلقات کو توڑنے کے لیے بیچ کے کسی لڑکی لڑکے کو استعمال کیا جاتا ہے۔" (1)

یہی وجہ ہے کہ ہائی سکولوں میں ایک اوسط معاشقے (average romantic relationship) کی مدت تقریباً 11 ہفتے ہوتی ہے جیسا کہ عمرانی علوم کے ایک نہایت موقر جریدے Journal of Biosocial Science کے 2000ء کے شمارے میں شائع ایک تحقیق میں دو یورپی محققین نیویل بروس (Neville Bruce) اور کیتھرین سینڈرز (Katherine Sanders) نے یہ ثابت کیا تھا۔ (2)

مستقبل میں زندگی کے نشیب و فراز میں میاں بیوی کے ساتھ رہنے اور طویل و مضبوط تعلق قائم ہونے کے معاملے میں ایسے مختصر معاشقے لڑکی لڑکے کو بدترین قسم کی تیاری کرواتے ہیں۔ بروس اور سینڈرز کے مشاہدات پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر لیونارڈ سیکس لکھتے ہیں:

"اکثر والدین یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے بچوں کے نوجوانی کے دور کے معاشقے انہیں مستقبل میں میاں بیوی کے زیادہ سنجیدہ تعلقات کے لیے اچھی تیاری کرواتے ہیں۔ دراصل ہم چلنا سیکھنے سے پہلے بھاگنا نہیں سیکھ سکتے۔ ماہرین نفسیات جو نوجوانوں کے معاشقوں کا مطالعہ کرتے ہیں وہ ایک مختلف ہی نتیجے پر پہنچے ہیں۔" (3)

---

(1) Perlstein, Linda (2003). Not Much Just Chillin': The Hidden Lives of Middle Schoolers. New York, Farrar, Straus & Giroux.

(2) Bruce, Nevile & Sanders, Katherine (2001). "Incidence and Duration of Romantic Attraction in Students Progressing from Secondary to Tertiary Education." Journal of Biosocial Science 33: 173-184.

(3) Sax, Leonard M.D., Ph.D. (2005). Why Gender Matters . New York, Broadway.

پھر ڈاکٹر بیکس دو ماہرین نفسیات وائنڈول فرمین (Wyndol Furman) اور الزبتھ ویہنر (Elizabeth Wehner) کا ذکر کرتے ہیں جنھوں نے نوجوانوں کے معاشقوں پر کئی سالوں تک تحقیقات کیں۔ ان مڈل سکول اور ہائی سکول کے متعلق وائنڈول اور الزبتھ نے بیان کیا کہ "ان نوجوانوں (adolescents) کے معاشقوں کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ ایک دوسرے سے وابستگی اور وفاداری قائم ہو۔۔۔۔۔اس کی بجائے ان نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے معاشقوں کا مطمح نظر یہ ہوتا ہے کہ وہ کیا ہیں، وہ کتنے پرکشش ہیں۔۔۔۔۔اور یہ سب کچھ ان کے دوستوں یا سہیلیوں کے گروپ میں کیسا سمجھا جاتا ہے۔" (1)

اس طرح کے معاشقوں کے نتیجے میں نوجوان ایسی بہت سی بری عادات کا شکار ہو جاتے ہیں جو مستقبل میں ان کی شادی شدہ زندگی میں فساد پیدا کرتی ہیں۔ وائنڈول اور الزبتھ کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر لیو مارڈ بیکس لکھتے ہیں:

"معاشقوں (love affairs) اور ڈیٹنگ کے تعلقات کے دوران نوجوان بہت سی بری عادات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک لڑکے کو یہ عادت پڑ جاتی ہے کہ وہ اپنی گرل فرینڈ کو صرف جنسی تسکین کا ذریعہ سمجھے بغیر ایک انسانی رشتہ کی قدر کرنے کے۔ ایک لڑکی کو یہ عادت پڑ سکتی ہے کہ وہ لڑکے کو صرف ایک "ٹرائی ہوا بوائے فرینڈ" سمجھے، بغیر ازدواجی زندگی کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اور ہو سکتا ہے کہ دونوں کو یہ عادت پڑ جائے کہ جونہی کوئی زیادہ بہتر نظر آنے والا/ والی یا زیادہ مقبول پارٹنر نظر آئے تو پہلے والے/ والی کو چھوڑ دیا جائے۔۔۔۔۔جب یہ نوجوان مکمل جوانی میں پہنچتے ہیں اور سنجیدہ ازدواجی زندگی شروع کرنے کا ٹائم آتا ہے تو ان لڑکوں لڑکیوں کو ایسی بہت سی بُری

---

(1) Furman, Wyndol & Wehner, Elizabeth, " Adolescent Romantic Relationships: A Developmental Perspective" in Shulman, Shmuel & Collins, Andrew, eds., (1997). Romantic Relationships in Adolescence: Developmental Perspectives. San Francisco, Wiley.

عادات پڑ چکی ہوتی ہیں جن سے انہیں چھٹکارا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یہ زیادہ بہتر ہوتا کہ نوجوانی میں شادی سے پہلے ایسے معاشقے (affairs) انہوں نے نہ ہی کئے ہوتے۔" (1)

دنیا کے اکثر کلچرز میں لڑکے لڑکیاں شادی سے پہلے گھلتے ملتے نہیں تھے حتیٰ کہ وہ شادی کی عمر کو پہنچ جاتے اور دنیا کے اکثر کلچرز میں آج بھی والدین کی مرضی سے شادیاں (arranged marriages) ہوتی ہیں۔ امریکہ کی کارنیل یونیورسٹی کی سماجی مؤرخ خاتون جوان برمبرگ (Joan Brumberg) اپنی کتاب "The Body Project" میں بیان کرتی ہیں کہ "1950ء سے پہلے امریکہ میں والدین عام طور پر اپنے بچوں کو بالخصوص اپنی بیٹیوں کو کورٹ شپ، ڈیٹنگ یا شادی سے پہلے لڑکوں سے ملاقاتوں کی اجازت نہیں دیتے تھے۔" (2)

تاہم میڈیا، ٹی وی، انٹرنیٹ، وغیرہ کی وجہ سے اب امریکہ میں نوجوان اپنے والدین سے باغی ہو کر کورٹ شپ اور ڈیٹنگ کرتے ہیں۔ ان تمام تحقیقات کی روشنی میں ہمیں اسلام کے پردے کے احکام کی حکمت بھی سمجھ آتی ہے اور اسلام کے اس حکم کی سمجھ بھی آتی ہے کہ مسلمان لڑکی بغیر ولی کے اپنا نکاح نہیں کر سکتی جیسا کہ ہمیں احادیث سے پتہ چلتا ہے:

(1) حضور ﷺ نے فرمایا: لَانِکَاحَ اِلاَّ بِوَلِیٍّ۔ (ابوداؤد، احمد، ترمذی)
(ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں)
یہ ایک متواتر حدیث ہے جسے دس سے زیادہ صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔

(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ "جس عورت نے بھی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا، وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے، وہ نکاح باطل ہے۔ اگر ان کا آپس میں ملاپ ہو گیا تو

---

(1) Sax, Leonard M.D., Ph.D. (2005). Why Gender Matters . New Broadway. York,

(2) Brumberg, Joan Jacobs (1997). The Body Project: An Intimate History of American Girls. New York, Random House.

اس کی وجہ سے عورت کو حق مہر دیا جائے گا،اگر ان کا اختلاف اور جھگڑا ہو تو سلطان وقت اس عورت کا ولی ہوگا،جس کا کوئی ولی نہ ہو۔" (ابو داؤد،ترمذی،ابن ماجہ،مسند احمد)

(3) حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کوئی عورت کسی دوسری عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ عورت خود اپنا نکاح کرے۔" (ابن ماجہ، دار قطنی)

اِن تینوں احادیث کو خوب چھان پھٹک کر شیخ ناصر الدین البانی ﷫ نے اپنی کتاب "ارواء الغلیل" میں صحیح قرار دیا ہے۔

ولی سے مراد لڑکی کا والد یا خاندان کا بزرگ سربراہ ہوتا ہے۔اسلامی تعلیمات کے مطابق نکاح لڑکی کی مرضی و مشورے سے ہونا چاہیے مگر ولی کے ذریعے طے پایا جانا چاہیئے۔نکاح کے تمام انتظامات ولی نے کرنے ہوتے ہیں۔پہلے موزوں رشتے کا انتخاب پھر شادی کا انعقاد اور پھر تمام عمر اس شادی سے پیدا شدہ اچھے یا برے مسائل کا بندوبست بھی ولی نے کرنا ہوتا ہے۔

اگر شادی کا معاملہ بغیر ولی کی موجودگی کے لو افیئر (love affair) اور کورٹ میرج کے ذریعے کیا جائے تو اُس کا انجام وہی ہوتا ہے جو اوپر بیان کئے گئے ہائی سکول کے معاشقوں کا ہو رہا ہے حتیٰ کہ مغرب کے اربابِ بصیرت بھی اُن معاشقوں کی بری ناکامی پر چیخ اُٹھے ہیں۔

نقاب کرنے کے میڈیکل فوائد

اسلام کا ہر حکم سراپا حکمت پر مبنی ہے اور اُس کا مقصد لوگوں کو نفع پہنچانا ہے۔علامہ عزالدین بن عبدالسلام نے فرمایا تھا کہ شریعت کے تمام احکام کے بنیادی مقاصد صرف دو ہیں:

جَلْبُ الْمَصَالِحِ وَدَرْءُ الْمَفَاسِدِ۔

(لوگوں کو فائدہ پہنچانا اور لوگوں سے نقصان کو دور کرنا)

اسلام کے معاشرتی نظام کے متعلق احکامات میں ایک بنیادی حکم عورتوں کا نامحرم مردوں کے ساتھ یا گھر سے باہر پبلک مقامات پر چہرے کا پردہ کرنے کا ہے۔ نقاب پہننے سے عورتوں کو بہت سے میڈیکل فوائد حاصل ہوتے ہیں جن پر یہاں بحث کی جائے گی۔

میڈیکل ماسک یا "میڈیکل نقاب"

یہ ایک معلوم بات ہے کہ سانس کے انفیکشنز سے بچاؤ کے لیے ڈاکٹر حضرات لوگوں کو چہرے کا ماسک (Face-Mask) استعمال کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ Fase-Mask پہننے سے سانس لینے والی ہوا صاف ہو کر پھیپھڑوں میں جاتی ہے۔ سینے کی اکثر و بیشتر بیماریاں چھوت کی ہوتی ہے۔ زکام، نزلہ، سوائن فلو وغیرہ بھی ایک سے دوسرے کو لگتی ہیں۔ یہی حال تپ دق، چیچک، کھانسی، خسرہ، خناق وغیرہ کا ہے۔ سانس کی بیماریوں کے مریض جب بات کرتے ہیں تو ان کی سانس کے ساتھ ہزاروں جراثیم بھی نکلتے ہیں جو مخاطب کی سانس میں شامل ہو کر اُس کے جسم کے اندر جا کر اُسے بھی بیمار کر سکتے ہیں۔ جدید میڈیسن میں اِس عمل کو Droplet infection کہتے ہیں۔ خاص طور پر بھیڑ بھاڑ سے وائرس زیادہ لوگوں کو متاثر کر سکتا ہے۔ پبلک مقامات جہاں کافی لوگ جمع ہوں، سانس کی بیماریوں کے پھیلاؤ کا باعث ہو سکتے ہیں۔

میڈیکل ماسک (Medical face mask) کی طرح نقاب بھی سانس لینے سے پہلے ہوا کو صاف کرتا ہے۔ مزید یہ کہ نقاب باہر کے گرد و غبار اور سڑکوں پر گاڑیوں کے دھوئیں (car exhaust) سے حفاظت کرتا ہے اور ہوا میں موجود کثافتوں کو فلٹر کر دیتا ہے۔

آج جبکہ سوائن فلو (swine flu) کی مہلک وبا کا خطرہ پوری دنیا کے سر پر منڈلا رہا ہے، میڈیکل ماہرین لوگوں کو پبلک جگہوں پر اپنے چہروں پر میڈیکل ماسک پہننے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ امریکہ کے Center for Disease Control & (CDC) Prevention نے انفلوئنزا اے (H1N1) وائرس سے بچاؤ کے متعلق جو ہدایات شائع کی

ہیں اُن میں لکھا ہے: ”چہرے کے ماسک (Face masks) کی مدد سے اُسکا پہننے والا اِس چیز سے محفوظ رہتا ہے کہ جراثیم اُس کے ناک یا منہ میں داخل ہوں۔“ (1)

گو کہ چہرے کے ماسک (Face mask) کے فوائد کے متعلق باضابطہ سائنسی تحقیقات کم ہوئی ہیں تاہم حال ہی میں یونیورسٹی آف نیو ساؤتھ ویلز (University of New South Wales) کی ایک تحقیق نے یہ ثابت کیا ہے کہ چہرے کے ماسک (Facemask) سے چہرے کو چھپانے سے سانس کے انفکشنز (respiretory infections) کے امکانات 75 فیصد تک کم ہوجاتے ہیں۔ امریکہ کے محکمہ CDC کے جریدے "Emerging Infections Diseases" کے فروری 2009ء کے شمارے میں اِس ریسرچ کے نتائج شائع ہوئے۔ اِس تحقیق کی سربراہی ایک خاتون سائنسدان کر رہی تھیں جن کا نام رائنا میک انٹائر (Raina MacIntyre) جو یونیورسٹی کے محکمہ عوامی ہیلتھ (school of public health) کی سربراہ بھی ہیں۔ یونیورسٹی کی پریس ریلیز میں پروفیسر رائنا نے کہا:

"We now have provided that evidence. Masks play an important role in reducing transmission if they are worn properly. There is no effective treatment for the 90 or so common cold viruses that make families sick each winter, but masks could provide simple and effective protection." (2)

---

(1) Centers for Disease Control and Prevention (2009) "Interim Recommendations for Facemask and Respirator Use to Reduce 2009 Influenza A (H1N1) Virus Transmission". Atlanta, Georgia.

(2) MacIntyre, C. Raina, Simon Cauchemez, Dominic E. Dwyer, et al (February 2009). "Face Mask Use and Control of Respiratory Virus Transmission in Households." Emerging Infectious Diseases. 15 (2)

"اب ہم نے ثبوت مہیا کردیا ہے اگر ماسک (میڈیکل نقاب) صحیح طرح پہنے جائیں تو یہ بیماری کی ترسیل روکنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ نزلہ زکام کے 90 سے زیادہ مختلف قسم کے وائرس ہیں جو ہر سال موسم سرما میں خاندانوں کو بیمار کرتے ہیں لیکن ان کا کوئی علاج موجود نہیں لیکن چہرے کو ماسک سے چھپانے سے ایک سادہ اور موثر حفاظت ہو جاتی ہے۔"

اس تحقیق میں یونیورسٹی کے سائنسدانوں نے سڈنی کے ویسٹ میڈ کالج (Sydney's Westmeed Hospital) اور دیگر اداروں کے ساتھ مل کر 143 خاندانوں کے 280 مردوں عورتوں کو سڈنی شہر میں 2006ء اور 2007ء کے موسم سرما میں ریسرچ میں شامل کیا۔ اس تحقیق کے نتائج نے ثابت کردیا کہ میڈیکل ماسک (نقاب) پہننے سے سانس کی بیماریوں سے بچنے کے امکانات بہت بڑھ جاتے ہیں۔

چہرے پر میڈیکل ماسک یا نقاب پہن کر سانس کی خطرناک بیماریوں مثلاً انفلوئنزا اور SARS (severe acute respiratory syndrome) سے بچنے کے امکانات بھی بڑھ جاتے ہیں۔ ہسپتالوں میں کام کرنے والے اسی وجہ سے میڈیکل ماسک پہنتے ہیں۔ جیسے جیسے دنیا کی عوام میں SARS اور سوائن فلو (Swine flu) کے متعلق آگاہی بڑھ رہی ہے، زیادہ سے زیادہ لوگ پبلک مقامات پر چہرے کے ماسک (میڈیکل نقاب) استعمال کرتے ہیں۔ بالخصوص موسم سرما میں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب SARS کی عالمی وبا اپنے عروج پر تھی تو ایک تحقیق کے مطابق ہانگ کانگ (Hong Kong) میں اپریل اور مئی 2003ء میں وہاں کی تقریباً 76 فیصد آبادی گھروں سے باہر اپنے چہروں کو ماسک سے چھپاتی تھی۔ (1)

اس لحاظ سے تو ان لوگوں پر حیرانگی ہوتی ہے جو مسلمان عورتوں کے نقاب پر اعتراض کرتے ہیں لیکن میڈیکل ماسک یا نقاب کی اہمیت کا اقرار کرتے ہیں حالانکہ اسلامی نقاب اور

---

(1) Lo, Janice Y.C., Thomas H.F. Tsang, Yiu-Hong Leung, et al (November 2005). "Respiratory Infections during SARS Outbreak, Hong Kong, 2003." Emerging Infectious Diseases. 11 (11)

میڈیکل نقاب میں آخر فرق کیا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ فرانس میں جب حال ہی میں برقعہ اور نقاب پبلک مقامات پر پہننے پر پابندی کا قانون پاس ہوا تو اب وہاں کی صاحب بصیرت مسلمان خواتین نے نقاب کی بجائے میڈیکل ماسک پہننے شروع کر دیئے ہیں اور فرانس کی اسلام دشمن حکومت اب حیرت کا شکار ہے کہ اب کرے تو کیا کرے۔ پہلے فرانس کی حکومت نے مصر جا کر وہاں کی حکومت کے نافذ کردہ جامعۃ الازھر کے سب سے بڑے عالم شیخ طنطاوی (جو کہ خود کلین شیو ہے جو کہ اسکی منافقت کی کھلی دلیل ہے) سے نقاب کے خلاف فتویٰ حاصل کیا کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے (حالانکہ نقاب کا مسئلہ ایک اختلافی مسئلہ نہیں) پھر اپنے ملک میں جا کر نقاب کے خلاف قانون بنا ڈالا۔ اسلام کے خلاف جب بھی تاریخ میں کوئی قدم اٹھا، ہمیشہ منافقوں اور کافروں کی ملی بھگت سے اٹھا۔ تاہم فرانس کی حکومت اِس بات کو بھول گئی تھی کہ مومن کو اللہ تعالیٰ نے بہت گہری فراست عطا فرمائی ہوتی ہے۔ فرانس کی مسلم خواتین نے اِس مشکل کا حل نکال لیا ہے۔ اب وہ گھر سے باہر کپڑے کا نقاب پہنے کی بجائے میڈیکل ماسک پہنتی ہیں اور حکومت کے پوچھنے پر وہ یہ کہتی ہیں کہ انھوں نے میڈیکل ماسک اسلئے پہنا ہے کہ وہ جراثیم سے بچنا چاہتی ہیں اور فرانس کی حکومت اب کھسیاہٹ میں کھمبا نوچ رہی ہے۔

چہرے کی جلد اور نقاب کے میڈیکل فوائد

چہرے کا پردہ کرنے کے عورتوں کے چہرے کی جلد (Facial Skin) پر بہت اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ عصر حاضر کے عظیم محقق اور اسلامی سکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے ایک مرتبہ پیرس میں غیر مسلم خواتین کو نقاب کے میڈیکل فوائد کے سلسلے میں اِس بات کی طرف اشارہ کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

"قرآن مجید نے خمار اور جلباب دو قسم کے برقعوں کا ذکر کیا ہے، خمار صرف چہرے کو چھپاتا ہے اور جلباب سارے لباس کو ڈھانپ لیتا ہے۔

ایک دن پیرس میں ایک زنانہ انجمن نے (جس میں سفیروں کی بیویاں وغیرہ، صرف طبقہ اعلیٰ

کی خواتین رکن ہیں) مجھے اس موضوع پر تقریر کی دعوت دی۔ میں نے کہا:

'نقاب عورت پر پابندی کے لیے نہیں بلکہ خود اُسی کے فائدے کے لیے ہے (قرآن سے پہلے عہد جدید یعنی انجیل میں سینٹ پال نے بھی یہی حکم دیا ہے)۔ عورت فطرۃً بن ٹھن کر رہتی ہے کہ خوبصورت نظر آئے۔ نقاب اُسی حسن کی حفاظت کیلئے ہے۔ آپ دیہات میں دھوپ میں کام کرنے والی عورتوں کے ہاتھ کا اپنے نازک ہاتھ سے مقابلہ کیجیے۔ اپنے چہرے اور ہاتھ کے چمڑے اور رنگ کا اپنے ہی جسم کے ہمیشہ ڈھکے رہنے والے اعضاء کے چمڑے اور رنگ سے مقابلہ کیجیے۔ کسی جانور کو لیجیے اور اُس کی پیٹھ اور پیٹ کے چمڑوں کا مقابلہ کیجیے۔ کسی پرندے کو لیکر اُس کے بیرونی اور دھوپ کھانے والے پروں کا مقابلہ اُن پروں سے کیجیے جو پنکھوں کے اندر ڈھکے رہتے ہیں اور دھوپ کی مار نہیں کھاتے ہیں۔ جو عورت عادتاً نقاب استعمال کرے گی، اس کی ملاحت اور اس کے جسم کی ملائمت کا مقابلہ وہ عورت کبھی نہیں کر سکتی جو نقاب کو وبال جان سمجھتی ہے۔' میں نے دیکھا چہروں پر خفگی کی جگہ مسکراہٹ تھی اور جب میں جانے لگا تو میکسیکو کے سفیر کی بیوی نے کہا اب میں نقاب شروع کروں گی۔" (1)

ڈاکٹر حمید اللہ کے بیان کئے گئے مشاہدات کی جدید سائنس تائید کرتی ہے۔ مردوں اور عورتوں کے چہرے کی جلد میں بہت سے واضح فرق پائے جاتے ہیں۔ خواتین کے چہرے کی جلد مردوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ حساس ہوتی ہے اور نقاب پہننے سے اسکی حفاظت ہوتی ہے۔ یہاں پر مردوں اور عورتوں کے چہرے کی جلد کے چند فرق بیان کئے جاتے ہیں۔

چہرے کی جلد کی موٹائی (Skin Thickness):

مرد حضرات کے چہرے کی جلد عورتوں کے چہرے کی جلد کے مقابلے میں موٹی (thick) ہوتی ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ عورتوں کی جلد (skin) کو سورج کی بالائے بنفشی

---

(1) خاتون پاکستان، قرآن مجید نمبر، مطبوعہ ۱۳۸۴ھ

شعاعیں (ultraviolet rays of the sun) زیادہ نقصان پہنچاتی ہیں، اگر سورج کی شعاعیں ان کے چہروں پر پڑیں۔ یہی وجہ ہے کہ عورتوں کے چہرے پر سورج کی شعاعوں کی وجہ سے بڑھاپا (sun aging) جلدی طاری ہوتا ہے۔ مردوں کے چہرے کو سورج کی شعاعوں سے عورتوں کے مقابلے میں آدھا نقصان بھی نہیں پہنچتا۔ سورج کی شعاعوں کی وجہ سے عورتوں کے چہرے پر جھریاں (wrinkles) جلدی پڑتی ہیں اور بہت جلد ڈھیلی (loose) بن جاتی ہے۔

نقاب پہننے کی وجہ سے عورتوں کے چہرے کی جلد سورج کی شعاعوں اور ماحول کی کثافتوں (environmental pollution) کے بُرے اثرات سے محفوظ رہتی ہے اور ایسی عورتوں کے چہروں پر بڑھاپے کے آثار کافی دیر سے نمودار ہوتے ہیں۔

جلد کی عمر رسیدگی کا عمل (Skin Aging):

جیسے جیسے انسان کی جلد کی عمر بڑھتی ہے، اسکی خاصیات میں تبدیلیاں نمودار ہوتی ہیں۔ حال ہی میں ہونے والی ایک تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ عورتوں کی جلد مردوں کی جلد کے مقابلے میں جلدی بڑھاپے کا شکار ہوتی ہے۔

جدید لیزر تکنیک (new laser imaging technique) استعمال کر کے سائنسدانوں نے جلد کی گہری تہوں کا مشاہدہ کیا اور سورج کی شعاعوں اور عمر رسیدگی کی وجہ سے ہونے والے نقصان کو مردوں اور عورتوں کی جلد میں ناپا۔ کولیجن (Collagen) اور ایلاسٹن (elastin) دو ایسی پروٹینز ہیں جو انسانی جلد میں پائی جاتی ہیں اور اُن کے نقصان ہونے سے چہرے اور جسم پر جھریاں پڑ جاتی ہیں اور ملائمت (smoothness of skin) ختم ہو جاتی ہے۔ لیزر کے ذریعے لی گئی کولیجن اور ایلاسٹن کی تصاویر کے مشاہدے سے پتہ چلا کہ خواتین میں

عمر رسیدگی کے ساتھ یا سورج کی شعاعوں کے زیر اثر یہ پروٹینز جلدی تباہ ہوجاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جن خواتین کے چہروں پر مردوں کی برابر مدت تک سورج کی شعاعیں پڑی ہوں وہ عورتیں عمر میں ان مردوں سے کئی سال بڑی نظر آتی ہیں۔ اسکے برعکس گھر سے باہر جو عورتیں نقاب کر کے نکلتی ہیں، اُن کے چہروں پر سورج کی شعاعوں سے پیدا ہونے والی جھریاں (wrinkles) نہیں پیدا ہوتیں اور اُن پر بڑھاپے کے آثار دیر سے نمودار ہوتے ہیں۔ (1)

چہرے کے بال(Facial Hair):

مردوں اور عورتوں کے چہروں میں ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ مردوں کے تقریباً تمام چہرے پر بال اگتے ہیں جبکہ عورتوں کے چہرے پر ایسا معاملہ نہیں ہوتا۔ مردوں کے چہروں پر داڑھی کے بالوں کی وجہ سے ان کے چہروں کی کئی لحاظ سے حفاظت ہوتی ہے۔ میڈیکل ڈاکٹر بتاتے ہیں کہ اگر داڑھی رکھ لی جائے تو گلے کی بیماریوں کے لاحق ہونے کے امکانات بہت کم رہ جاتے ہیں۔ دمہ کی وجہ سے ہونے والی پرانی کھانسی کا علاج بھی داڑھی رکھنے میں پوشیدہ ہے۔ ایک محقق نے اپنے اوپر تجربہ کر کے یہ ثابت کیا کہ داڑھی کی موجودگی گلے کو گرم رکھتی ہے۔ (2)

چونکہ مردوں کے چہروں پر بالوں کے غدود (hair follicles) عورتوں کی نسبت زیادہ بال پیدا کرتے ہیں اس لئے مردوں کے یہ غدود سائز میں بہت چھوٹے ہوتے ہیں اور ماحول اور ہوا سے کیمیادی مادوں (chemicals) کو آسانی سے جذب نہیں کرتے جبکہ خواتین

---

(1) Goudarzi, Sara (03 October 2006). "A Woman's Skin Ages Faster." Health section: http://www.livescience.com/health/061003_women_skin.html

(2) داڑھی کی اہمیت قرآن وسنت اور جدید سائنس کی روشنی میں، ڈاکٹر گوہر مشتاق، مطبوعہ ازان سحر پبلشرز، لاہور 2009ء

کے چہرے پر موجود غدود ہوا سے کثافتوں کو اپنے اندر آسانی سے جذب کر لیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ چہرے کو صاف کرنے والی کریمز (facial cleansing creams) عورتوں کے چہرے کے لئے آسانی سے تیار ہو جاتی ہیں لیکن مردوں کے چہروں کی جلد کو صاف کرنے والی کریم تیار کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا کیونکہ وہ کسی کریم کو جلدی جذب نہیں کرتا۔اِس سے ہمیں یہ بات سمجھ آسکتی ہے کہ نہ صرف مردوں کے چہرے پر داڑھی کے بال اُنکے چہروں کی حفاظت کرتے ہیں بلکہ مزید یہ کہ اُن کے چہرے پر سائز میں چھوٹے غدود بھی آسانی سے کسی زہریلے مادے کو جذب نہیں ہونے دیتے۔اس لئے مردوں کو جب وہ گھر سے باہر نکلتے ہیں تو اپنے چہروں کو نقاب سے چھپانے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ داڑھی خود ہی ان کے چہروں کی حفاظت کرتی ہے۔اِس کے برعکس خواتین کے چہروں پر نہ صرف بالوں کی موجودگی نہیں ہوتی بلکہ اُن کے غدود (sebaceous glands) بھی بیرونی کیماوٗں کو آسانی سے جذب کر لیتے ہیں۔اس لئے جب خواتین گھر سے باہر جاتی ہیں تو نقاب اُن کے چہروں کو گرد و غبار، ماحولیاتی کثافتوں (enviornmental pollutants) اور موسم کے برے اثرات سے بچاتا ہے۔

چکنی جلد (Oily Skin):

مردوں کے چہرے کی جلد عورتوں کے مقابلے میں زیادہ چکنی ہوتی ہے۔اِس کی بنیادی وجہ مردانہ ہارمون Testosterone کی موجودگی ہوتی ہے جس کے زیرِ اثر مردوں کے چہرے کی جلد زیادہ مقدار میں چکنی رطوبتیں (oily secretions) خارج کرتی ہے۔جلد پر زیادہ چکنائی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کے چہرے کی جلد سورج کی شعاعوں کی زیادہ مقدار کو جذب کرنے کی بجائے منعکس (reflect) کر دیتی ہے اور جلد کو شعاعیں نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔اِسکے برعکس اگر خواتین گھر سے باہر کھلے چہرے کے ساتھ نکلتی ہیں تو چہرے کی جلد سورج کی شعاعوں کے بیشتر حصے کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے جو نقصان کا باعث ہوتا ہے۔گھر سے باہر خواتین جب نقاب سے اپنے چہرے کو چھپاتی ہیں تو یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

اعصابی ریشے (Nerve Fibers):

آخر میں ایک اہم فرق جو جدید ریسرچ نے ثابت کیا ہے، وہ یہ ہے کہ مردوں کی جلد میں عورتوں کی جلد کے مقابلے میں اعصابی ریشے (nerve fibers) 50 فیصد کم ہوتے ہیں۔ سائنسی جریدے "Plastic and Reconstructive Surgery" کے اکتوبر 2005ء کے شمارے میں یہ رپورٹ پیش کی گئی تھی کہ خواتین کی جلد میں Nerve Fibers زیادہ مقدار میں ہوتے ہیں جسکی وجہ سے عورتیں مردوں سے زیادہ درد کی شدت محسوس کرتی ہیں۔ یہ تحقیق Southern Illinois University کے میڈیکل کالج کے ڈاکٹر بریڈن (Brenden J. Silhelmi, MD) اور انکے معاونین نے کی۔ اِس تحقیق میں انہوں نے کئی مردوں اور عورتوں کی لاشوں کی جلد کے حصوں کے اندر کی تہوں کا معائنہ کیا اور دریافت کیا کہ عورتوں کی جلد میں ہر سنٹی میٹر میں 34 اعصابی ریشے (34 nerve fibers per centimeter) ہوتے ہیں جبکہ مردوں کی جلد میں اوسطاً 17 اعصابی ریشے فی سینٹی میٹر ہوتے ہیں۔ (1)

اس سے ہمیں سمجھ آسکتا ہے کہ عورتوں کو کسی بھی تکلیف کا درد مرد حضرات کے مقابلے میں زیادہ کیوں ہوتا ہے۔ اِس سے یہ بھی سمجھ آسکتا ہے کہ اگر عورتیں کھلے چہرے کے ساتھ گھر سے باہر نکلتی ہیں تو انہیں سورج کی شعاعوں کی تپش یا موسم گرما میں گرم ہواؤں کے جھونکے یا موسم سرما میں ٹھنڈی ہوا کی یخ بستگی اپنے چہرے پر مردوں کے مقابلے میں زیادہ شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ چونکہ اسلام پوری انسانیت کے لیئے رحمت ہے، اس لئے عورتوں کے چہرے کی نرم، نازک اور حساس جلد کی حفاظت کے لئے اسلام نے خواتین کو اپنے چہرے ڈھانپ کر گھر سے باہر نکلنے کا حکم دیا ہے۔ المختصر یہ کہ جب خواتین گھروں سے باہر اپنے چہروں کو نقاب سے چھپا کر نکلتی ہیں تو یہ چیز ان کے چہرے کی جلد کی بے شمار طریقوں سے حفاظت کرتی ہے۔ نقاب کے اندر مسلمان خواتین کے لیے ہر لحاظ سے فائدہ ہے!!

---

(1) Mowlavi, Arian (M.D.), Damon Cooney (M.D.) Lori R.T. Febus (R.) et al (2005). "Increased Cutaneous Nerve Fibers in Female Specimens." Plastic and Reconstructive Surgery. 116; 1407-1410.

باب نمبر 9

مسلم معاشروں میں مغربی استعمار سے پہلے خواتین کا چہرے کا پردہ

جب چشمہ پہاڑ کے اندر سے نمودار ہوتا ہے تو اس کا پانی شفاف آئینے کی مانند ہوتا ہے لیکن جب بھی صاف پانی نیچے کی جانب میدانوں اور زمینوں کی طرف بہتا چلا جاتا ہے تو راہ میں آنے والی گندگی اور غلاظت اُس پانی کو گدلا اور کیچڑ والا بنا دیتی ہے۔ جو لوگ اشیاء کو سطحی نگاہ سے دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں، وہ پانی کی آخری حالت کو دیکھ کر یہی سمجھنا شروع کر دیتے ہیں کہ پانی ابتداء سے ہی میلا کچیلا چلا آ رہا ہے۔ یہی مثال مسلمان خواتین کے چہرے کے پردے کے متعلق بھی صادق آتی ہے۔ چودہ سو سال پہلے اسلام کے صاف پانی کا چشمہ مکہ کے پہاڑوں سے نکلا اور مشرق و مغرب کی طرف بہتا چلا گیا۔ اُس تمام دور میں اسلامی معاشروں میں جب بھی مسلمان خواتین گھروں سے باہر نکلتی تھیں تو چہرے کا پردہ کر کے نکلتی تھیں۔ تاہم جب یورپی استعماری قوتوں اور حکومتوں نے 200 سال پہلے مسلمان ممالک میں اپنے پنجے گاڑے اور مسلمان ممالک کو غلام بنانا شروع کیا تو ان مغربی آقاؤں نے مسلمان عورت کے چہرے کے پردے کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا۔ پھر مغرب کے جنسی انقلاب نے میڈیا کی پشت پناہی میں مسلم معاشروں کو متاثر کیا۔ مغربی آقاؤں نے زبردستی مسلمان خواتین کے چہروں سے نقاب نوچا تو

میڈیا نے مسلمان خواتین کی برین واشنگ کے ذریعے انہیں برضا ورغبت بے پردہ ہونے پر آکسایا۔ نتیجتاً پہلے نقاب مسلمان عورتوں کے چہروں سے غائب ہوا، پھر سر سے سکارف اور دوپٹہ اترا اور آخر میں ٹائیٹ جینز (Skinny Jeans) کی آمد سے ڈھیلے ڈھالے عبائے اور گاؤن غائب ہوئے۔ آج بعض روشن خیال مسلمان مفکرین مسلم معاشروں کو سطحی نگاہ سے دیکھ کر یہ دعویٰ کر دیتے ہیں کہ مسلم معاشروں میں خواتین کی اکثریت اپنے چہرے نہیں چھپاتی تھی حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ یہ روشن خیال مفکرین سمجھتے ہیں کہ اسلام کا چشمہ ہمیشہ سے میلا کچیلا تھا حالانکہ تاریخی ثبوت یہ بتاتے ہیں کہ 18ویں صدی عیسوی تک مسلمان خواتین کی اکثریت چہرے کا پردہ کرتی تھی اور یہ ثبوت بالخصوص ہمیں مسلمان ممالک کی سیاحت کرنے والے غیر مسلم سیاحوں کی ڈائریوں اور سفرناموں (travelogues) سے ملتا ہے جیسا کہ ہم اگلے سیکشن میں بیان کریں گے۔ امید ہے کہ یہ "روشن خیال مسلمان مفکرین" اگر ہمارے مسلمان علماء کی بات کا یقین نہ بھی کریں تو کم از کم غیر مسلم عیسائی سیاحوں کی بات تو وہ رد نہیں کر سکتے۔

مغربی استعمار اور مسلمان خواتین کا نقاب

جب تک مغربی نوآبادکار (Western Colonialists) نے مسلمان ممالک پر قبضہ نہیں کیا تھا، اس وقت تک مسلم خواتین اسلامی معاشروں میں بہت وقار اور عزت کے ساتھ چلتی پھرتی تھیں۔ نقاب مسلم خواتین کو نہ صرف مغربی نوآبادکاروں اور استعماری مردوں کی غلیظ نگاہوں سے بچاتا تھا بلکہ ان خواتین کی آزادی کا ایک احساس بھی دیتا تھا۔ غیر مسلم آقاؤں نے اس رکاوٹ کو تباہ کرنے کے لیے مسلمان خواتین کے چہروں سے نقاب اتروا دیا۔ بدقسمتی سے آج اکثر مسلمان بہنوں کو اس بات کا احساس تک نہیں کہ ان سے کتنی قیمتی چیز چھینی جا چکی ہے جو ان کی بہت بڑی محافظ تھی۔

امریکہ کی نیویارک یونیورسٹی کا یہودی مفکر نیل یونٹ مین اپنی کتاب Conscientious Objections میں لکھتا ہے:

''ہر دور اپنے اندر ایک مخصوص سامراجی نظام رکھتا ہے اور اسی طرح ہر فاتح بھی سامراجی عزائم رکھتا ہے۔ اٹھارویں صدی اور انیسویں صدی میں جب برطانیہ نے اس فن میں کمال حاصل کیا تو اس وقت کسی ملک پر حملہ کرنے کے لیے وہ پہلے اپنی بحری طاقت اور پھر عام فوج بھیجتے تھے۔ اس کے بعد انتظامیہ کے لوگ بھیجے جاتے تھے اور پھر آخر میں اپنا تعلیمی نظام اس ملک پر نافذ کرتے تھے۔'' (1)

جب مغربی سامراج نے مسلمان معاشروں پر قبضہ کیا تو انہوں نے دیکھا کہ تقریباً تمام مسلمان خواتین جب گھروں سے نکلتیں تو اپنے چہروں کو چھپا کر نکلتیں۔ اپنی سامراجی طاقت اور کرائے کے روشن خیال علما یعنی "Scholars for Dollars" (مثلاً قاسم الامین مصری یا محمد عبدہ ؒ وغیرہ) کو بڑی چالاکی کے ساتھ استعمال کر کے یورپی سامراجی ایجنٹوں نے مسلمان خواتین کے چہرے سے نقاب کو اتار پھینکا جیسا کہ اس باب میں بیان کیا جائے گا۔ مزید برآں، برطانوی سامراج نے مصر کی سیکولر حکومت کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے وہاں کی جامعۃ الازہر کو ایک ماڈرنسٹ، روشن خیال اور معذرت خواہ ادارے میں تبدیل کر دیا۔ یہ کام حکومت مصر نے یونیورسٹی کی اہم پوزیشنوں بشمول شیخ الازھر کی پوزیشن کے لیے مغرب زدہ اور بعض حالات میں کرائے کے علماء (Scholars for Dollars) کو متعین کر کے کیا اور یہ چیز آج بھی وہاں پائی جاتی ہے۔ ایسے ''ازھری'' سکالر حضرات اپنی داڑھیاں شیو کرتے ہیں یا انتہائی چھوٹی داڑھیاں رکھتے ہیں، پبلک میں برملا موسیقی کی تعریف کرتے ہیں اور نقاب اور پردے کے خلاف فتوے دیتے ہیں یا عورتوں مردوں کے آزادانہ اختلاط کی اجازت دیتے رہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی سے پہلے تمام مسلمان ممالک میں خواتین گھر سے باہر نقاب لیا کرتی تھیں۔ وہ کسی ایک ملک یا خطے تک محدود نہ تھا۔ اندلس (مسلم سپین) جہاں کے مسلمان کئی لحاظ سے بہت ماڈرن تھے لیکن اسلامی عالم ابو حیان توحیدی اندلس میں مسلمان

---

(1) Postman, Neil (1992). Conscientious Objections: Stirring up Trouble about Language, Technology and Education. New York, Vintage.

عورتوں کے حجاب کے متعلق لکھتے ہیں:

وکذا عادۃ بلاد اندلس لا یظھر من المرأۃ الاعینھا الواحدۃ (1)

(اوراسی طرح ملک اندلس کی خواتین کا یہ معمول ہے کہ ان کے جسم پر سے ان کی ایک آنکھ کے سوا کچھ نہیں ظاہر ہوتا)

مسلمان عورتوں کے نقاب کے متعلق یورپین مہمانوں اور سیاحوں کی شہادتیں:

آج سے تقریباً دوسو سال پہلے یورپی سیاحوں کو شرق وسطیٰ پہنچ کر بہت مایوسی ہوا کرتی تھی کیونکہ تقریباً سبھی مسلمان خواتین چہرے کا پردہ کیا کرتی تھیں۔ مزید برآں مسلمانوں کے گھریا پبلک مقامات پر کہیں بھی یورپی سیاحوں کیلئے یہ ممکن نہ ہوتا تھا کہ وہ مشرق کی خواتین کے حسن سے لطف اندوز ہوسکیں۔ یورپین سیاحوں کے مسلمان خواتین کے متعلق مشہور فرضی قصوں پر یہ ایک زوردار چوٹ تھی۔ مثال کے طور پر فرانسیسی مؤرخ لیون مچل (Leon Michel) لکھتا ہے:

''ہر یورپین مرد یہ سمجھتا ہے کہ جب وہ افریقہ (کے مسلمان ممالک) میں جائے گا تو اسے وہاں پر خوبصورت محل دکھائی دیں گے جب کہ بالکونی (Balcony) سڑک کی طرف کھلتی ہوگی جہاں ایک پرکشش قیدی (مسلمان عورت) کھڑی اس بات کا انتظار کر رہی ہوگی کہ کوئی بہادر فرانسیسی گھڑ سوار چمکیلی زرہ پہنے ہوئے آکر اس کو آزاد کروادیگا۔ یہ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ مسلمانوں کے حرم (زنان خانے بہت محفوظ ہوتے ہیں اور بالکونی پر لگی ہوئی لکڑی کی موٹی جالی (جسے عربی میں شناشیل یا مشربیہ کہتے ہیں) اس بات کو ناممکن بنا دیتی ہے کہ باہر سے اندر کسی کی نظر پڑے یا گھر کے اندر کی عورت کو دیکھا جاسکے۔'' (2)

---

(1) البحر المحیط، ابو حیان توحیدی، جلد 7، صفحہ 250

(2) Michel, Leon, Tunis [1883], quoted in Bullock, Katherine (2002) Rethinking Muslim Women and the Veil. Virginia, IIIT.

کینیڈین نومسلم محقق خاتون کیتھرین بلوک (Katherine Bullock) اپنی کتاب Rethinking Muslim Women and the Veil میں یہ واضح کیا ہے کہ یورپ میں عورت اپنی قیمت کھو چکی تھی کیونکہ اس کا چہرہ کھلا تھا جس کے حسن سے پبلک لطف اندوز ہو سکتی تھی۔ اسکے برعکس اپنے چہرے پر نقاب ہونے کی وجہ سے مسلمان عورت ”ایک قابل دید شے اور قیمتی متاع“ کے طور پر دیکھنے والوں سے ابھی محفوظ تھی۔ اس وجہ سے، کیتھرین بلوک کے الفاظ میں:

"The veil, and the women who wore it, became the metaphor for the entire East, and all that was both alluring and fearsome about it." (1)

(نقاب اور اس کو پہننے والی عورتیں، پورے مشرق کی علامت بن گئے اور وہ سب کچھ جو یورپی لوگوں کے لیئے پرکشش تھا یا جس سے وہ خوفزدہ تھے)

چونکہ نقاب ان لوگوں کو مسلمان خواتین کے چہرے دیکھنے کے راستے میں رکاوٹ تھا اِس لیئے بعض یورپی سیاحوں نے ”نقاب“ کو اپنے غضب کا نشانہ بنایا کیونکہ وہ اُن کی شہوت بھری نگاہوں (lustful eyes) کی راہ میں روک تھا۔ بریڈلے برٹ (Bradley-Birt) نامی ایک یورپی مصنف اپنی کتاب "Through Persia" میں برقعے اور نقاب پر اِن الفاظ میں اپنا غصہ نکالتا ہے:

”یہ (برقع اور نقاب) سب سے زیادہ ناشائستہ اور ناپسندیدہ لباس ہے جو سب سے زیادہ غیرت والے خاوندوں نے ایجاد کیا ہے۔ کوئی بھی اجنبی مرد ایرانی مسلمان خاتون کو نہیں دیکھ سکتا اور اُس خوبصورتی کو نہیں دیکھ سکتا، جو اِن برقعوں اور نقابوں کے پیچھے چھپی ہوئی ہے جس حسن کا ہماری بہت سی نظموں میں ذکر ہے۔“ (2)

---

(1) Bullock, Katherine (2002) Rethinking Muslim Women and the Veil. Virginia, IIIT.

(2) Bradley-Birt,, F.T., Through Persia [1909], quoted in Bullock, Katherine (2002) Rethinking Muslim Women and the Veil.

اِسی طرح برطانوی سیاح چارلس ڈاؤٹی (Charles Daughty) کو مسلمان خواتین کے نقاب سے اس لیئے نفرت تھی کیونکہ اُس وجہ سے وہ مسلمان خواتین کے چہرے نہیں دیکھ سکتا تھا جن کے متعلق اس نے اپنے سفرنامے میں لکھا:

"The women's faces, which God created for the cheerfulness of the human world." (1)

(عورتوں کے چہرے جنہیں خدا نے اس لیئے تخلیق کیا تھا کہ دنیا کے لوگ انہیں دیکھ کر لطف حاصل کریں)

دو صدیاں پہلے چہرے کا پردہ مسلمان معاشروں میں اتنا عام تھا کہ یورپین سیاح مسلمان خواتین کا چہرے دیکھنے کے لیئے سر پٹخ کر رہ جاتے تھے۔ جب انہیں راہ چلتی مسلمان خواتین کے چہرے دیکھنے میں کامیابی نہ ہوتی تو وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیئے مکروفریب کا راستہ اختیار کرتے اور مختلف چالیں چلتے۔ مثال کے طور پر مسٹر ڈیولافوائے (Dieulafoy) اور اسکی بیوی جین ڈیولافوائے (Jane Dieulafoy) نے 1880ء کی دھائی میں مشرق وسطیٰ کا سفر کیا۔ اپنے سفرنامے میں جین بیان کرتی ہے کہ اُس نے اور اسکے خاوند نے اِس مسئلے کا حل ڈھونڈا:

"گھر کے صحن کے وسط میں گھر کا سربراہ بیٹھا ہوا دو جوان خواتین سے گفتگو میں مشغول تھا اور اس میں شک نہیں کہ وہ دونوں اسکی رشتہ دار تھیں۔ چونکہ ان (مسلمان) خواتین کو اسکا علم نہ تھا کہ انہیں دیکھا جا رہا ہے۔ اِس لیئے انہوں نے اپنے چہرے کھلے رکھے تھے.......... میں دیوار کے پیچھے کھڑی ہوئی دیکھ رہی تھی۔ میں نے اپنے خاوند سے کہا کہ جلدی سے مجھے کیمرہ پکڑائے تا کہ میں جلد از جلد ان کی تصویر کھینچ سکوں۔ میں اِس بات پر خوش تھی کہ میں نے کیمرے میں گھروں کے اندر کی اُس (انسانی) خوبصورتی کو محفوظ کر لیا ہے جس کی مشرقی حلقوں میں نہایت

(1) Pastner, C. M. (1978). "Englishmen in Arabia: Encounters with Middle Eastern Women." Signs: Journal of Women in Culture and Society 4(2): 309-323.

غیرت مندی کے سبب سے حفاظت کی جاتی ہے۔" (1)

رابرٹ برٹن (Robert Burton) (۱۸۲۱ء—۱۸۹۰ء) ایک معروف برطانوی سیاح گزرا ہے، جس کا سب سے مشہور کام اُس کا مکہ اور مدینہ کا سفرنامہ ہے، جو اُس نے مسلمان کا بھیس دھار کر اُن دو مقدس مقامات کے سفر کے بعد لکھا۔ اِس سفرنامے کا عنوان تھا:

"Personal narrative of a pilgrimate to al-Madinah and Meccah"

اِس سفرنامے میں برٹن نے سرزمین عرب کے مسلمانوں کی نسلی جغرافیے سے متعلق تحقیق (Ethmographic study) کی گو کہ اپنے بعض مشاہدات میں برٹن اسلام کے خلاف اپنے ذاتی تعصب کو چھپا نہ سکا چونکہ مشرق وسطیٰ (Middle East) میں مسلمان خواتین جو چہرے کا پردہ کرتی تھیں اور پبلک مقامات پر مردوں عورتوں کا آزادانہ اختلاط بھی نہیں ہوتا تھا اس لیئے برٹن نے ایک "حکیم" کا روپ دھارا جو کہ حج کی غرض سے مصر کے دارالخلافہ قاہرہ سے مکہ اور مدینہ کے لیئے سفر کرنے والا تھا۔ یہیں سے اُس کا سفرنامہ شروع ہوتا ہے۔ اپنے سفرنامے میں برٹن بتاتا ہے کہ اس نے "ایک مسلمان حکیم" کا روپ اس لیئے دھارا کیونکہ اس بھیس میں اس بات کی گارنٹی تھی کہ وہ بعض مسلمان خواتین سے ملاقات کر سکے اور ان کے چہرے دیکھ سکے گا کیونکہ مجبوری کی وجہ سے ان کو مرد حکیم کے پاس آنے کی اجازت مل جائے گی۔ اگرچہ برٹن کا سفرنامہ باپردہ مسلمان خواتین کے متعلق نفرت آمیز کلمات سے بھرا پڑا ہے جو برٹن کے خبث باطن کا مظہر ہے لیکن برٹن نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اسے مسلمان خواتین کے چہرے دیکھنے کے لیئے بڑے جتن کرنے پڑے۔ مثلاً مدینہ میں برٹن نے ایک مقامی شیخ کے گھر قیام کیا لیکن برٹن نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اسے گھر کی خواتین کو دیکھنے کا کبھی موقع نہ مل سکا۔ (2)

---

(1) Graham-Brown, Sarah. Images of Women: The Portrayal of Women in Photography of the Middle East, 1860-1950 [London: Quartet Books, 1988]

(2) Burton, Sir Richard F. (1964). Personal Narrative of a Pilgrimage to al-Madinah and Meccah New York, Dover Publications.

چارلس ڈاؤٹی (Charles Doughty) (1926-1843) ایک اور برطانوی سیاح تھا جس نے سرزمین عرب کے بدوؤں کے ساتھ دو سال قیام کیا اور اپنے مشاہدات کو اپنی کتاب "Travels in Arabia Desert" میں محفوظ کیا۔ مسلمان خواتین جو کہ پبلک مقامات پر اور گھر سے باہر نقاب کیا کرتی تھیں، ان تک رسائی حاصل کرنے کے لیئے ڈاؤٹی نے عرب نام "خلیل" اختیار کیا اور "حکیم" کا روپ دھارا۔ ڈاؤٹی نے وہی حربہ استعمال کیا جو اسکے ہم وطن برٹن نے تقریباً 27 سال پہلے کیا تھا۔ ڈاؤٹی کو مسلم معاشرے میں غیر مخلوط محفلوں اور عورتوں کے چہرے کے پردے سے شدید نفرت تھی۔ اسلام کے چہرہ چھپانے کے حکم کے بارے میں اس نے جابجا اپنے سفرنامے میں نہایت گھٹیا اعتراضات کیئے ہیں۔

ایک عرب شہر کا رہنے والا مسلمان اپنی والدہ کو اسکی آنکھوں کا علاج کروانے ڈاؤٹی کے پاس لایا۔ ڈاؤٹی بیان کرتا ہے کہ اُس بوڑھی خاتون نے نقاب اپنے چہرے سے اتارنے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ اس کے بیٹے نے اپنی ماں کو بہت کوشش کر کے سمجھایا کہ ڈاؤٹی ایک حکیم ہے اس لیئے اس کے سامنے چہرہ کھولنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اپنی کتاب میں ڈاؤٹی اس بوڑھی عورت کے نقاب نہ اتارنے کے فوری ردعمل کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ اُس بوڑھی عورت کی کسی اجنبی مرد کے سامنے بزدلی کا مظاہرہ تھا۔ اسطرح ڈاؤٹی کا سابقہ ایک نقاب اور برقعہ میں ملبوس مسلمان خاتون سے پیش آیا تو ڈاؤٹی نے اس خاتون کے متعلق طنزیہ انداز میں لکھا:

"اس کا زنانہ چہرہ ایک "خستہ نقاب کے پیوند" سے چھپا ہوا تھا۔ ہماری نگاہوں میں یہ ایشیا کے کافر لوگ ہیں! یہ عربوں کی نفیس عورتیں اپنے حرم (زنان خانے) میں رہتے ہوئے ناکارہ بن گئی ہیں...... یہ خواتین کے چہرے جو خدا نے دنیا کے لوگوں کے لطف اٹھانے کے لیئے بنائے تھے، انہیں غیرت مندی کی ہولناکی میں جھونک دیا گیا ہے۔" (1)

ڈاؤٹی کے گھٹیا کلمات اور برٹن کے زہر آلود احساسات پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکہ کی

(1) Doughty, Charles M. (1936). Travels in Arabia Desert with an introduction by T.E. Lawrence, New York, Jonathan Cape, Ltd.; first published in 1888)

ورمانٹ یونیورسٹی (University of Vermont) کی ماہر بشریات (Anthropologist) خاتون کیرول پاسٹر (Carroll Postner) نہایت منصفانہ انداز میں رقمطراز ہیں:

"(Doughty and Burton) both fail to consider that one of the primary functions of the veil is to limit interaction between males and females to the immediate kin unit and to protect women from the gaze of the strangers." (1)

"ڈاوٹی اور برٹن یہ سمجھنے میں ناکام رہے کہ نقاب کرنے کا ایک بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ عورتوں اور مردوں کے آزادانہ گھلنے ملنے کو روکا جائے، سوائے قریبی ترین رشتہ داریوں کے اور عورتوں کو اجنبی مردوں کی نگاہوں سے بچایا جائے۔"

ولیم رائی ولسن (William Rae Wilson, LLD) مشہور انگریز سیاح اور قانون دان گزرا ہے جس کی مختلف ممالک کے سفر کی دلچسپ روایات نے پورے یورپ میں کافی شہرت حاصل کی۔ ولیم رائی ولسن نے اپنے مشرق وسطیٰ کا سفرنامہ 1823 میں لندن سے شائع کروایا جسکا عنوان تھا: **"Travels in Egypt and the Holy Land"**

اپنی کتاب میں وہ اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"Women in Egypt are allowed to see no other persons at home than their families or relations, and when they do appear in the streets, their faces are completely veiled." (2)

---

(1) Pastner, C. M. (1978). "Englishmen in Arabia: Encounters with Middle Eastern Women." Signs: Journal of Women in Culture and Society 4(2): 309-323.

(2) William Rae (1824). Travels in Egypt and the Holy Land: With A Journey Through Turkey, Greece, The Ionian Isles, Sicily, Spain, Etc. Whitefish (Montana, U.S.A.), Kissinger Publishing, LLC. (re-published in year 2008)

(مصر میں خواتین اپنے گھر میں اپنے خاندان کے لوگوں یا رشتہ داروں کے علاوہ کسی کے سامنے نہیں آتیں اور جب وہ گھر سے باہر جاتی ہیں تو اپنے چہرے کا مکمل پردہ کرتی ہیں۔)

اِسی طرح عرب امریکی پروفیسر مارگوٹ بدران (Margot Badran) جو تحریکِ نسواں کی بڑی علمبردار ہے، نے جب مصر کی تحریکِ نسواں کی بانی ھدیٰ شعراوی کی خودنوشت سوانح حیات کا دیباچہ لکھا تو اُس میں خود اعتراف کیا کہ مصر میں ماڈرن ازم آنے سے پہلے خواتین نقاب کرتی تھیں۔ وہ لکھتی ہے:

"When (the women) went out they veiled their faces, thus taking thier secusion with them." (1)

"جب عورتیں گھر سے نکلتی تھیں تو چہرے کا پردہ کرتی تھیں چنانچہ اس طرح سے وہ اپنی خلوت نشینی کو اپنے ساتھ لیکر نکلتی تھیں۔"

اِن تمام سفرناموں، ڈائریوں اور روئدادوں سے ہم کیا نتیجہ نکال سکتے ہیں؟ یورپین سیاحوں اور مہمانوں (مرد اور عورتوں) کی دی گئی تفصیلات اِس بات کا واضح ثبوت مہیا کرتی ہیں کہ دو صدیوں پہلے تک مسلمان معاشروں میں تقریباً تمام مسلمان خواتین چہرے کا پردہ کیا کرتی تھیں۔ عربی کا ایک محاورہ ہے:

اَلْفَضْلُ مَا شُهِدَتْ بِهِ الاَعْدَاء

"حقیقی فضیلت وہ ہوتی ہے جسکا دشمن بھی اعتراف کرے"۔

دو صدیوں پہلے تک مسلمان خواتین ایسا بے مثال پردہ کیا کرتی تھیں کہ جس کی شہادت دشمنوں نے بھی دی ہے۔

---

(1) Badran, Margot, 'Introduction', Harem years: The Memoirs of an Egyptian Feminist (1879-1924) London, Virago, 1986).

نقاب چھین کر مسلمان خواتین کی قوت مزاحمت کو توڑنا:

مسلمان خواتین کے چہروں سے نقاب اُسی دور میں میں غائب ہوا تھا جس دور میں مغربی استعمار نے مسلمان ممالک کو غلامی کے شکنجے میں جکڑا۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں بلکہ اس کے پیچھے نہایت گہرے نفسیاتی عوامل کارفرما ہیں۔ فرینٹز فینن (Frantz Fanon) فرانس کا ایک ماہر نفسیات اور فلسفی گزرا ہے جو کہ نو آبادیات کے اثرات پر تحقیق کے میدان میں (post-colonial studies) بہت صاحب اثر تھا بلکہ استعمار کی نفسیاتی بیماریوں کے اثرات (psychopathology of colonialism) کے میدان میں شاید وہ بیسویں صدی کا سب سے بڑا مفکر گزرا ہے۔ اس کی تصنیفات سے مغربی استعمار کے خلاف آزادی کی تحریکوں نے دنیا میں تقریباً چار دہائیوں تک گہرا اثر لیا۔ اپنی مشہور زمانہ کتاب "Dying Colonialism" میں فینن نے یورپی استعمار کے دوران الجزائر کی مسلمان خواتین کے نقاب کے متعلق لکھا:

"Every rejected veil disclosed to the eyes of the colonialists horizons until then forbidden, and revealed to them, piece by piece, the flesh of Algeria laid bare. The occupier's aggressiveness, and hence his hopes, multiplied ten-fold each time a new face was uncovered. Every new Algerian woman unveiled announced to the occupier an Algerian society whose systems of defense were in the process of dislocation, open and breached. Every veil that fell, every body that became liberated from the traditional embrace of the haïk, every face that offered itself to the bold and impatient glance of the occupier, was a negative expression of the fact that Algeria was beginning to deny herself and was accepting the rape of the colonizer." (1)

---

(1) Fanon, F. (1965). Dying Colonialism. New York, Grove Press, Inc. (translated from French by Haakon Chevalier)

"ہر اُترا ہوا نقاب استعمار طاقتوں کی آنکھوں کو وہ اُفق دکھاتا تھا جو ابھی تک ان کی نگاہوں سے چھپے ہوئے تھے اور تھوڑا تھوڑا کر کے الجزائر کا جسم بے پردہ ہو رہا تھا۔ ہر دفعہ جب کسی مسلمان عورت کا چہرہ بے نقاب ہوتا تو فاتح کی جارحیت اور انکی امیدیں دس گنا بڑھ جاتیں۔ جب بھی کسی نئی الجزائر کی عورت کے چہرے سے نقاب اترتا تو فاتح قوم کے لیئے یہ اعلان ہوتا کہ اب الجزائر کی سوسائٹی کے دفاعی نظام کمزور ہو رہے ہیں اور اُن میں مداخلت کی جارہی ہے۔ ہر نقاب کے بغیر چہرہ جو اپنے آپ کو فاتح قوم کے مردوں کی نڈر اور بے صبری نگاہوں کے سامنے پیش کرتا تھا، وہ اس حقیقت کا منفی اظہار تھا کہ الجزائر نے اپنی شناخت کا انکار شروع کر دیا ہے اور اس نے فاتح کی عصمت دری کو قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔"

فرانسیسی مؤرخ فینن کے مطابق جب استعماری طاقتوں نے مسلمان عورتوں کے نقاب زبردستی اتروائے یا نام نہاد آزادی کا جھانسہ دیکر انہیں بے نقاب کیا تو دونوں صورتوں میں نو آبادکاروں (colonialists) کو فتح مندی کا احساس ہوتا تھا کیونکہ اِس سے انہیں پتہ چلتا تھا کہ مسلمان معاشرے کا نظام دفاع بتدریج کمزور ہو رہا ہے۔

مسلمان عورتوں کا نقاب استعماری طاقتوں کے خلاف مزاحمت کا نشان تھا۔ باپردہ مسلمان عورت نو آبادکاروں کے لیئے مایوسی کا پیغام تھی کیونکہ وہ اپنے آپ کو ایسی عورت کے سامنے بے بس محسوس کرتے تھے جسے وہ مفتوح قوم ہونے کی حیثیت سے اپنی ملکیت سمجھتے تھے لیکن اسے دیکھ نہ سکتے تھے۔ باپردہ خواتین اپنے آپ کو فاتحین کے سامنے نمائش کے لیئے پیش نہیں کر رہی تھیں۔ یورپی استعماری قومیں اس اعتماد کے ساتھ مشرق وسطیٰ پر قابض ہوئی تھیں کہ وہ مسلمانوں سے اعلیٰ ہیں لیکن یہاں پہنچ کر ان کا اپنا اعتماد متزلزل ہو گیا۔ یورپی فاتحین کے لیئے مسلمان عورت کو اپنے گھر سے اور نقاب سے باہر لانے کا مطلب اس کی مزاحمت کو توڑنا تھا اور یہ اس عورت پر قبضہ حاصل کرنے کے مترادف تھا جیسا کہ فینن رقمطراز ہے:

"Unveiling this [Muslim] woman is revealing her beauty; it is barring her secret, breaking her resistance, making her

available for adventure. Hiding the face is also disguising a secret; it is also creating a world of mystery, of the hidden. In a confused way, the European experiences his relation with the Algerian woman at a highly complex level. There is in it the will to bring this woman within his reach, to make her a possible object of possession.

This woman who sees without being seen frustrates the colonizer. There is no reciprocity. She does not yield herself, does not give herself, does not offer herself." (1)

"مسلمان عورت کو بے نقاب کرنے کا مطلب اس کے حسن کو ظاہر کرنا تھا، اس کے راز کو افشا کرنا تھا، اس کی مزاحمت کو توڑنا تھا اور اسے فاتحین کی مہم جوئیوں کے لیئے قابل دستیاب بنانا تھا۔ چہرے کو چھپانا اسی طرح ہے کہ کسی نے کوئی راز چھپایا ہو، یہ غیب کی دنیا بنانے کی طرح ہے۔ کنفیوز انداز میں یورپین شخص کو سمجھ نہیں آتی کہ اس کا الجزائر کی خواتین سے کس قسم کا تعلق ہے۔ اس کے اندر اس کی یہ خواہش پوشیدہ ہے کہ وہ کسی طرح باپردہ مسلمان عورت کو اپنی دسترس میں لا سکے۔ یہ مسلمان عورت جو کہ خود تو نقاب میں سے دیکھتی ہے لیکن دوسرے اسے نہیں دیکھ سکتے۔ یہ چیز نوآبادکار (Colonizer) کو بہت مایوس کرتی ہے۔ یہاں پر برابری نہیں ہے۔ باپردہ مسلمان عورت اپنے آپ کو فاتح کے حوالے نہیں کرتی، اپنے آپ کو پیش نہیں کرتی۔"

الجزائر اور بہت سے دیگر مسلمان ممالک کی خواتین کے لیئے حجاب اور نقاب ان کی شناخت تھی۔ حتیٰ کہ 1970ء کی دھائی میں شاہ ایران کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے کئی سیکولر اور ماڈرن خواتین نے بھی حجاب پہنے۔ یہی چیز مصر میں اخوان المسلمون اور دیگر جماعتوں نے

---

(1) Fanon, F. (1965). Dying Colonialism. New York, Grove Press, Inc. (translated from French by Haakon Chevalier)

دھرائی۔ مصر کی مفکر خاتون سفینا زکاظم جو کہ تحریکِ نسواں کی علمبردار ہے لیکن مذہب کے لیئے بھی نرم گوشہ رکھتی ہے، وہ ان مصری خواتین میں سے ایک ہے جنھیں شروع میں مغرب کی ماڈرن ازم کی لہر پہلے اپنے ساتھ بہا لے گئے۔ یہ دور تقریباً نصف صدی تک رہا۔ جس دور میں مغربی لباس اونچی سوسائٹی اور معیارِ زندگی (high status) کی علامت سمجھا جاتا تھا جبکہ نقاب اور برقعے کو تحقیر کے ساتھ علاقائی چیز "بلدی" سمجھا جاتا تھا۔ آج سفینا زکاظم "حجاب" کو اپنی شناخت اور اپنی "اصل اسلامی روایت کی طرف واپسی" کی علامت (Going back to Islamic roots) سمجھتی ہیں۔ مصری اخبار الاحرام کے جنوری 2007ء کے شمارے میں ایک انٹرویو میں انہوں نے بیان کیا:

"ممکن ہے کہ خواتین کے نقاب کی طرف واپس لوٹنے کی دوسری وجوہات بھی ہوں لیکن اس میں شک نہیں کہ اسلامی لباس کا اس طرح پھیل جانا مذہبیت کی نشانی ہے۔" (1)

سفینا زکاظم مصر کی پہلی صحافی خاتون تھیں جنھوں نے 1970ء کی سیکولر دہائی میں حجاب لینا شروع کیا۔ ان کے الفاظ میں:

"ہمیں اچانک اس بات کا احساس ہوا کہ ہماری اسلامی روایات کو ہمارے سے چھین لیا گیا ہے اور ہم نے اپنی جڑوں کو تلاش کرنا شروع کیا۔ میری حیثیت ایک غصب شدہ زمین کی سی تھی اور جس دن میں نے حجاب لینا شروع کیا (1972 میں) وہ دن میری آزادی کا دن تھا۔"

بلاشبہ آج بھی مسلمان خواتین کا حجاب اور نقاب ظلم اور آمریت کے خلاف مزاحمت کی علامت ہیں۔ برطانوی اخبار "The Guardian" میں سابقہ برطانوی راہبہ (British Nun) اور عیسائی سکالر کیرن آرمسٹرانگ (Karen Armstrong) نے اپنے ہم مذہبوں کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا:

"مسلمان خواتین سے حجاب اور نقاب اتار دینے کا مطالبہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بعض خواتین

---

(1) Shahine, Gihan (11 - 17 January 2007). A witch-hunt for our times? Al-Ahram Weekly.

اس لباس کو پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ پکڑے رکھیں گی۔ وہ لباس جو آج ظلم وستم کے خلاف مزاحمت کی علامت ہے۔" (بحوالہ: ایضاً)

یورپی استعماری طاقتوں نے یہ بہانہ تراشا کہ وہ مسلمان خواتین کے حجاب اتار کر انہیں آزادی دلانا چاہتے ہیں حالانکہ ان سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ اگر وہ مسلمان خواتین کے اتنے ہی خیر خواہ تھے تو انہوں نے مسلمان ممالک کو غلام کیوں بنایا؟ انہوں نے مغلوب مسلمان ممالک پر اپنا مغربی نظام تعلیم ٹھونسا اور ماڈرن ازم کی آڑ میں مسلم خواتین کی شرم وحیا اور نسوانیت کا خون کیا۔ مغربی استعمار کے مذہبی کارندے یعنی عیسائی مشنریوں کا اولین نشانہ بھی مسلمان مائیں تھیں۔ مشرق وسطیٰ میں کام کرنے والے ایک نامور مشنری سیموئیل زویمر (Samuel Zwemer) نے اپنی کتاب "Moslem Women" (مطبوعہ امریکہ، 1926ء) میں یہ دعویٰ کیا تھا:

"چونکہ یہ حقیقت ہے کہ ماں کا اپنے بچوں، لڑکوں اور لڑکیوں دونوں پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے اور ایمان اور مذہبی عقائد کے دفاع کے معاملے میں خواتین زیادہ ڈٹنے والی ہوتی ہیں، اس لیئے ہمارا یہ خیال ہے کہ مشنری اداروں کو یہ چاہیئے کہ وہ مسلمان خواتین کو بدلنے کے لیئے زیادہ کام کریں تا کہ اس ذریعے سے مسلمان ممالک کو عیسائی بنانے کا عمل تیز کیا جا سکے۔" (1)

زویمر اور وین سومر (Van Sommer) کے مطابق مسلمان ممالک میں کام کرنے والے بعض مشنری سکول تو اس حد تک چلے گئے کہ مشنری سکولوں کے اساتذہ مسلمان لڑکیوں کو اپنے والدین اور مذہبی اقدار کے خلاف ورغلانے کی کوشش کرتے اور حجاب پہننے سے انکار کرنے کی انہیں ترغیب دیتے۔ (2)

---

(1) Zwemer, S.M. (1926) Moslem Women West Medford, Mass., Central Committee of the United Study of Foreign Missions)

(2) Van Sommer, Annie & Samuel M. Zwemer (eds.), (1907) Our Moslem Sisters New York, The Young People's Missionary Movement)

ظاہر ہے کہ مسلمان خواتین کا پردہ اور مسلمان گھروں کے حرم (زنان خانے) پادریوں کے مشنری کام میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ چنانچہ مغربی استعماری ایجنٹوں نے اس بات کو ضروری سمجھا کہ مسلمان عورت کی مزاحمت کو توڑنے کے لیئے اس کا نقاب اتروایا جائے چاہے اسے آزادیٔ نسواں کا جھانسہ دے کر، یا زبردستی، بلکہ ہر ممکن طریقے سے۔

مسلم ممالک میں نقاب کے خلاف صلیبی جنگ:

جیسا کہ ہم نے یورپ کے سیاحوں اور مسلمان ممالک کا سفر کرنے والے مسافروں کے بیانات میں دیکھا کہ دو صدیاں پہلے وہاں تقریباً تمام خواتین گھر سے باہر چہرے کا پردہ کیا کرتی تھیں۔ پھر دو تین نسلیں گزرنے کے بعد آج مسلمانوں کا یہ حال ہوگیا ہے کہ چہرے کے پردے کو صرف ایک نفلی عمل سمجھا جاتا ہے جو کہ مسلمان خواتین کی مرضی پر منحصر ہے۔ اس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔ اسکی پہلی وجہ غیروں کی زبردستی تھی جیسا کہ ابھی پچھلے سیکشن میں بیان ہوا کہ کس طرح مغربی استعمار نے مسلمان عورت کو بے پردہ کیا۔ اسکی دوسری بڑی وجہ اپنے منافقوں کی عیاری اور مسلم کی سادگی تھی:

ع سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

مسلم ممالک پر جب مغربی استعمار کا سیلاب آیا اور انہیں اپنا غلام بنایا تو مسلم ممالک میں مختلف جگہوں پر ماڈرنسٹ مصلحین اور روشن خیال معذرت خواہوں نے سر اٹھانا شروع کیا، جس طرح بارش کے بعد خودرو پودے سر اٹھاتے ہیں۔ مصر کی ہدیٰ شعراوی اور سیزی نبراوی 1923ء میں روم سے آزادیٔ نسواں کی مغربی کانفرنس (International Women's Alliance Conference) میں حاضری دیکر جب مصر واپس آئیں تو مدینہ کے منافق اعظم عبداللہ بن ابی کی جانشینی کا ثبوت دیتے ہوئے نہایت ڈرامائی انداز میں ٹرین سے اترتے ہوئے اپنے نقاب اتار کر دور پھینک دیئے۔ اسی دور میں مصر کی صفیہ زغلول نے ایک پبلک تقریر

میں اپنے نقاب کو آگ لگائی۔ یہ مسلمان ممالک میں خواتین کے بے پردہ چہروں والے کلچر کی ابتداء تھی۔ یہی وہ وقت تھا جب ترکی کے ڈکٹیٹر مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی کی باپردہ خواتین کو مغربی لباس پہننے پر مجبور کیا۔ اتاترک کی بیوی لطیف ہنیم (Latife Hanim) اپنی شادی کی تقریب میں بے پردہ ہو کر مکمل طور پر مغربی لباس میں آئی تھی اور اس کے بعد تمام عوامی تقریبات میں ہمیشہ بے پردہ حالت میں شرکت کرتی تھی۔

اسی طرح افغانستان کی ملکہ ثریا 1928ء میں مغربی لباس میں پبلک کے سامنے آئی جبکہ افغانستان کے بادشاہ نے پردے کو ختم کرنے کی مہم چلائی۔ (1)

1936ء میں ایران کے بادشاہ رضا شاہ پہلوی نے نقاب پہننے کو خلاف قانون قرار دے دیا اور اس کی بیویاں پبلک میں بے پردہ حالت میں آنا شروع ہو گئیں۔ ایران میں شاہ کے حکم کے تحت ٹیکسی ڈرائیوروں کو حکومت جرمانہ کرتی اگر وہ برقعے والی عورت کو اپنی گاڑی پر سوار کرتے۔ رضا شاہ نے نہ صرف سکولوں کالجوں میں برقعے اور نقاب پر پابندی لگا دی تھی بلکہ اس "روشن خیال" بلکہ تاریک خیال بادشاہ نے یہ حکم بھی جاری کیا تھا کہ کسی بھی پبلک ہسپتال یا کلینک میں برقعے والی عورت کو علاج نہ مہیا کیا جائے۔ (بحوالہ ایضاً)

مغربی بے حیا لباس کی محبت اور نقالی میں رضا شاہ اس حد تک بڑھ گیا کہ اس نے ایران کی مملکت میں پولیس کو ہدایات جاری کی تھیں کہ اگر وہ کسی مسلمان عورت کو پبلک مقامات پر باپردہ حالت میں دیکھیں تو اس کا نقاب اتار کر قینچی سے کاٹ ڈالیں۔ (2)

عجیب بات ہے کہ اس دور میں اگر کوئی مسلمان عورت گلیوں سڑکوں پر تیراکی کے لباس (Bikinis) میں گھومتی تو حکومتوں کو کوئی اعتراض نہ تھا لیکن اگر مسلمان عورت برقعے اور نقاب میں گھر سے باہر قدم رکھتی تو ان عورتوں کے جسم کے سوداگروں کو شدید تکلیف شروع ہو جاتی تھی۔

پھر بہت جلد ہی روشن خیال اور ماڈرنسٹ مسلمان سکالروں نے میڈیا، استعماری

---

(1) Jayawardena, Humari (1986) Feminism and Nationalism in the Third World London, Zed Books

(2) Givechian, Fatemeh. (1991). "Cultural Changes in Male-Female Relations." Iranian Journal of International Affairs 3(3):521-530.

حکومتوں اور تحریک نسواں کی علمبردار خواتین کے پریشر کے سامنے ہتھیار پھینک دیئے اور ایسے فتوے دینے شروع کر دیئے کہ نقاب تو صرف حضور اکرم ﷺ کی بیویوں تک محدود تھا اور مسلمان سوسائٹی کی عام خواتین نے تو نقاب کبھی پہنا ہی نہیں تھا۔ اِس دور میں مصر کی مذہبی درسگاہ جامعۃ الازھر جسکی سربراہی محمد عبدہٗ جیسے معذرت خواہ علماء کر رہے تھے، نے مسلمان خواتین کے لیئے پبلک میں چہرے کھلے رکھنے کا فتویٰ جاری کیا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ جب سے برطانیہ نے مصر پر قبضہ کیا اور اسکے بعد سے مصر کا ڈکٹیٹر جامعۃ الازھر کے شیخ کا چناؤ اپنے "مبارک" ہاتھوں سے کرتا ہے۔ اس وقت سے جامعۃ الازھر نے موسیقی، داڑھی منڈانا، عورتوں کا انگریزی لباس پہننا وغیرہ جیسے بے شمار مسئلوں کے حلال ہونے کے فتوے جاری کیے ہیں۔ اس وقت کے ازھری سکالرز (scholars for dollars) کا واحد مقصد لارڈ کرومر (Lord Cromer) کو خوش کرنا تھا جو کہ مصر میں برطانیہ کی طرف سے حکمران تھا۔ نقاب کے خلاف صلیبی جنگ آج بھی مسلمان ملکوں میں جاری ہے (ہم فرانس میں نقاب پر پابندی کا کیا افسوس کریں کہ انہوں نے اِس کے خلاف فتویٰ مصر کے شیخ الازھر طنطاوی سے ہی تو لیا تھا)۔ ابھی 1992ء میں ایک کویتی میڈیکل کالج کی پرنسپل نے کالج کی طالبات کے نقاب پہننے پر پابندی لگا دی تھی۔ (1)

ترکی میں 1988ء میں ایک عدالتی فیصلے نے 1980ء کے لباس کے قانون کو قائم رکھا جسکے مطابق تمام حکومتی محکموں میں کام کرنے والی خواتین کو سر پر سکارف لینے یا نقاب پہننے کی ممانعت کی گئی ہے۔ (2)

کتنے تعجب کی بات ہے کہ آج اگر ایران میں یا افغانستان میں مسلمان خواتین کو پردے کے اسلامی حکم پر عمل کرنے کا کہا جاتا ہے تو پوری دنیا کا مغرب کا کنٹرول شدہ میڈیا غضب ناک ہو جاتا ہے لیکن جب مسلمان ممالک میں خواتین کے چہروں سے زبردستی نقاب اتارے جاتے ہیں تو یہی سیکولر اور آزاد خیال میڈیا گونگا بن جاتا ہے۔ کیا یہی مغرب کا دوغلا پن ہے؟

---

(1) Goodwin, Jan. (1994) Price of Honor. New York, Plume Publishers.

(2) Adnan-Unat (1991) Women in Middle Eastern History Nikki Keddie & beth Baron (New Haven, Yale Univ.)

باب نمبر 10

مغربی کلچر میں خواتین کا استحصال

اسلامی حجاب کا مقصد مرد و زن کے اخلاق کی حفاظت کرنا اور دونوں جنسوں کے آزادانہ جنسی اختلاط کا سدباب کرنا ہے تا کہ برائی کے دروازے بند کیئے جا سکیں۔ اسلام عورت کو معاشرے کے استحصال سے آزادی بخشتا ہے۔ لیکن مغربی تہذیب کے علمبردار اور مسلم ممالک میں مغربی تہذیب سے محبت کرنے والے ماڈرنسٹ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو حقوق مغربی تہذیب نے عورت کو دلوائے ہیں وہ کسی مذہب نے نہیں دیئے۔ تاہم مغربی معاشروں کے بغور مشاہدے سے پتہ چلتا ہے کہ جو استحصال عورت کا مغربی معاشرے میں ہو رہا ہے اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ مغربی معاشروں میں جنسی انقلاب اور جنسی آزادی اپنی برگ و بار لائی اور آج اخلاقی تنزلی، شادی کی گرتی ہوئی شرح، طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح، فیملی سسٹم کی تباہی اور جنسی بیماریوں کی کثرت کی صورت میں اسکے ثمرات نظر آ رہے ہیں۔

آزادئ نسواں یا بربادئ نسواں:

وہ چیز جسے آزادی نسواں کہا جاتا ہے حقیقت میں بربادئ نسواں ہے۔ یہ دراصل میڈیا پر عورت کا جنسی استحصال (Media's Sexploitation) ہے۔ پرانے وقتوں میں

عورت کا سرِ عام استحصال ہوتا تھا۔ جدید تہذیب میڈیا کی مدد سے خوبصورت الفاظ کے لبادے میں عورت کا پچھلے وقتوں سے بھی زیادہ استحصال کرتی ہے۔

پہلے وقتوں میں معصوم بچیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ آج جدید ٹیکنالوجی (مثلاً الٹرا ساؤنڈ) کی مدد سے جنین کی جنس معلوم کر کے لڑکیوں کو اسقاطِ حمل (Abortion) کے ذریعے ختم کر دیا جاتا ہے۔ مغربی تہذیب میں پچھلے وقتوں کی طرح آج بھی بچوں والی عورت کو بعض مرد چھوڑ دیتے ہیں لیکن آج اسے ''تنہا والدین کی فیملی" (Single Parent Family) کا خوبصورت لیبل دے دیا گیا ہے۔ پرانے وقتوں میں عورت لونڈی کے طور پر بازار میں بکتی تھی۔ آج مارکیٹ میں لونڈی کے طور پر بکنے کی بجائے عورتیں سرمایہ کاروں، فلمی صنعت کاروں اور میڈیا کیلئے ماڈل گرلز، گلوکارہ یا اداکارہ کے طور پر اپنا جسم فروخت کرتی ہیں۔

آزادئ نسواں کے بھیس میں عورت کی تذلیل کا سب سے بڑا ادارہ فحش نگاری (Pornography) جس میں عریاں فلمیں، رسالے، ناول وغیرہ شامل ہیں۔ جدید تہذیب نے عورت کو یہ سبق پڑھایا کہ وہ اپنے جسم کی مالک ہیں وہ اپنے جسم کے ساتھ جو چاہیں کریں۔

پورنوگرافی کا ادارہ عورت کی اس حد تک تذلیل کرتا ہے کہ تحریکِ نسواں کی علمبردار خواتین بھی اس سے شدید نفرت کرتی ہیں۔ اعداد و شمار ہمیں بتاتے ہیں کہ وقت کے ساتھ اس ادارے میں ترقی ہو رہی ہے۔

مشہور برطانوی حامیِ حقوقِ نسواں خاتون جرمین گریئر نے اپنی کتاب The Whole Woman (مطبوعہ نیویارک، 2000ء) میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ''تحریکِ نسواں کے تیس سال گزر جانے کے بعد بھی آج پہلے وقتوں سے زیادہ پورنوگرافی ہے اور زیادہ وسیع پیمانے پر اسے پھیلایا جا رہا ہے۔" (1)

گریئر اور دوسری فیمینسٹ خواتین کے مطابق موجودہ دور کی خواتین کی غلامی میں سب سے بڑا کردار آج کی فیشن کی صنعت (Fashion Industry) ادا کر رہی ہے۔ کیونکہ

---

(1) Greer, Germaine (2000). The Whole Woman. New York, Anchor Books.

یہ دعویٰ عام طور پر کیا جاتا ہے کہ فیشن انڈسٹری کا مقصد خواتین کی تسکین ہے لیکن جرمن گریئر نے بالکل صحیح کہا ہے کہ فیشن انڈسٹری کی باگیں مکمل طور پر مردوں کے ہاتھوں میں ہیں، جو عورتوں کو اس چیز پر پیسہ دے کر اُبھارتے ہیں کہ وہ عریاں ہو کر یا بن سنور کر مردانہ پبلک کے سامنے اپنی نمائش کریں۔

تحریک آزادیٔ نسواں دراصل تحریک آوارگیٔ نسواں ہے کیونکہ اس کا مقصد عورت کو معاشرے کے لیے ایک جنسی کھلونا (Sex Object) بنانا ہے۔ یہ چیز اُن مواقع پر واضح طور پر سامنے آتی ہے جب عورتوں کے مقابلۂ حسن (women beauty contests) ہوتے ہیں۔ یہ ماڈل گرلز اپنے جسموں کی نمائش کرتی ہیں یا رقاصائیں سٹیج پر اپنے جسمانی اعضاء کو تھرکاتی ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ ان عورتوں میں شخصیت نام کی کوئی چیز نہیں اور ان کی حیثیت ایک خوبصورت جانور سے زیادہ نہیں جس کی نمائش کی جاتی ہے اور لوگ اسے دیکھ کر داد تحسین دیتے ہیں۔ اسلام کے مطابق جسم فروشی ہر لحاظ سے حرام ہے۔ ماڈلنگ کرنے والی خواتین اسلامی شریعت کی رو سے طوائفیں ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ شوبز میں کام کرنے والی عورتوں، ماڈل گرلز، ٹی وی اور فلم کی ایکٹرلیس اور ہیروئنوں کی شہرت کی عمر بہت کم ہوتی ہے اور اس تمام مدت میں بھی وہ اپنے آپ کو فارم میں رکھنے کے لیے فاقے کرتی ہیں، سخت جسمانی ورزشیں کرتی ہیں لیکن جونہی ان کی جوانی ڈھلتی ہے، معاشرہ انہیں استعمال کیے ہوئے ٹشو کی طرح گمنامی کی ٹوکری میں پھینک دیتا ہے اور دوسری جوان عورتوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ یوں وہ عورتیں جو ایک وقت میں میڈیا کی زینت بنی ہوتی ہیں اچانک گوشۂ گمنامی میں چلی جاتی ہیں۔

جدید تہذیب نے جو نفسیاتی دباؤ خواتین پر ڈالا ہے، وہ تاریخ میں بے نظیر ہے۔ موجودہ دور کے فیمینسٹ مفکرین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آج کی ''آزاد عورت'' پچھلی صدی کی عورتوں کے مقابلے میں زیادہ پریشر میں ہے اور زیادہ اداس زندگی گزار رہی ہے۔ جرمین گریئر

اس سلسلے میں لکھتی ہے:

"Since 1955 there has been a five-fold increase in depressive illness in the US. For reasons that are anything but clear women are more likely to suffer than men…. [for example] 17 percent of British women will try to kill themselves before their twenty-fifth birthday." (1)

"امریکہ میں 1955ء کے بعد سے ڈپریشن کی بیماری میں 5 گنا اضافہ ہوا ہے۔ بعض غیر واضح وجوہات کی بنا پر خواتین اس بیماری کا مردوں کے مقابلے میں زیادہ شکار ہوتی ہیں .... مثلاً 25 برس کی عمر تک پہنچنے سے پہلے تقریباً 17 فیصد برطانوی خواتین خودکشی کی کوشش کر چکی ہوتی ہیں"۔

ڈیپریشن اور اداسی کا مقابلہ کرنے کے لیئے جدید دور کی خواتین "Anti-depressive Drugs" استعمال کرتی ہیں۔ اس کا فائدہ بھی لامحالہ سرمایہ دار کو ہوتا ہے جو ادویات کی کمپنی کا مالک ہے۔ آج ڈیپریشن کے علاج کے لیئے زیادہ سے زیادہ عورتوں کو پروزیک (Prozac) نامی دوائی ڈاکٹر لکھ کر دیتے ہیں۔ یہ پروزیک وہی دوا ہے جو اکثر اوقات چڑیا گھر کے جانوروں کو دی جاتی ہے۔ جنہیں جب لوگ ایک "شوپیس" (Showpiece) کے طور پر آ کر دیکھتے ہیں تو وہ ڈیپریشن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پروزیک سے اُن جانوروں کے ڈیپریشن کا علاج کیا جاتا ہے۔ آج اِسی دوا سے ڈیپریشن زدہ عورتوں کا علاج کیا جا رہا ہے۔ کیا یہ عورتوں کی آزادی ہے یا غلامی؟

میڈیا پر عورتوں کی نمائش اور اسکے نفسیاتی اثرات:

یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ مغربی معاشروں میں شادی کے بغیر جنسی تعلقات کی پوری آزادی ہے لیکن پھر بھی ان معاشروں میں عورتوں سے زنا بالجبر (rape) مسلم معاشروں

(1) Greer, Germaine (2000). The Whole Woman. New York, Anchor Books.

کے مقابلے میں زیادہ بڑا مسئلہ ہے۔اس کی آخر کیا وجہ ہے؟ اس کی بہت گہری نفسیاتی وجوہات ہیں۔یہ ایک حقیقت ہے کہ جب معاشرے میں فحش نگاری (pornography) عام ہو جاتی ہے تو عورت کا مقام اس معاشرے میں گر جاتا ہے اور وہاں عصمت دری عام ہو جاتی ہے۔ تحریک نسواں کے علم بردار بہت عرصہ سے یہ ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں کہ مرد اور عورت ہر لحاظ سے ایک جیسے ہیں، دونوں ہر کام کر سکتے ہیں، ہر جگہ جا سکتے ہیں اور ہر قوم کا لباس پہن سکتے ہیں۔وہ بنیادی طور پر یک جنسی (unisex) معاشرے کو وجود میں لانا چاہتے ہیں۔کیمیل پیگلیا (Camille Paglia) نے اپنی کتاب "Sex, Art and American Culture" میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ مغرب میں بھی روایتی خاندانی نظام میں عورتوں کے محافظ ان کے باپ اور بھائی ہوا کرتے تھے اور انسانی نیچر کو بدلنے کی ناکام کوششوں کے بہت بھیانک نتائج آج معاشرے کے سامنے آئے ہیں۔ (1)

واقعہ یہ ہے کہ ایسا معاشرہ جہاں پر فحش مواد آسانی سے دستیاب ہو اور بل بورڈز کے اشتہارات، ٹی وی، ڈش، انٹرنیٹ اشتہارات، فلمی رسالے، ڈائجسٹ وغیرہ پر وسیع پیمانے پر عورت کو ایک جنسی کھلونے کے طور پر دکھایا گیا ہو (چاہے اس نے پورے کپڑے پہنے ہوں لیکن اشتہارات کی ماڈل گرل بہر حال ماڈل ہے) اس سوسائٹی میں مردانہ جنسی خواہش پر غیر ضروری دباؤ ڈالا جا رہا ہوتا ہے اور مردوں کی سوچ پر ہر وقت عورت سوار ہو جاتی ہے۔مزید برآں، ماہر عمرانیات ہیری بروڈ (Harry Brod) کے الفاظ میں میڈیا کے اکثر اشتہارات میں عورت کو جنسی لحاظ سے ہر وقت رضامند اور خواہش مند دکھایا جاتا ہے۔ایسے ماحول میں جہاں جنسی ہیجان عروج پر ہو وہاں مرد حضرات خواتین سے زنا بالجبر کو ایک معمولی بات سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ (2)

---

(1) Paglia, Camille (1992) Sex, Art, and American Culture New York, Vintage Books.

(2) Brod, Harry (Fall 1988) "Pornography and the Alienation of Male Sexuality". Social Theory and Practice.

تجربات نے یہ بتایا ہے کہ عام حالات میں بھی جب معاشرے میں عورت کے جسم کی نمائش کی جاتی ہے تو اس کے مردوں کی نفسیات پر نہایت تباہ کن اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ امریکی ماہر نفسیات ڈگلس کینرک (Douglas Kenrick) کے مطابق جب مردوں کو فحش میگزین پلے بوائے کی ماڈل گرلز کی تصاویر دکھائی جاتی ہیں تو وہ مرد حضرات بعد میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں اپنے دل میں اپنی بیویوں سے محبت میں واضح کمی محسوس ہوتی ہے۔ سائنسی جریدے Journal of Experimental Social Psychology کے 1989ء کے شمارے میں شائع ہونے والی تحقیق میں امریکہ کی ایریزونا یونیورسٹی (Arizona State University) کے ماہر نفسیات کینرک (Kenrick) اور انکے معاون سائنسدانوں نے رضاکار مردوں اور عورتوں پر عوامی جنسی ادب (Popular erotica) کے اثرات کا مطالعہ کیا۔ محققین کا نظریہ یہ تھا کہ وسائل اور میگزینوں میں غیر معمولی طور پر خوبصورت ماڈلز کو دیکھ کر ایک عام انسان کے ذہن میں جو حسن کا معیار ہوتا ہے، اسکا شعور منحرف ہو سکتا ہے۔ نتیجتاً ایسے بگڑے ہوئے شعور (Twisted perception) کی وجہ سے لوگ میڈیا پر دکھائی جانے والی حسین خواتین ماڈلز (Media beauties) اور حقیقی دنیا میں اپنی بیویوں کے درمیان غیر متناسب قسم کا موازنہ شروع کر دیتے ہیں اور عام طور پر رشتوں کی حقیقی دنیا میں اوسط خواتین یا مرد حضرات اتنے پرکشش نہیں ہوتے جتنے پرکشش وہ ماڈلز ہوتے ہیں۔ (1)

یہ بات بھی دلچسپی کی حامل ہے کہ محققین نے یہ مشاہدہ بھی کیا کہ مردوں نے خوبصورت ماڈلز کو دیکھنے کے بعد اپنی بیویوں کو کم نمبر (Ratings) دیئے اور کم پرکشش قرار دیا لیکن خواتین جنہیں خوبصورت مرد ماڈلز کی تصاویر دکھائی گئیں، ان کی اپنے خاوندوں کے متعلق رائے تبدیل نہیں ہوئی۔ ان نتائج سے پتہ چلتا ہے کہ مرد غیر خواتین کے ظاہری حُسن سے متاثر ہوتے ہیں (یہی وجہ ہے کہ خواتین کو چہرے کے پردے کا حکم ہے) جبکہ خواتین غیر مردوں کے حُسن سے

---

(1) Kenrick, Douglas T., Sara E. Gutierres & Laurie L. Goldberg (1989). "Influence of Popular Erotica on Judgments of Strangers and Mates." Journal of Experimental Social Psychology 25: 159-167.

متاثر نہیں ہوتیں۔

اوپر بیان کی گئی تحقیقات یہ بتاتی ہیں کہ جب معاشرے میں عورت کے جسم کی ایک سستی چیز کے طور پر نمائش کی جاتی ہے تو اُس سے بیوی اور خاندانی یونٹ کی اہمیت گر جاتی ہے۔ جب حسین و جمیل عورتوں کی میڈیا پر مسلسل سامان تجارت کی طرح نمائش کی جاتی ہے تو مردوں کی بھی برین واشنگ بلکہ "Classical conditioning" ہو جاتی ہے اور وہ اپنی بیویوں کو اُسی معیار حسن پر جانچنا شروع کر دیتے ہیں جو معیار حسن میڈیا پر پیش کیا جاتا ہے۔

یہ مشاہدہ کہ جو مرد حضرات میڈیا پر فحش نگاری (erotic media) دیکھنے کے بعد اپنی بیویوں کو کم تر درجے دینا شروع کر دیتے ہیں، اُس کی ایک مزید وجہ ماہر نفسیات و عمرانیات نے بیان کی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جب عورتوں کو میڈیا کے اشتہارات یا پروگراموں میں بطور ماڈلز کے پیش کیا جاتا ہے تو اُس وقت اُن سے انسان کا شرف بزرگی چھین لیا گیا ہوتا ہے اور انہیں ایک جنسی مال (sex commodity) کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو خریدا یا بیچا جا سکتا ہے۔ آخر مرد حضرات وہ میگزین خریدتے ہی ہیں جن کے سرورق پر خوبصورت خواتین ماڈلز مختلف پوز بنائے کھڑی ہوتی ہیں۔ لہٰذا ایسے مرد اپنی بیویوں کو بھی ایک جنسی کھلونا سمجھنا شروع کر دیتے ہیں اور ان کو برابری کا درجہ نہیں دیتے۔ اسکے برعکس صحیح اسلامی سوسائٹی میں جہاں عورت کے جسم کی بلبورڈز، میگزین، ٹی وی اشتہارات وغیرہ پر نمائش نہیں کی جاتی وہاں پر خواتین اپنی اصل قیمت کو برقرار رکھتی ہیں اور مرد حضرات انہیں اپنے جیسا انسان سمجھتے ہیں، نمائش کا مال نہیں سمجھتے۔ بالفاظ سادہ تر، جب عورت معاشرے میں اپنے آپ کو ڈھانپ کر (پردے میں) رکھتی ہے تو اس کے لیئے زیادہ حفاظت ہے۔ امریکہ کی سماجی مصلح خاتون مصنفہ وینڈی شیلیٹ (Wendy Shalit) اپنی کتاب "A Return to Modesty" میں عورت کی شرم و حیا کی قیمت اور اہمیت پر زور دیتے ہوئے رقمطراز ہے:

"ہم خواتین اگر اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کریں گی تو مرد ہماری عزت کریں گے۔ عورت کی عفت و عصمت کی عزت دراصل عورت کی سب سے بڑی محافظ

(Bodyguard) تھی، نہ نظر آنے والی اور بلا قیمت محافظ۔ جب سے عورت کی عفت و عصمت ناپید ہوئی ہے، مردوں کی عورتوں کے لیئے عزت بھی ناپید ہوگئی ہے اور اب صرف امیر خواتین ہی اپنے آپ کو محفوظ سمجھتی ہیں ورنہ غریب یا مڈل کلاس عورت کے لیئے معاشرے میں کوئی حفاظت نہیں۔" (1)

میڈیا پر عورتوں کی نمائش اور مردوں کے بدلتے معیارِ حُسن

عمرانی تحقیقات نے یہ بھی بتایا ہے کہ جب مرد حضرات میڈیا پر نہایت حسین ماڈل خواتین کا مسلسل مشاہدہ کرتے ہیں تو ایسے مردوں کے ذہنوں میں عورتوں کے حُسن کے متعلق ایک عجیب آئیڈیل قسم کا معیار بن جاتا ہے۔ امریکہ کی مونٹانا یونیورسٹی (Montana State University) کے ڈگلس کینرک (Douglas T. Kenrick) اور ایریزونا یونیورسٹی (Arizona State University) کی خاتون سائنسدان سارہ گوٹائرس (Sara E. Gutierres) اس سلسلے میں چند تحقیقات کیں جو بعد میں "Journal of Personality and Social Psychology" کے 1980 اور 1989 کے شماروں میں شائع ہوئیں۔

ایک تحقیق میں مانٹانا یونیورسٹی کے 81 ہوسٹل میں رہنے والے لڑکوں سے اپنے ایک ہم جماعت ساتھی کے لیئے اُسکی ہونے والی منگیتر کے انتخاب کے بارے میں سوالات پوچھے گئے۔ اُن 81 لڑکوں کو دو گروپوں میں تقسیم کیا گیا۔ رضا کار طالبعلموں کا ایک گروپ اُن لڑکوں پر مشتمل تھا جو روزانہ ایک مشہور ٹی وی پروگرام دیکھ رہے تھے جس کے مرکزی کرداروں میں نہایت خوبصورت حسین و جمیل خواتین شامل تھیں (دراصل ٹی وی پر ایسی خواتین کو بے تحاشا میک اپ میں چھپا کر اور میک اپ کے ذریعے ان کی نوک پلک سنوار کر انہیں حسین و جمیل بنا کر دکھایا جاتا

---

(1) Shalit, Wendy (1999). A Return To Modesty: Discovering the Lost Virtue. New York, The Free Press.

ہے کہ حقیقی زندگی میں کسی کے لیے اس معیار پر اترنا ممکن نہیں رہتا)۔ہاسٹل میں رہنے والے نوجوانوں کا دوسرا گروپ ان مردوں پر مشتمل تھا جو ایسا کوئی ٹی وی شو ان دنوں میں نہیں دیکھ رہے تھے۔جب دونوں گروپوں کے لڑکوں کو (اپنے ہاسٹل کے ساتھی کی منگیتر کے انتخاب کے لیئے) ایک متوسط شکل وصورت کی لڑکی کی تصویر دکھائی گئی اور کہا گیا کہ اس تصویر کو ریٹ کریں (یعنی نمبر دیں) تو نتیجہ یہ نکلا کہ جو لڑکے ٹی وی پروگرام پر خوبصورت خواتین کا ڈرامہ سیریل دیکھ رہے تھے، انہوں نے اس لڑکی کو خوبصورتی اور کشش میں بہت کم نمبر دیئے جبکہ لڑکوں کا دوسرا گروپ جو وہ ٹی وی پروگرام نہیں دیکھ رہا تھا انہوں نے لڑکی کی اس تصویر کو خوبصورتی اور کشش میں نارمل نمبر دیئے۔

اسی قسم کی ایک اور تحقیق کینرک نے مانٹانا یونیورسٹی کے 48 کالج کے لڑکوں پر کی جنہیں ایک میگزین کے سرورق پر ایک خوبصورت خاتون ماڈل کی تصویر دکھا کر ایک عام شکل وصورت کی خاتون کی تصویر کے متعلق (Personality Rating Sheet) دی تو نتائج وہی نکلے جو پہلے والے تجربے کے نکلے تھے۔ماہرین نفسیات کینرک اور گٹائرزان نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Media femeles are indeed selected from a highly skewed distribution with regard to physcial attractiveness." (1)

"چونکہ ظاہری کشش کے لحاظ سے میڈیا کی خواتین کا انتخاب آبادی کی نہایت اقلیت سے کیا جاتا ہے۔"

اس پر مستزاد یہ کہ اُن خواتین ماڈلز کی تصاویر کو درستگی کے عمل سے گزار کر اور انہیں میک اَپ میں غرق کر کے میڈیا پر پیش کیا جاتا ہے (عام حالات میں حقیقی دنیا میں بغیر میک اپ

---

(1) Kenrick, Douglas T. and Sara E. Gutierres (1980). "Contrast Effects and Judgments of Physical Attractiveness: When Beauty Becomes a Social Problem." Journal of Personality and Social Psychology 38(1): 131-140.

کہ اُن خواتین کو پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے)۔اِس کا نقصان نہ صرف معاشرے کی عام خواتین میں احساس کمتری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے بلکہ مردوں پر بھی اس کے اثرات اتنے ہی مہلک ہوتے ہیں۔ان تحقیقات کی روشنی میں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جو مسلم نوجوان لڑکے مسلسل ٹی وی، ڈش، فلمیں، ڈرامے، فلمی میگزین اور رسالے اور انٹرنیٹ میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں انہیں اکثر اوقات اپنی شادی کے لیئے اپنے والدین کی منتخب کی ہوئی لڑکی (arranged marriage) اپنی بیوی بننے کے لیئے پسند نہیں ہوتی کیونکہ ان کے ذہن میں ماڈل کی اتنی خوبصورت نہیں ہوتی جتنی خوبصورت خواتین ماڈلز کو وہ میڈیا پر دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں۔اسی طرح کئی شادی شدہ مرد جب اپنی نگاہوں کی حفاظت نہیں کرتے اور میڈیا پر نامحرم خواتین، اداکاراؤں، رقاصاؤں، گلوکاراؤں اور اشتہاری ماڈل خواتین کو دیکھتے رہتے ہیں تو کچھ عرصہ بعد انہیں اپنی بیویاں خوبصورت نظر نہیں آتیں۔پھر ایسے مرد حرام کاموں میں اپنی خواہش نفس کی تسکین ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔وہ مرد یہ بھول جاتے ہیں کہ جب وہ میڈیا پر نامحرم خواتین ماڈل طوائفوں کو دیکھ رہے تھے تو آنکھوں کا زنا کر رہے تھے اور یہ بے چینی اسی عمل کا نتیجہ ہے۔

میڈیا پر عورت کا استحصال:

موجودہ معاشروں میں عورتوں کے حسن کا معیار مرد قائم کرتے ہیں اور پھر وہ اس ''کرنسی'' کی قیمت بھی اتنی تیزی سے ''گراتے'' (devalue) کرتے ہیں کہ عورتوں کے لیئے یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ مردوں کے بنائے ہوئے ''معیار'' پر پوری اُتر سکیں۔برطانیہ کے معاشرتی نقاد اور اسلامی مصلح اسماعیل آدم پٹیل اپنی کتاب "Islam: The Choice of Thinking Women" (مطبوعہ لندن، 1997) میں رقمطراز ہیں:

''یہاں کوئی واحد عالمی معیار نہیں نسوانی حسن (Female Beauty) دراصل ایک خیالی بُت ہے جو مغربی مرد نے تراشا ہے اور اس کے معیار کو ہر دم بدلتا اور اونچا کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی ماں، بہن یا بیٹی کے لیئے اس معیار پر پورا اترنا ناممکن ہو جاتا ہے۔''نسوانی

حسن'' کا خواتین سے کوئی تعلق نہیں، یہ تو سب مردوں کی صنعتوں اور اداروں کے رحم و کرم پر ہے۔ مغرب میں مردوں کو اس بات کا پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ کس جسمانی ساخت اور وضع قطع کی عورت پرکشش ہے اور کون دلکشی سے خالی۔

حقیقت یہ ہے کہ جب متوسط طبقے کی سفید فام خواتین نے اپنے کچن ایپرن (kitchen approns) اتار پھینکے اور آزادئ نسواں کی تلاش میں گھر کے دروازوں سے باہر نکلیں تو وہ سیدھی جا کر صنعت کار کے بیوٹی پارلر کے جال میں پھنس گئیں۔ صنعت کار کی مارکیٹ نے عورتوں کی ایسی برین واشنگ کی کہ خواتین 3 بلین ڈالر ہر سال ڈائٹنگ کی مصنوعات پر خرچ کرتی ہیں۔ اسی طرح انہوں نے 20 بلین ڈالر بناؤ سنگھار کی مصنوعات پر، 300 ملین ڈالر پلاسٹک سرجری پر اور 7 بلین ڈالر فحش نگاری کی چیزوں پر خرچ کئے۔'' (1)

عورتوں کے حسن و جمال کی پبلک میں نمائش دراصل صنعت کار کی فیشن انڈسٹری اور حکومتی میڈیا کے گٹھ جوڑ کا مرہون منت ہے۔ فیشن انڈسٹری اور میڈیا کی اشتہاری صنعت (advertisement industry) کی زندگی کا انحصار عورت کے جسم کی نمائش پر ہوتا ہے۔ فیشن انڈسٹری خواتین کی برین واشنگ کر کے ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دیتی ہے کہ عریانی اور ردیلا پن آزادی کی علامت ہیں۔ اس پر مستزاد یہ ہے میڈیا تمام عمر کی عورتوں میں ان کی ظاہری وضع قطع کے متعلق احساس کمتری پیدا کرتا ہے۔ شوبزنس کی خواتین (celebrities) کی میڈیا، میگزینوں اور بل بورڈز پر آویزاں تصاویر کو دوبارہ درستگی کے عمل (retouching of photography) اور کمپیوٹر امیجنگ کے ذریعے ایسا بنا دیا جاتا ہے کہ ایک 50 سالہ عورت ان اشتہاری تصاویر یا میڈیا پر 30 سال کی نظر آتی ہے اور 60 سالہ عورت، 40 کی نظر آتی ہے۔ امریکہ کے لائف (Life) میگزین کے آرٹ ڈائریکٹر بوب سیانو (Bob Ciano) کا کہنا ہے:

(1) Patel, Ismael Adam (1997). Islam: The Choice of Thinking Women. London, Ta-Ha Publishers.

”کسی عورت کی تصویر درستگی کے عمل سے گزرے بغیر نہیں رہتی۔ یہاں تک کہ ایک بوڑھی عورت جو یہ اصرار کرے کہ اس کی تصویر ویسی ہی دی جائے لیکن ہم پھر بھی اس پر جمے رہتے ہیں کہ اسے ایسا دکھائیں کہ وہ ابھی صرف پچاس سال کی نظر آئے۔“ (بحوالہ ایضاً)

اس قسم کی سنسر شپ اور تصاویر کو ہنر مندی سے بدلنے کے کیا اثرات ہوتے ہیں؟ اس سوال کا جواب فوٹوگرافی کے ماہر ہیئن (Heyn) کے الفاظ میں یہ ہے:

"By now readers have no idea what a real woman's 60 year old face looks like in print because it's made to look 45. Worse, 60 year old readers look in the mirror and think they look too old, because they are comparing themselves to some retouched face smiling back at them from a magazine. Women's culture is an adulterated, inhibited medium". (Ibid.)

”اب قارئین کو کچھ اندازہ نہیں کہ میگزینوں یا میڈیا پر 60 سالہ عورت کا اصل چہرہ کیسا دکھائی دیتا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ میگزین اور رسائل پڑھنے والی 60 سالہ خواتین آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتی ہیں تو یہ گمان کرتی ہیں کہ وہ بہت بوڑھی ہیں کیونکہ وہ (اپنے لاشعور میں) میگزین کے سرورق پر کسی عورت کے درستگی (retouching) کے عمل سے گزرتے ہوئے، مسکراتے ہوئے، چہرے کی تصویر سے اپنے چہرے کا موازنہ کر رہی ہوتی ہیں۔“ (بحوالہ: ایضاً)

یہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں۔ اوپر کی سطور میں آرٹ ڈائریکٹر باب سیانو اور فوٹوگرافی ایکسپرٹ ہیئن نے جو بیان کیا ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ میڈیا کس طرح معاشرے کی بھولی بھالی خواتین کے ذہنوں میں احساس کمتری ڈالتا ہے۔ میگزینوں اور اشتہارات میں خواتین ماڈلز کی درستگی کے عمل سے گزری ہوئی مصنوعی تصاویر کی نمائش کر کے میڈیا ایک ناممکن الحصول قسم

کی عورت کا نقش پیش کرتا ہے اور اسطرح سوسائٹی کو ایک جذباتی پیاس (emotional thirst) کی حالت میں رکھتا ہے۔ برطانیہ کے معاشرتی نقاد اسماعیل آدم پٹیل خواتین کے اس قسم کے استحصال کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اشتہارات اور میگزینوں میں عورتوں کو جوان اور دبلا دکھانا اور انکے جسم کے نشیب و فراز کی نمائش کرنا دراصل عورت کی اصل شناخت، قیمت، قوت اور تاریخ کو مٹانے کے مترادف ہے۔ یہ عورت پر بدترین قسم کا ظلم ہے اور مغرب کی خواتین کو اب یہ بات سمجھ آرہی ہے (لیکن افسوس کہ مسلمان ممالک کی ماڈرن خواتین کو یہ بات نہ جانے کب سمجھ آئے گی)۔ یہی وجہ ہے کہ جوان پڑھی لکھی مغربی خواتین کو اسلام کی انصاف پسند تعلیمات میں اتنی زیادہ کشش محسوس ہورہی ہے۔" (بحوالہ: ایضاً)

میڈیا پر خواتین کا استحصال ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کے بارے میں تحریک نسواں کی کئی پرجوش حامی خواتین بھی چپ نہیں رہ سکیں اور احتجاج کیا کہ اشتہارات، آرٹ، فلم، میگزین، رسالوں، وغیرہ میں عورتوں کو بکاؤ مال کے درجے پر لے آیا جاتا ہے۔ عورتوں کے جسموں کو مردوں کی نگاہوں اور ہوس کی تسکین کے لیئے میڈیا پر استعمال کیا جاتا ہے وگرنہ اگر غور کیا جائے تو اشتہار میں پیش کی جانے والی چیز اور اس کے ساتھ ایک خوبصورت عورت کی موجودگی کے درمیان کوئی ربط نہیں ہوتا۔ اشتہارات میں عورت کے جسم کو صرف مردوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیئے استعمال کیا جاتا ہے۔ عورت کی میڈیا پر اسطرح کی تجسیم کرنا اور اسے ایک مادی شے کے طور پر پیش کرنا (objectification) دراصل عورت کو مرتبہ آدمیت سے گرانے اور عورت سے اس کی آزاد شخصیت چھیننے کے مترادف ہے۔

باب نمبر 11

غیر مخلوط محفلیں، آخر کیوں؟

اسلام اپنے پیروکاروں کو ہر شعبے میں مکمل نظام حیات مہیا کرتا ہے۔اسلام عورتوں کے گھر سے باہر نکلنے پر پابندی عائد نہیں کرتا۔اسلام عورت کو پردے کی حدود میں رہتے ہوئے ضرورت کے تحت باہر نکلنے کی اجازت دیتا ہے البتہ معاشرے میں جہاں کہیں عورتوں مردوں کے اختلاط اور فتنے کا ذرا برابر اندیشہ ہو وہاں اسلام ڈھیل دینا برداشت نہیں کرتا۔یہاں پر اس سلسلے میں اسلام کے چند احکامات بیان کیئے جاتے ہیں:

سورہ النور میں اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور عورتوں کو حکم دے دیا کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عفت کی حفاظت کریں۔اسی طرح لَاتَقْرَبُوْا الزِّنَا (بدکاری کے قریب بھی مت جاؤ) کے قرآنی حکم کے تحت پردہ دروازہ بند کر دیا گیا جو انسان کو برائی کی طرف ابھارے۔

سورہ الاحزاب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ ط ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ. (آیت ۵۳)

گو کہ یہ حکم اول اول ازواج مطہرات کے لیئے نازل ہوا تھا اور اس حکم کے بعد ازواج مطہراتؓ کے گھروں میں دروازوں پر پردے لٹکا دیئے گئے۔اب چونکہ حضور ﷺ کا گھر تمام مسلمانوں کے لیئے نمونے کا گھر ہے اس لیئے تمام مسلمانوں کے گھروں پر بھی پردے لٹکا دیئے

گئے۔ آیت کے آخری فقرے میں اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ جو لوگ بھی مردوں اور عورتوں کے دل پاک رکھنا چاہتے ہیں، انہیں یہ طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

قرآن نے مسلمان عورتوں کو نامحرم مردوں سے پردے کے پیچھے سے گفتگو کرنے کا طریقہ بھی واضح کردیا:

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلاً مَّعْرُوْفًا ۝ (سورہ الاحزاب: ۳۲)

(مردوں سے تم دبی زبان سے بات نہ کرو کہ جس شخص کے دل میں کوئی خرابی ہے وہ تم سے کچھ توقعات وابستہ کر بیٹھے بلکہ صاف سیدھی بات کرو)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کوئی شخص کسی نامحرم عورت کے پاس مت داخل ہو، سوائے اسکے کہ اس شخص کے ساتھ ایک یا دو مرد ہوں"۔ (صحیح مسلم)

گھر سے باہر کے پردے سے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا:

مثل الرافلة في الزينة في غير اهلها كمثل ظلمة يوم القيمة لا نور لها۔ (ترمذی)

(اجنبی مردوں میں زینت کے ساتھ ناز و انداز سے چلنے والی عورت ایسی ہے جیسے روز قیامت کی تاریکی کہ اس میں کوئی نور نہیں)

مسلمان عورتوں کو باہر خوشبو لگا کر نکلنے سے منع کیا گیا ہے (بحوالہ مسند احمد، ترمذی)۔ اسی طرح مسجدوں میں عورتوں کے لیئے بہترین صفیں سب سے پچھلی صفیں قرار دی گئیں جو مردوں کی صفوں سے نہایت دور ہوتی ہیں (بحوالہ صحیح مسلم) یعنی نماز جیسی مقدس محفل میں بھی عورتوں اور مردوں کی مخلوط محفل کی اجازت نہیں دی گئی تو باقی حالات میں اسلام کیسے محفلوں کی اجازت دے

سکتا ہے چاہے وہ مخلوط تعلیم ہو یا سواریاں ہوں یا مخلوط نوکریاں ہوں یا پارکوں، تفریح گاہوں یا قہوہ خانوں (Restaurants) میں بے پردگی ہو۔

عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ عید کی نماز پڑھی اور نماز کے بعد آپ ﷺ نے خطبہ دیا۔ پھر حضور ﷺ عورتوں کی طرف گئے اور انہیں ایک علیحدہ خطبہ دیا جس میں انہیں عذاب سے ڈرایا اور صدقے کی ترغیب دی۔ (صحیح بخاری)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: "اس حدیث میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عورتوں کی طرف علیحدہ گئے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں عورتوں کا اجتماع مردوں سے علیحدہ تھا اور وہ مخلوط اجتماع نہ تھا۔" (فتح الباری-2/466)

سنن ابوداؤد کی حدیث میں بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے باہر بھیڑ میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط (Mixing together) دیکھا تو آپ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا کہ وہ گلیوں کے درمیان میں نہ چلیں بلکہ کناروں پر چلیں تا کہ مردوں سے بھیڑ کی وجہ سے ٹکراؤ نہ ہو۔ مزید برآں، مسلمان مردوں کو جنازے میں شرکت کی ترغیب دی گئی ہے لیکن عورتوں کو مردوں سے اختلاط سے بچنے کی خاطر شرکت جنازات سے منع کیا گیا ہے۔

علمائے اسلام اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے۔ مثلاً عظیم حنفی عالم امام سرا کشیؒ اپنی معرکۃ الآراء کتاب المبسوط میں لکھتے ہیں:

"مسلمان قاضی کو چاہیے کہ وہ عورتوں کے بیان مردوں سے علیحدہ لے کیونکہ عدالتوں میں لوگوں کا ہجوم ہو جاتا ہے۔ یہ بات واضح ہے ایسی بھیڑ والی جگہ میں مردوں اور عورتوں کے اختلاط سے بہت سے فتنے جنم لیتے ہیں اور برے نتائج سامنے آتے ہیں۔" (1)

محدث امام شرف الدین نوویؒ لکھتے ہیں:

"آج کل کے دور کی ایک نہایت بری بدعت جس میں چند جاہل لوگ ملوث ہیں، وہ

---

(1) المبسوط، امام سرا کشی، جلد 16، ص 80، مطبوعہ بیروت

عادت ہے کہ چاند کی نویں تاریخ کو یہ لوگ جبل عرفات پر جا کر موم بتیاں جلاتے ہیں۔یہ نہایت گمراہ کن فعل ہے اور اس میں بہت سی برائیاں جمع ہیں مثلاً مردوں اور عورتوں کا آزادانہ اختلاط۔"(1)

اسلامی فقہ کی کتاب "الفواکہ الدیوانی" میں تو ایک علیحدہ باب میں یہ بحث کی گئی ہے کہ شادی کی دعوت سے کن حالات میں انکار کیا جاسکتا ہے۔اس میں لکھا ہے:

"شادی کی دعوت کو اس صورت میں انکار کیا جاسکتا ہے جب شادی کی تقریب میں کوئی واضح برائی ہو رہی ہو مثلاً عورتوں مردوں کا آزادانہ اختلاط (یعنی عورتوں کا نامحرم مردوں کے سامنے بے پردہ ہونا)"

اِس باب میں مخلوط معاشرے کے ضرررساں پہلوؤں اور غیر مخلوط (seperate-sex) معاشرے کے فوائد پر سوشل سائنس کی روشنی میں بحث کی جائے گی۔

بچوں کے سماجی بننے کا عمل اور غیر مخلوط ماحول:

ماہرین نفسیات (psychologists) اور ماہرین عمرانیات (sociologists) سماجی بننے کے عمل (socialization) کی تعریف یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس میں بچے ایسے معاشرے کے رسوم ورواج اور اس میں رہنے کا طریقہ سیکھتے ہیں۔ہم تاریخ انسانی کے کسی بھی ماضی کے کلچر کا مشاہدہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ ہر کلچر میں سماجی بننے کا عمل ہمیشہ غیر مخلوط ماحول میں وقوع پذیر ہوتا تھا۔مائیں اپنے کلچر کی رسوم اور اقدار اپنی بیٹیوں کو منتقل کرتی تھیں اور باپ اپنے بیٹوں کو۔ ماہر علم الانسان (anthropologist) ڈیوڈ گلمور (David Gilmore) اپنی کتاب {Manhood in the Making" میں بیان کرتا

(1) المجموع، امام شرف الدین نووی، جلد 8، ص 140، طبع مصر

ہے کہ دنیا کے اکثر معاشروں میں ایسا ہوتا رہا ہے اور آج بھی ہوتا ہے کہ پوری کمیونٹی کی خواتین اپنے کلچر کے رسوم و رواج اور اقدار لڑکیوں کو منتقل کرتی ہیں جبکہ کمیونٹی کے مرد حضرات لڑکوں کو -(1)

موجودہ دور کے امریکی کلچر میں سماجی بننے کے عمل کے دوران غیر مخلوط ماحول (separate gender environment) کی غیر موجودگی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے ڈاکٹر لیونارڈ سیکس اپنی کتاب "Why Gender Matters" میں لکھتے ہیں:

''ہماری سوسائٹی سو سال پہلے بلکہ تیس سال پہلے تک بھی ایسی بے قاعدہ نہیں تھی۔ اس دور میں والدین کو اپنے بچوں کو سماجی بنانے کے عمل میں بہت مدد مل جایا کرتی تھی۔ ہر بچہ بہت سے غیر مخلوط مشاغل میں حصہ لیتا تھا یعنی عورتیں لڑکیوں کے ساتھ مختلف سرگرمیوں میں شامل ہوتی تھیں اور مرد لڑکوں کے ساتھ۔ اکثر مشاغل آج یا تو غائب ہو چکے ہیں یا پھر مخلوط۔۔۔۔بن چکے ہیں تعلیم اور بچوں کو ان کی جنس gender کو نظر انداز کرنے سے بہت سے نقصانات کو جنم دیا ہے۔

دونوں جنسوں کے درمیان موجود فرق کو نہ سمجھنے اور اُسکا انکار کرنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ سکولوں میں جو لڑکے بہت زیادہ اچھلتے کودتے ہیں، انھیں رائیٹالن (ritalin) اور کانسرٹا concerta جیسی دوائیاں زبردستی دی جاتی ہیں تاکہ وہ ساکت وجامد ہو کر ہلکی آواز میں بولنے والی لیڈی ٹیچر کی کلاس میں بیٹھ سکیں۔ دوسری طرف بہت زیادہ شرم وحیا والی لڑکیوں کی شرم وحیا سے پریشان ہو کر ان کے بے چین اور کم علم والدین انھیں پیکسل paxil جیسی دوائیوں پر لگا دیتے ہیں۔ مجھے یہ نہ بتاؤ کہ ایسا نہیں ہوتا۔ میں (ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے) روزانہ ایسے بچے خود دیکھتا ہوں۔'' (2)

---

(1) Gilmore, David (1990). Manhood in the Making: Cultural Concepts of Masculinity. New Haven, Yale University Press.

(2) Sax, Leonard M.D., Ph.D. (2005). Why Gender Matters

چنانچہ سماجی بننے کا عمل دراصل غیر محفوظ ماحول کی پیداوار ہوتا ہے۔اس سلسلے میں مزید ثبوت کیلیفورنیا یونیورسٹی لاس اینجلس (UCLA) کی ماہر نفسیات شیلی ٹیلر (Shelley Tayler) کے مشاہدات سے ملتا ہے۔شیلی ٹیلر دونوں جنسوں کے درمیان فرق کے میدان میں ایک ماہر سمجھی جاتی ہیں۔سائنسی جریدے "Pschological Review" کے 2000ء کے شمارے میں چھپنے والی تحقیق میں وہ بیان کرتی ہیں:

''عورتیں اپنی ہم جنسوں (یعنی دوسری عورتوں) سے مردوں کے مقابلے میں زیادہ قریبی تعلق رکھتی ہیں۔وہ پریشانی کی صورت میں زیادہ معاشرتی سہارا مانگتی ہیں بمقابلہ مردوں کے،وہ اپنی سہیلیوں سے زیادہ مدد طلب کرتی ہیں اور عورتیں سہیلیوں سے معاشرتی تعلق سے زیادہ فائدے رپورٹ کرتی ہیں۔'' (1)

نوجوان لڑکیوں کا اپنے گھروں کو سب سے محفوظ جگہ قرار دینا:

ماضی میں دنیا کے تمام معاشروں میں مردوں کا دائرہ کار گھر سے باہر ہوتا تھا جبکہ خواتین گھروں میں رہ کر خاندان کی پرورش کیا کرتی تھیں۔لیکن افسوس کہ جدید سیکولر معاشروں میں تحریک نسواں اور میڈیا کی ملی بھگت سے آج عورتوں کو آزادی کا جھانسہ دیکر گھروں سے باہر نکالا جارہا ہے تا کہ وہ زیادہ وقت پبلک میں گزاریں۔چاہے وہ کیریئر کا کھوکھلا نعرہ ہو یا عورتوں کی کھیلوں اور میراتھان میں شمولیت یا صرف آزادئ نسواں کا دیومالائی تصور۔تاہم میڈیا اور سرمایہ داروں کی اتنی محنت کے باوجود وہ عورت کو آزادی کا جھانسہ تو دے سکتے ہیں یا اس کی فطرت مسخ تو کرسکتے ہیں لیکن عورت کی نیچر کو بدل نہیں سکتے کیونکہ عورتیں فطرتاً گھروں میں رہنا پسند کرتی ہیں۔اس سلسلے میں آسٹریلیا کی ایڈتھ کووین یونیورسٹی (Edith Cowen Universtiy) کی پروفیسر ڈاکٹر کینڈی جیمس (Dr. Kandy James) نے بہت دلچسپ عمرانی تحقیقات کی

---

(1) Taylor, Shelley E., et al. (2000). "Biobehavioral responses to stress in females: Tend-and-befriend, not fight-or-flight." Psychological Review, 107, 411-429.

ہیں۔ اپنی پہلی ریسرچ میں ڈاکٹر کینڈی نے آسٹریلیا کی 10 سالہ لڑکیوں کا سروے کیا جس میں انھیں پتہ چلا کہ ان لڑکیوں نے اپنے بیڈروم کو ایسی تفریحی جگہ قرار دیا جہاں وہ اپنے متعلق سب سے کم فکرمند ہوتی ہیں۔ ان لڑکیوں نے اپنے بیڈروم کو ایسی جگہ قرار دیا جہاں وہ سب سے زیادہ وقت صرف کرنا چاہتی ہیں۔ یہ تحقیق سائنسی جریدے Health Promotion Journal of Australia کے 1998ء کے شمارے میں چھپی۔ (1)

اِن نتائج نے ڈاکٹر کینڈی کو اس بات پر ابھارا کہ وہ اس تحقیق کو مزید گہرائی میں انھی لڑکیوں پر جاری رکھیں جن کی عمریں اب 16 برس کی ہو چکی تھیں۔ اس دوسری ریسرچ کا مقصد ان وجوہات کا پتہ لگانا تھا کہ لڑکیوں کا اپنے بیڈرومز کے متعلق یہ رویہ کیوں ہے۔ یہ تحقیق نہایت سائنسی انداز میں کی گئی۔ اس سلسلے میں دونوں جنسوں میں فرق پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر کینڈی نے بیان کیا: ”گو کہ لڑکے بھی اپنے فارغ وقت کا کچھ حصہ اپنے بیڈروم میں گزارتے ہیں لیکن ایسا لگتا ہے کہ بیڈروم ان کی شناخت کے لیے اتنے اہم نہیں جتنے لڑکیوں کی شناخت کے لیے اہم ہوتے ہیں۔“(2)

اصل سائنسی سروے 276 نوجوان لڑکیوں پر کیا گیا تھا۔ اس تجربے سے ملنے والی معلومات کا تجزیہ (data analysis) کرنے کے بعد ڈاکٹر کینڈی نے لڑکیوں کے جوابات کی وجوہات کا بنظر غائر مطالعہ کیا۔ ایک وجہ جس کو دیکھا گیا وہ اپنے جسم کے متعلق تصور (body image) تھا یعنی اردگرد کے ماحول اور لوگوں کی موجودگی کا لڑکی کی عزت نفس اور اپنے جسم کے متعلق اپنا تصور پر اثر ہے۔ مثلاً بیتھ (Beth) نامی ایک لڑکی نے بتایا:

---

(1) James, Kandy (1998). "Deterrents to active recreation participation: Perceptions of year 10 girls." Health Promotion Journal of Australia 8(3): 183-189.

(2) James, Kandy (2001). ""I Just Gotta Have My Own Space!": The Bedroom as a Leisure Site for Adolescent Girls." Journal of Leisure Research 32(1): 71-90.

"جب میں بہت ڈیپریس ہوتی ہوں تو میں اپنے کمرے میں جا کر روتی ہوں .... یہ مجھے احساس تحفظ فراہم کرتا ہے۔" (بحوالہ: ایضاً)

جن طبعی عناصر کا اس تحقیق میں مطالعہ کیا گیا ان میں سے ایک عنصر محفوظ اور بے خطر جگہ کی خواہش تھی۔ اکثر لڑکیوں نے اپنا زیادہ وقت اپنے گھروں میں اپنے کمرے میں گزارنے کا انتخاب اس لیئے کیا تھا کہ وہاں ایک محفوظ ماحول ہوتا ہے۔ مثلاً فازیہ (Fazia) نامی ایک لڑکی نے بتایا: "میرا کمرہ میرے لیئے سب سے محفوظ جگہ ہے اور جب میں اپنے کمرے میں ہوتی ہوں تو اس کو بند کر کے رکھتی ہوں۔" جوائے (Joy) نامی لڑکی نے ڈاکٹر کینڈی کے سروے میں اپنے گھر کے کمرے کے متعلق بتایا: "یہ ایک واحد جگہ ہے جہاں میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتی ہوں۔" اسی طرح اس تحقیق میں شامل دوسری لڑکیوں نے اپنے کمروں کے لیئے ایسے الفاظ استعمال کیئے مثلاً "my room" (میری جائے پناہ) "my refuge" (میری پناہ گاہ) اور (my little world) (میری چھوٹی سی دنیا)۔ (بحوالہ ایضاً)

لڑکیوں کی اپنے گھروں میں اپنے کمرے سے جذباتی لگاؤ کی مزید وجہ ان کمروں سے ان کی وابستہ یادیں تھیں جو انہیں احساس تحفظ مہیا کرتی تھیں۔ تحقیق میں شامل ایک لڑکی جسکا نام کےای (Kaye) تھا۔ نے بتایا: "میں اپنے گھر میں اپنے وقت کا بیشتر حصہ اپنے کمرے میں صرف کرتی ہوں .... میرے اردگرد میری تمام پسندیدہ چیزیں ہوتی ہیں .... یہ چیزیں میرے وجود کا حصہ ہیں اور یہی وہ جگہ ہے جہاں میں رہنا چاہتی ہوں۔" اسی طرح فازیہ (Fazia) نے سروے میں بتایا:

"It's your place, where you just feel safest, the most comfortable, with all your stuff around."

"یہ آپ کی اپنی جگہ ہے جہاں آپ خود کو سب سے زیادہ محفوظ سمجھتی ہیں اور سب سے زیادہ پرسکون، جہاں آپ کی تمام چیزیں آپ کے پاس ہوتی ہیں۔" (بحوالہ ایضاً)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چونکہ خواتین گھر کی منتظمہ (home-consultants) ہوتی ہیں اس لیئے انہیں اپنے گھر اور اس سے متعلق اشیاء سے جذباتی وابستگی ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس تحقیق میں بھی دیکھا گیا۔ اس کے برعکس مرد شاید ہی اپنے گھروں سے ایسی جذباتی وابستگی رکھتے ہیں کیونکہ قدرت نے انہیں اپنی فیملی کے لیئے گھر سے باہر جا کر نان نفقہ کا بندوبست کرنے والا بنایا ہے جسکی وجہ سے ان کا بیشتر وقت گھر سے باہر گزرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فیملی میں نان نفقہ کی ذمہ داری اسلام نے مرد پر رکھی ہے اور قیامت کے دن مرد سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔ دوسری طرف گھریلو ذمہ داریاں صحیح طرح ادا نہ کرسکنے پر قیامت والے دن عورت کی باز پرس ہوگی جبکہ ملازمت نہ کرنے پر اسکی باز پرس نہ ہوگی۔ حدیث نبوی ﷺ میں ہے:

اَلْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ

(صحیح بخاری– کتاب الجمعہ)

"عورت اپنے خاوند کے گھر اور اولاد کی نگران ہے اور اس سے (قیامت کے روز) اس بارے میں باز پرس ہوگی۔"

مزید برآں، ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ اس تحقیقات میں شامل تمام لڑکیوں کا تعلق مغربی آسٹریلیا سے ہے جنہوں نے اپنی آزادئ رائے کو استعمال کرتے ہوئے پبلک جگہوں کی بجائے اپنے گھروں کو تفریح گاہ کے طور پر منتخب کیا۔ اپنی تحقیق کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر کینڈی نے بیان کیا:

"Girls were concerned about how their actions might appear to others. They reported enjoying being in their bedrooms because they could 'be themselves'. This implies that many girls portray a 'self' that is not their real self when in public." (1)

---

(1) James, Kandy (2001). ""I Just Gotta Have My Own Space!": The Bedroom as a Leisure Site for Adolescent Girls." Journal of Leisure Research 32(1): 71-90.

"لڑکیاں اس بارے میں فکر مند تھیں کہ ان کی حرکات وسکنات کے متعلق دوسرے لوگ کیا سوچیں گے۔انہوں نے یہ بتایا کہ وہ اپنے بیڈ رومز میں زیادہ پرسکون محسوس کرتی ہیں کیونکہ وہ اپنی اصلی حالت میں ہوتی ہیں۔اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ لڑکیاں گھر سے باہر ایک مصنوعی وجود کا اظہار کرتی ہیں جو ان کا اصل وجود نہیں ہوتا۔"

یہاں پر ڈاکٹر جیمز کینڈی نے بہت گہرا مشاہدہ بیان کیا ہے۔گھر سے باہر جب نامحرم مرد انہیں دیکھ رہے ہوں تو لڑکیاں اس بارے میں بہت خبردار اور حساس (conscious) ہو جاتی ہیں۔چنانچہ وہ پبلک میں اپنے آپ کو ایک مصنوعی غلاف میں پیش کرنا پسند کرتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ بعض غیر مسلم خواتین بلکہ کئی مسلمان خواتین بھی پبلک میں مردوں کے گھورنے کو پسند نہیں کرتیں اور اس سے دفاع کے لیئے دھوپ کے چشمے (Sunglasses) لگا لیتی ہیں تا کہ وہ کسی طرح غیر مردوں کی نگاہوں سے بچ سکیں۔اسلام خواتین کو اس دردسری سے نجات دلا دیتا ہے۔ جب ایک مسلمان عورت مکمل حجاب اور نقاب کے ساتھ گھر سے باہر پبلک مقامات پر جاتی ہے تو اسے اپنی شخصیت پر نفسیاتی طور پر ایک مصنوعی خول نہیں چڑھانا پڑتا کیونکہ کوئی نامحرم مرد اُس کی خوبصورتی سے لطف اندوز ہو ہی نہیں سکتا۔اس کا چہرہ اور اسکا جسم مکمل طور پر ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں۔پس گھر عورت کو تحفظ اور خلوت مہیا کرتا ہے جسے خواتین فطرتاً پسند کرتی ہیں جبکہ برقعہ خواتین کو چلتی پھرتی گوشہ نشینی (portable seclusion) کا ذریعہ مہیا کرتا ہے جیسا کہ مغربی خاتون محقق حنا پاپا نک (Hanna Papanek) نے برقعہ پر اپنی ریسرچ میں بتایا تھا۔

غیر مخلوط محفلوں کی برکتیں-مسلمان معاشروں سے مثالیں:

برطانوی مفکر ہ لیوسی اریگیرے (Luce Irigaray) اپنی کتاب "An Ethics of Sexual Difference" میں موجودہ دور کے معاشروں کے متعلق افسوس کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

"ہماری سوسائٹیاں اس طرح تشکیل پاتی ہیں کہ مرد حضرات مردوں کے گروپ میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ اس طرح کے نظام میں عورتیں منتشر اور جلاوطن اینٹوں کی طرح ہوتی ہے۔" (1)

حقیقت میں یہ انسانی فطرت ہے جس کی طرف لیوسی اریگیرے نے افسوس کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے۔ تاریخ انسانی پر نظر ڈالی جائے تو تمام قدیم سوسائٹیوں میں عورتوں اور مردوں کے کام کرنے کے دائرے علیحدہ ہوتے تھے (سوائے اسکے کہ جب سوسائٹی زوال پذیر ہورہی ہو اور اس میں بے حیائی عام ہوجائے تو پھر ہرجگہ مرد اور عورتیں شانہ بشانہ نظر آتے ہیں۔) Irigaray کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے برطانیہ کے نومسلم عالم عبدالحکیم مراد لکھتے ہیں:

"روایتی طور پر مسلمانوں کے پبلک مقامات اس طرح سے تعمیر ہوتے ہیں کہ مرد اور خواتین وہاں پر علیحدہ ہوتے ہیں۔ مسلم مردوں کے لیئے عام طور پر سفید لباس مخصوص ہوتا ہے جبکہ مسلم خواتین کے لیئے کالا لباس۔ مسلمان خواتین کا کالا لباس ایک طرح کی غیر حاضری کا اظہار کرتا ہے چاہے وہ خواتین موجود ہوں، انہیں ایک محترم مہمان کی حیثیت دیکر لیکن اسلامی معاشرہ جس کی جڑوں میں محرم اور خونی رشتوں کا احترام پایا جاتا ہے وہ کبھی عورتوں کو "منتشر اور جلاوطن اینٹوں کی طرح" نہیں سمجھ سکتا۔ اسلام عورتوں کی محفلوں (entre-femmes) کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جہاں پر عورتوں کے درمیان سماجی تعلقات قائم ہوتے ہیں۔" (2)

واقعہ یہ ہے کہ کئی مغربی ماہرین علم الانسانیات (anthropologists) نے مسلمانوں کی خالص خواتین کی محفلوں (entre-femmes) پر تحقیقات کی ہیں۔ مثلاً چینٹال لوباٹو (Chental Lobato) جو علم الانسانیات کی ماہر مغربی خاتون ہیں، انہوں نے اپنے فیلڈ ورک کے دوران افغان مہاجر خواتین کا مطالعہ کیا۔ چینٹال نے مغرب کی مسلمان خواتین کی غیر

---

(1) Irigaray, Luce (1993). An Ethics of Sexual Difference. New York, Cornell University Press.

(2) Murad, Abdal Hakim (T.J. Winter) (April 1999). Islam, Irigaray, and the retrieval of gender. London, UK.

مخلوط محفلوں (separate-gender gatherings) پر الزامات پر شدید تنقید کی اور مسلم خواتین کی زندگیوں میں ایک دوسرے سے بہنوں جیسی محبت (sisterly love) کو بہت سراہا۔ اُس نے اپنی تحقیق میں یہ نوٹ کیا کہ اس قسم کی خواتین کی جگہوں کی تشکیل خواتین خود کرتی ہیں اور ایسی جگہیں معاشرتی روایات اور اقدار کی علمبردار ہوتی ہیں۔

اس کتاب میں دوسرے مقامات پر یہ بتایا گیا ہے کہ مردوں کی نگاہوں (male gaze) کا عورتوں کی طرف دیکھنا ایک بیالوجیکل امر ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خواتین کی اکثریت ایسی ہوتی ہے کہ جب نامحرم مرد انہیں گھوریں تو وہ بہت بُرا محسوس کرتی ہیں۔ ماہرین علم الانسانیات کا مشاہدہ بھی یہی بتاتا ہے کہ اکیلی خواتین کی محفلوں میں خواتین بہت پرسکون (Relaxed) محسوس کرتی ہیں اور اپنی سہیلیوں کے مابین وقت گزاری میں لطف محسوس کرتی ہیں۔ مثلاً ایک مغربی فیمینسٹ مصنفہ کارلا مخلوف (Carla Makhlouf) نے یمن کے شہر صنعا کی خواتین کی غیر مخلوط محفلوں کا درج ذیل الفاظ میں نقشہ کھینچا ہے:

''ایسی سوسائٹی جس میں مردوں، عورتوں کا اختلاط بالکل نہیں ہوتا اور دونوں جنسوں کے دائرہ کار تختی سے متعین ہیں، وہاں یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ عورتوں کی حرکات و سکنات بہت محدود ہوں گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یمن کے معاشرے میں عورتوں کی مجالس کی سب سے اہم خصوصیت نرم (Relaxation) کی فضا ہے جو کام اور فراغت دونوں اوقات میں وہاں پائی جاتی ہے.....''

''وہاں عورتوں کے علیحدہ میدان عمل ہوتے ہیں جو انکے لیئے سہارا اور طاقت مہیا کرتے ہیں اور وہاں مردوں کو کوئی کنٹرول حاصل نہیں ہوتا۔ مزید برآں، ایک کلچرل نظریۂ حیات جو خواتین کے معاشرے میں اختلاط کو پسند نہیں کرتا، اسکا یہ مطلب نہیں کہ اس میں عورتوں کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ ان خواتین کی زندگیاں ان کے خلاف جھوٹے مغربی پراپیگنڈے کی تردید کرتی ہیں۔''

''واقعہ یہ ہے کہ باہر کے ممالک سے آنے والوں کے لیئے جو کہ یہ سمجھ بیٹھے ہوتے ہیں

کہ یہاں خواتین پردے میں مظلوم اور دبی ہوئی ہوتی ہیں۔ یہ دیکھ کر حیرت میں پڑ جاتے ہیں کہ صنعا کی مسلم خواتین بعض دوسرے معاشروں کے مقابلے میں بہت آزاد ہیں۔ تقریباً ہمیشہ ہی یمن کی خواتین کی محفلوں کی فضا پسندیدہ اور پرسکون ہوتی ہے.........ان خواتین نے اپنے بہترین کپڑے پہنے ہوتے ہیں۔ کمخواب اور مخملی، نرم ملائم، وہ محو گفتگو ہوتی ہیں، کھا پی رہی ہوتی ہیں، رقص کر رہی ہوتی ہیں اور ''قت'' چبا رہی ہوتی ہیں۔" (1)

ایسے ہی تاثرات ویرونیکا ڈبل ڈے نے بیان کیئے جب اُس نے اپنے خاوند کے ساتھ افغانستان کا دورہ کیا اور ہرات کی مسلم خواتین کی زندگیوں کا قریب سے مشاہدہ کیا۔ ویرونیکا ڈبل ڈے کو اس بات پر حیرانگی ہوئی کہ افغانستان کی خواتین پردے میں رہ کر خوبصورت لباس پہنتی ہیں، فیشن کرتی ہیں، میک اپ کرتی ہیں اور آپس میں ان چیزوں میں مسابقت کرتی ہیں۔ ویرونیکا ڈبل ڈے نے اپنی کتاب "Three Women of Herat" میں لکھا کہ خواتین کی محفلوں میں افغانی خواتین کے رویے پر ہم مغربی لوگوں کو بہت تعجب ہوگا۔ ویرونیکا اس بات پر حیرانگی کا اظہار کرتی ہے کہ افغانی خواتین آخر کیوں خوبصورت لباس پہنتی ہیں جبکہ وہاں صرف خواتین ہی ہوتی ہیں اور انہیں کوئی مرد نہیں دیکھ رہا ہوتا؟ (2)

تاہم یہی تو اسلام کے حکم حجاب کا مقصد ہے کہ مسلم خواتین اپنی ذات کے لئے تیار ہوں اور صرف اپنے قریبی ترین محرم رشتہ داروں کے سامنے زیب و زینت کے ساتھ آئیں۔ مسلم خواتین کی تیاری اور بناؤ سنگھار کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ نامحرم مرد اُن کے حسن سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔

یہ تمام مثالیں یہ بتاتی ہیں کہ اسلامی معاشرے میں جب خواتین گھر سے باہر یا نامحرم

---

(1) Makhlouf, Carla, Assia (1979). Changing Veils: Women and Modernisation in North Yemen. London, Croom Helm.

(2) Doubleday, Veronica (1988). Three Women of Heart London: Jonathan Cape.

مردوں کے سامنے مکمل پردہ کرتی ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ان کے پاس اپنے بناؤ سنگھار کے اظہار کے کوئی مواقع نہیں ہوتے اور زندگی میں ان کے لیئے تفریح کا کوئی سامان نہیں۔ایک مسلمان عورت اپنی نسوانیت اور خوبصورتی سے اپنے گھر میں خواتین کی محفلوں میں اور اپنے خاوند کے ہمراہ لطف اندوز ہوتی ہے۔مسلمان عورت کی خوبصورتی اور نسوانیت کوئی سستی چیز نہیں جس کی پبلک میں نمائش کی جائے۔

مردوں کا عورتوں سے معاملات کرتے ہوئے غلط فہمی کا شکار ہونا اور عورتوں کا استحصال کرنا:

اسلام عورتوں اور مردوں کی برابری کا قائل ہے لیکن یہ بھی سمجھتا ہے کہ دونوں صنفیں نفسیاتی ،جذباتی اور شعوری ادراک کے معاملے میں ایک دوسرے سے نہایت مختلف ہیں کیونکہ اُن کے دماغوں کی ساخت ہی مختلف ہے۔اسلام معاشرے میں عورتوں اور مردوں کے آزادانہ گھلنے ملنے کی اجازت نہیں دیتا بالخصوص اگر فتنے کا ذرا برابر بھی اندیشہ ہو۔آج ماہرین نفسیات نے اپنی تحقیقات سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مخلوط ماحول میں عورتوں کے مقابلے میں مردوں کے ذہن جنسی خیالات کی طرف کہیں زیادہ مائل ہوتے ہیں۔مخلوط ماحول میں اگر کوئی عورت کسی مرد سے ہنس کر بات کر لے تو مردوں کی اکثریت کی ذہنیت ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ اُس عورت کی طرف سے اِس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ شاید وہ انہیں پسند کرتی ہے یا اُس مرد میں دلچسپی رکھتی ہے حالانکہ خواتین کا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔قرآن نے اِس مسئلے کا آسان حل غیر مخلوط ماحول کی صورت میں دے دیا ہے جہاں نامحرم مرد اور عورتیں گھلیں ملیں نہیں اور اگر نامحرم مرد اور عورت میں گفتگو کرنے کی نوبت آجائے تو خواتین کو یہ حکم ہے کہ وہ لوچ دار انداز میں یا ہنسی مذاق کے ساتھ مردوں سے گفتگو نہ کریں تاکہ مرد حضرات ان کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں۔

مغربی ماہرین نفسیات نے مردوں کی ذہنیت کے اِس گوشے کا بغور تجزیہ کیا ہے۔
ماہرین نفسیات وعمرانیات نے یہ بھی نوٹ کیا ہے کہ اس طرح کے رویے بالخصوص نوکری کرنے کی جگہوں پر زیادہ قابل قبول اور عام ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر امریکہ کی کینساس یونیورسٹی (Kansas State University) کے ماہرنفسیات فرینک سال (Frank E. Saal) اور انکے معاون سائنسدان کی ایک تحقیق میں یہ انکشاف ہوا کہ دونوں جنسوں کے درمیان کسی قسم کے روابط یا لین دین (interactions) کے متعلق مرد حضرات عورتوں کے مقابلے میں اسے زیادہ جنسی رنگ میں رکھتے ہیں۔ (1)

اِس تحقیق میں رضا کار مردوں اور عورتوں کو مردوں، عورتوں کے درمیان روابط کی تین مختلف جھلکیاں (scenes) دکھائی گئیں:

1) ایک طالبعلم اور ایک طالبہ کے درمیان ایک دوسرے کے متعلق واقفیت حاصل کرنے کے لیئے غیر رسمی گفتگو (informal discussion)

2) ایک مرد مینجر کا اپنی ماتحت خاتون کیشئر (Cashier) کو ٹریننگ دینا۔

3) ایک مرد پروفیسر کا اپنی طالبہ (female student) کے ساتھ اپنے ایک پروجیکٹ کے متعلق گفتگو کرنا۔

اوپر بیان کی گئی تینوں صورتوں کو دیکھنے والے تمام مرد رضا کاروں نے یہ بیان کیا کہ ان کے خیال میں ان جھلکیوں (scenes) میں دکھائی جانے والی خواتین (female target) یعنی طالبہ یا خاتون کیشئر کا اس مرد (طالبعلم، مینجر یا پروفیسر) کے ساتھ رویہ اسے اپنی طرف مائل

---

(1) Saal, Frank E., Johnson, C. B. & Weber, N. (1990). "Friendly or sexy? It may depend on whom you ask." Psychology of Women Quarterly 13: 263-276.

کرنے والا (seductive) اور زیادہ دلبرانہ (more flirtatious) تھا جبکہ اُن جھلکیوں کو دیکھنے والی خواتین رضا کاروں نے "scenes" میں دکھائی جانے والی خواتین کے رویے کے متعلق ایسی کوئی رائے نہ دی۔ (1)

اِس تجربے سے کینساس یونیورسٹی کے سائنسدانوں اور ماہرین نفسیات نے یہ نتیجہ نکالا کہ عورتوں کے مقابلے میں مردوں کی نفسیات کچھ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ وہ بہت آسانی سے دوسری عورتوں کے رویے یا ارادے کے متعلق غلط فہمی (بلکہ اکثر اوقات خوش فہمی) کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اِس سلسلے میں مزید تحقیق دو خواتین ماہرین نفسیات کیتھرین جانسن (Catherine Johnson) اور مارگریٹ سٹاکڈیل (Margereet Stockdele) نے کی۔ اِس لیبارٹری کے تجربے میں کالج کی 187 لڑکیوں اور 165 لڑکوں نے شرکت کی۔ اِس تحقیق میں یہ تجزیہ کیا گیا کہ اگر روایتی صنفی کرداروں کو الٹ دیا جائے تو کیا مردوں اور عورتوں کے باہمی اختلاط کے متعلق رائے قائم کرنے کے بارے میں دو جنسوں میں کوئی فرق پایا جاتا ہے۔ اس ریسرچ میں شامل رضا کار لڑکوں اور لڑکیوں نے ایک 5 منٹ کی ویڈیو کا مشاہدہ کیا۔ خاتون سائنسدان کیتھرین اور انکے معاونین نے اس ویڈیو کے 12 مختلف ایڈیشن تیار کیے جن میں مختلف ڈرامے کے سین دکھائے گئے اور ان سب میں ایک پروفیسر (مرد یا عورت) کو اپنے جنس مخالف طالبعلم (لڑکا یا لڑکی) سے کوئی معاملے کرتے ہوئے دکھایا گیا جبکہ ان ویڈیوز میں سے ہر ایک میں سائنسدانوں نے مختلف صورت حال پیش کی۔ اس تحقیق کے نتائج نے بھی سابقہ ریسرچ کے نتائج کی تائید کی کہ مرد ہمیشہ عورتوں کے رویے کے متعلق غلط امیدیں قائم کر لیتے ہیں چاہے اس عورت کا رتبہ (status) کیا ہے۔ کیتھرین اور انکے معاونین نے اپنی تحقیق کے ضمن میں لکھا:

"To summarize, this study adds to the generality and robustness of the finding that men are more likely than women to misperceive women's interpersonal behavior. The ratings of men and women differ

not only when a female is subordinate in a relationship, but also when she is superior. Furthermore, men's misperceptions of women's behavior persist over increasing levels of harassment with few exceptions. Perhaps most important, men's misperceptions persist regardless of whether the student accepts or rejects the professor's advances." (1)

"المختصر کہ یہ تحقیق سابقہ ریسرچ کے نتائج کو تقویت پہنچاتی ہے۔عورتوں کے مقابلے میں مرد حضرات کا امکان زیادہ ہوتا ہے کہ وہ خواتین کے مردوں سے معاملہ کرنے کے رویے کا ادارک غلط کرتے ہیں۔مردوں اورعورتوں کی سوچ میں یہ فرق نہ صرف اس وقت پایا گیا جب کہ ویڈیو میں دکھائی جانے والی عورت ماتحت تھی بلکہ اس وقت بھی جب کہ عورت کی پوزیشن مرد سے اوپر تھی۔غالباً سب سے اہم بات یہ ہے کہ مرد اپنی غلط فہمی پر اڑے رہے چاہے ویڈیو میں دکھائی جانے والی طالبہ نے اپنے مرد پروفیسر کی عشقیہ پیش کش کو قبول کیا یا رَد کردیا۔"

کوایجوکیشن، مردوں عورتوں کی ایک ساتھ نوکریاں یا دیگر مخلوط ماحول میں یہ بات عام ہوتی ہے کہ اُس مخلوط ماحول میں کسی نامحرم عورت سے گفتگو کرتے ہوئے یا اس کے کسی عمل یا رویے سے مرد حضرات اُس عورت کے متعلق خوش فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں اور اُس عورت کی طرف اُس غلط فہمی کی بنا پر پیش قدمی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔تب جا کر انہیں علم ہوتا ہے کہ وہ جس امید کو اپنے دل میں لیئے بیٹھے تھے اُس عورت کا ذرا برابر بھی اُن کے متعلق ایسا کوئی ارادہ نہ تھا بلکہ اس عورت کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا کہ اس کے کسی رویے سے یا بات چیت سے وہ نامحرم مرد اُس عورت سے محبت کی امید لگا کر بیٹھ گیا ہے۔اوپر بیان کی گئی تحقیق سے ایک بات

---

(1) Johnson, C. B., Stockdale, Margaret S., Saal, Frank E. (1991). "Persistence of Men's Misperceptions of Friendly Cues across a Variety of Interpersonal Encounters." Psychology of Women Quarterly 15: 463-475.

یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ اگر مرد حضرات عورت کے کسی رویے سے اس کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جائیں تو پھر چاہے عورت صفائی پیش کرے لیکن اکثر مرد حضرات اُس خوش فہمی کی خیالی دنیا سے باہر نکلنا پسند نہیں کرتے۔

ان تحقیقات کی روشنی میں اسلام کے حجاب کے حکم کی حکمت سمجھ میں آسکتی ہے۔ اسلام برائی کو جڑ سے ختم کرتا ہے۔ اسلام مردوں کی نفسیاتی کمزوری اور نقص سے بخوبی واقف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں عورتوں اور مردوں کو آزادانہ گھلنے ملنے کی اجازت نہیں۔ اسلام مردوں کو ایسا موقع ہی نہیں دیتا کہ وہ نامحرم خواتین سے آزادانہ گفتگو یا میل جول کریں اور پھر ان کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہوں۔ اگر نامحرم مرد اور عورت کی گفتگو کرنے کی نوبت آجائے تو خواتین کو یہ حکم ہے کہ وہ پردے کے پیچھے سے گفتگو کریں (نقاب پہن کر گفتگو کریں) اور مردوں سے گفتگو میں لوچ دار انداز یا ہنسی مذاق نہ اختیار کریں تاکہ مرد حضرات ان کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلاً مَّعْرُوْفًاۚ (سورہ الاحزاب: ۳۲)

”تم دبی زبان سے بات نہ کیا کرو کہ دل کی خرابی کا مبتلا کوئی شخص لالچ میں پڑ جائے، بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔“

نقاب خواتین کو مردوں کی نظری چوری نجات دلاتا ہے:

(Niqab saves women from the visual theft of men)

چند برس قبل امریکہ کے اخبار The Sunday Gazette Mail کے 15 مئی 1994 میں خواتین کے متعلق ایک مضمون شائع ہوا جس میں انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ

"آجکل کی خواتین اب نیم عریاں ہوکر اپنی طاقت پر بھروسہ کرنے کی بجائے پورا لباس پہن کر اپنی طاقت پر بھروسہ کرنے لگی ہیں۔"

آجکل کی مغربی خواتین میں شرم وحیا کی قدر و قیمت کو دوبارہ دریافت کرنے کی جدید رجحان پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکہ کی یہودی مفکر خاتون وینڈی شیلیٹ (Wendy Shelit) اپنی کتاب A Return of Modesty میں رقمطراز ہے:

"یہ لباس کے ساتھ "عورت کی طاقت" کا احترام ہی تھا جس کی وجہ سے ایک زمانہ تھا کہ مردوں کے لیئے یہ ناممکن تھا کہ عورت کو ایک تفریح کا کھلونا سمجھتے۔ اسکی بجائے خواتین ایک گہری اور بنیادی اہمیت کی حامل شخصیت بن جاتی ہیں جو ایک گہرے اور حیرت انگیز راز کی مالک ہوتی ہیں جو صرف اسی کے سامنے افشا کیا جاتا ہے جو مرد یہ ثابت کرے کہ وہ اس کا اہل ہے۔" (1)

فی الحقیقت اسلامی حجاب اور نقاب سوسائٹی کے مردوں کو یہی پیغام تو دیتے ہیں کہ عورت ایک نمائشی شوپیس نہیں بلکہ برقعہ یا اوڑھنی میں ملبوس یہ عورت "ایک گہرے اور حیرت انگیز راز کی مالکہ" (possessor of a deep and wondrous secret) ہے۔

چہرے کا پردہ کرنے والی عورت پبلک میں اس چیز سے محفوظ ہوتی ہے کہ وہ مردوں کی نظروں کی چوری (Visual theft) کا شکار ہو سکے۔ چنانچہ کوئی مرد بھی اس عورت کی مرضی کے بغیر اس کی خوبصورتی سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ ایسی عورت تانک جھانک کرنے والی آنکھوں سے محفوظ رہتی ہے۔

سر سے پاؤں تک اپنے جسم کو ڈھانکنے والی عورت اس قابل ہو جاتی ہے کہ وہ اپنا مادی وجود صرف اپنی فیملی اور اپنی سہیلیوں (family and sorority) کے سامنے ظاہر کر سکے۔

دراصل اسلامی حجاب ایک طرح کی اخلاقی برساتی (moral raincoat) کا کام کرتا ہے جو کہ بالخصوص جدیدیت کے بے رحم موسم میں بہت مددگار ثابت ہوتا ہے۔ برطانیہ کے نو

---

(1) Shalit, Wendy (1999). A Return To Modesty: Discovering the Lost Virtue. New York, The Free Press.

مسلم سکالر شیخ عبد الحکیم مراد کے الفاظ میں:

"Islamic hijab (and niqab) allows a vision of a Muslim woman as liberated not from tradition and meaning, but from ostentation and from subjection to random visual rape by men." (1)

(اسلامی حجاب ونقاب ایک آزاد عورت کا تصور پیش کرتا ہے جو کہ اپنی اقدار اور روایات سے آزاد نہیں ہوتی بلکہ نمود ونمائش سے آزاد ہوتی ہے اور مردوں کی نگاہوں سے زنا بالجبر اور نگاہوں سے عورت کی عصمت دری سے ایسی عورت آزاد ہو جاتی ہے)۔

اپنی معروف ومشہور کتاب "Ways of Seeing" میں برطانیہ کے نامور آرٹ کے نقاد اور مصور جان برجر (John Berger) نے مغربی مصوری کی تاریخ کے عورت کے جسم کی تصویر کشی پر تحقیق کی۔ اپنی کتاب میں برجر نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ مردانہ گھورنے (male gaze) یا مردانہ ٹکٹکی باندھنے کے معاملے کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

"Men look at women. Women watch themselves being looked at. This determines not only most relations between men and women but also the relation of women to themselves. The surveyor of woman in herself is male: the surveyed female. Thus she turns herself into an object - and most particularly an object of vision: a sight." (2)

---

(1) Murad, Abdal Hakim (T.J. Winter) (April 1999). Islam, Irigaray, and the retrieval of gender. UK

(2) Berger, John (1972) Ways of Seeing. London, Penguin.

"مرد عورتوں کی طرف گھورتے ہیں۔عورتیں یہ جانتی ہیں کہ انہیں دیکھا جارہا ہے۔یہ چیز نہ صرف مردوں کے عورتوں سے اکثر تعلقات کا تعین کرتی ہے بلکہ عورتوں کے اپنے آپ سے تعلق (یعنی اپنے متعلق ذاتی رائے) کا بھی فیصلہ کرتی ہے۔عورت کی ذات کا مشاہدہ کرنے والا مرد ہوتا ہے اور جس کا مشاہدہ کیا جارہا ہے وہ عورت۔چنانچہ عورت اپنے آپ کو ایک "شے" سمجھنا شروع کردیتی ہے اور بالخصوص دیکھی جانے والی شے یا نمائش کی جانے والی چیز۔"

چہرے کا پردہ یا نقاب عورت کو اسی مردانہ نظر یا ٹکٹکی (male gaze) سے بچاتا ہے۔ نامحرم مردوں کے سامنے اپنی شناخت کو چھپا کر نقاب ایک عورت کو دیکھی جانے والی چیز (object of vision) بننے سے بچالیتا ہے۔نقاب عورتوں کی مردوں کی نظر کے مکروہ اثرات سے بھی بچاتا ہے جس کی وجہ سے باپردہ خواتین اپنے چہرے کے خدوخال کے معاملے میں احساس کمتری کا شکار نہیں ہوتیں۔

قرآن میں سورہ النور میں مردوں کے عورتوں کو گھورنے یا ٹکٹکی باندھنے (male gaze) کے معاملے کی طرف واضح طور پر اشارہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ چیز مردوں کے قلوب کو تباہ کر کے رکھ دیتی ہے:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ. (سورہ النور–آیت -30)

(مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔یہ ان کے لیئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے)

دلچسپ بات یہ ہے کہ آیت کے اگلے حصے میں خواتین سے خطاب ہے:"مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی عفت کی حفاظت کریں اور اپنے بناؤ سنگھار نہ دکھائیں.....اور اپنے اوپر اوڑھنیاں ڈال لیں۔"(سورہ النور: آیت 31)

اس آیہ مبارکہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کینیڈا کی نومسلم خاتون محقق کیتھرین بلاک (Katherine Bullock) نے بہت اہم نکتہ بیان کیا ہے:

"جب اِن دونوں آیات کو ایک ساتھ دیکھا جائے تو میری سمجھ میں یہ بات آئی ہے کہ قرآن نے ایک طرف تو مردوں کو اپنی نگاہیں نیچی کرنے کا حکم دیا لیکن دوسری طرف خواتین کو ایک مزید حکم اوڑھنیاں (چادریں) لینے کا دیا کیونکہ یہ چیز مردوں کی نگاہوں (male gaze) سے بچا کر عورتوں کی عفت وعصمت کی حفاظت کرتی ہے۔" (1)

چنانچہ قرآن کے حکم حجاب میں عورتوں کے لیئے فائدہ ہی فائدہ ہے۔اسلامی حجاب خواتین کو مردوں کی نگاہوں کی چوری (visual theft) سے ایک ڈھال کی طرح بچاتا ہے۔

---

(1) Bullock, Katherine (2002) Rethinking Muslim Women and the Veil. Virginia, IIIT.

باب نمبر 12

حجاب اور نقاب کی طرف پلٹنے والی چند خواتین کی داستان

اس باب کو لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم ان چند خواتین کی آرا یا ان کی زندگی کے واقعات سے آگاہ ہو سکیں جنہوں نے اپنی زندگی میں حجاب پہننے کا انقلابی فیصلہ کیا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے اپنی سچی محبت کو اپنے عمل کے ذریعے ثابت کر دکھایا۔ ان خواتین کی زندگی کے واقعات اور انٹرویوز پڑھنے کے بعد قارئین کو یہ اندازہ ہوگا کہ برقعہ یا نقاب لینا مردانہ حاکمیت کی نشانی نہیں جیسا کہ مغربی پروپیگنڈا کہتا ہے بلکہ پردہ مسلمان عورتوں کو آزادی دلانے والی قوت ہے۔
دراصل پردہ، عقلمند خواتین کا انتخاب ہے!!

ٹیرا بلیک تھورن کی کہانی

ٹیرا بلیک تھورن (Tara Blackthorn) نے 17 سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ اس سے قبل وہ کیتھولک عیسائی تھیں۔ ٹیرا بلیک تھورن نے اپنے قبول اسلام کی کہانی درج ذیل الفاظ میں بیان کی:

”یہ میری نقاب پہننے کی کہانی ہے۔میں نے اسکول 11ویں گریڈ میں (یعنی FSc کے پہلے سال) اسلام قبول کیا۔کلمہ شہادت پڑھنے سے پہلے میں نے عبایا پہننا شروع کردیا تھا۔میری ایک سہیلی نے مجھے اسلام کے چہرہ چھپانے کے حکم کے متعلق بتایا۔اس نے مجھے بتایا کہ اس بارے میں علماء کی دو آراء ہیں لیکن محتاط انتخاب یہی ہے کہ ہمیں نقاب پہننا چاہیے۔چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ اس سال جونہی اسکول ختم ہوں گے تو میں نقاب لینا شروع کردوں گی۔ان شاءاللہ۔پھر میں نے اپنے آپ سے سوال کیا: ”میں گرمی کی چھٹیوں کی آمد کا انتظار آخر کیوں کر رہی ہوں؟ کیا میں اپنے اسکول میں اپنے ہم جماعتوں کا نقاب کے ساتھ سامنا کرنے سے اتنی ہی ڈرتی ہوں؟ دراصل میں نے ہر کسی کو سر کے سکارف اور عبائے کے پہننے کی وجہ سے پہلے ہی ششدر کردیا تھا اور اب ان کی طرف سے مزید گھورنے یا پھبتیوں کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔پھر مجھے اس بات کا خوف لاحق ہوا کہ میں اپنے ہم جماعتوں کی باتوں کو اللہ کے حکم سے زیادہ اہم سمجھ کر شرک کی مرتکب ہو رہی ہوں۔

الحمدللہ کہ جب میں نے اگلے ہفتے جمعہ کی نماز میں شرکت کی تو امام مسجد اپنے وعظ میں فرما رہے تھے کہ زندگی میں ہمارے پاس وقت بہت کم ہے جسے سن کر میں بے چین ہوگئی۔میں نے سنجیدگی سے اس بات پر غور کرنا شروع کیا کہ نقاب پہننا شروع کرنے کے لیے میں نے جو انتظار کی مدت مقرر کی ہے (یعنی گرمی کی چھٹیاں شروع ہونے پر)۔کیا وہ صحیح فیصلہ ہے؟ اس بات کی مجھے کیا گارنٹی ہے کہ گرمی کی چھٹیاں شروع ہونے تک میں زندہ رہوں گی۔اس خیال کو مزید تقویت اس بات سے بھی ملی کہ اسی سال کی ابتداء میں میری بچپن کی سہیلی گاڑی کے ایک حادثے میں جاں بحق ہوگئی تھی۔اس کے اگلے ہی روز میں نے نقاب پہننے کا فیصلہ کرلیا جس میں صرف میری آنکھیں نظر آتی تھیں۔میں آج بھی نقاب پہنتی ہوں اور مجھے اپنے فیصلے پر افسوس نہیں ہے۔
آپ میں سے جو لوگ نیویارک سٹی میں رہتے ہیں اور وہاں کی معروف پبلک ٹرانسپورٹ سے واقف ہیں انہیں یہ جان کر تقویت ملے گی کہ میں نیویارک شہر کی ٹرینوں اور بسوں میں غیر مسلموں کے ہجوم میں نقاب پہن کر ہفتے میں پانچ دن سفر کرتی ہوں۔جب میں ٹرین پر سفر شروع کرتی

ہوں تو رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کو یاد کر لیتی ہوں کہ اگر دنیا تمھیں نقصان پہنچانا چاہے تو تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی سوائے اللہ کی مرضی کے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان اور آخرت کے اجر میں اضافہ فرمائے۔" آمین (1)

میں اپنی نسوانیت ختم کر رہی تھی .... حجاب نے اسے تحفظ دیا - ایک چینی نومسلمہ کی ایمان افروز داستان

ایک روز میں ایک لمبے سفید لباس میں ملبوس اپنی گلی سے گزر رہی تھی۔ میرے بال صرف ایک انچ لمبے تھے۔ ایک ٹرک ڈرائیور نے میری طرف دیکھا اور انتہائی فحش انداز میں سیٹی بجائی۔ میں انتہائی شرمندہ ہوئی کیونکہ ابھی ابھی تو میں ایک بال تراش کی دکان سے باہر نکلی تھی جسے بڑی پرزور فرمائش کرتے ہوئے میں نے اپنے بال لڑکوں جیسے بنانے کے لئے کہا تھا۔ اور میری ہیئر ڈریسر ہر ایک انچ بال کاٹنے کے بعد مجھ سے پوچھتی کہ اس قدر زیادہ بال لڑکوں جیسے بنانے کے لئے کہا تھا۔ اور تب مجھے اپنی حماقت محسوس نہ ہوئی۔ مگر اب محسوس ہوا کہ یہ قطع و برید بالوں کے ساتھ نہیں بلکہ میرے ساتھ کی گئی ہے۔ میں اپنی نسوانیت ختم کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اس سب کے باوجود مردوں کی نگاہیں میری طرف یونہی اٹھتی رہیں گویا میں ان کیلئے صنفی کشش رکھنے والی کوئی شے ہوں۔ میں ایک عورت ہوں اور یہ امر حیاتیاتی طور پر تسلیم شدہ ہے۔ میری طرف دیکھنے والے مجھے ایسے دیکھتے ہیں جیسا کہ صرف میں نظر آتی ہوں۔ قطع نظر اس سے کہ میں اصل میں کیا ہوں لیکن ان کے اس طرح دیکھنے کو بھی الزام نہیں دیا جا سکتا جب تک میں خود یہ نہ جان لوں کہ میری حقیقت کیا ہے؟ میں کون ہوں؟ کیا محض صنفی کشش رکھنے والا ایک وجود؟ میں یقین رکھتی ہوں کہ جو مرد عورتوں کو محض صنفی لذت کا سامان سمجھ کر دیکھتے ہیں، وہ ان کے خلاف جرائم کا

---

(1) Blackthorn, Tara. "My Niqab Story"
http://www.muslimconverts.com/hijab_niqab/niqab_tara.htm

ارتکاب کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے عورتوں کو مارنا پیٹنا اور انکی عصمت دری کرنا جرم ہے اب کبھی کبھی میں یہ سوچتی ہوں کہ مجھ سے کتنی بار ایسا سلوک کیا گیا۔ میرے جسم پر پڑنے والی نگاہوں نے کتنی بار مجھ سے بدسلوکی کی ہوگی۔ کتنی مرتبہ میری عصمت دری کی ہوگی۔ اس تصور سے ہی میرا وجود کانپنے لگتا ہے۔

حجاب کے بارے میں میرا پہلا تجربہ معلمانہ نوعیت کا تھا' جب مجھے ایک نیوز میگزین کے ایک منصوبے کی خاطر مسلمان عورتوں جیسا لباس پہننا اور تین مسلمان مردوں کے ساتھ سر کرنا پڑا۔ میں نے ایک لمبی سوتی قمیض اور جینز پہنی ہوئی تھی۔ پاؤں میں ٹینس شوز اور ایک پھولدار ریشمی سکارف جس نے میرے سر کو ڈھک لیا۔

تھوڑے ہی وقت میں میں نے نہ صرف دیکھا بلکہ محسوس بھی کیا..........لوگوں کی نظریں میری طرف اس طرح نہیں اٹھتی تھیں جس طرح اس سے پہلے وہ مجھے محض ایک صنفی کشش کا سامان سمجھ کر دیکھا کرتے تھے۔ اب انہیں معلوم تھا کہ میں ایک مسلمان عورت ہوں اور پہلے جیسے جملے اور فقرے کسنے سے باز رہتے۔ میں نے جائزہ لیا کہ اب مردوں کی نگاہیں میرے جسم کا محاصرہ اس طرح نہیں کرتیں جیسے اس وقت کرتی تھیں جب میں حجاب استعمال نہیں کرتی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں ایک اسلامی مرکز گئی تو ایک سیاہ فام امریکی شخص نے مجھے بہن کہہ کر پکارا اور مجھ سے پوچھا کہ میں کہاں سے آئی ہوں۔ میں نے اسے بتایا کہ میرا تعلق چین سے ہے..........لیکن اس کے نزدیک یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس نے اتنی شائستگی کا اظہار محض اس لئے کیا کہ اس نے سمجھا کہ میں مسلمان ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں اسے یہ کیسے بتاؤں کہ میں ابھی باقاعدہ مسلمان نہیں ہوں یا شاید مجھے خود یقین نہیں تھا کہ میں مسلمان ہوں یا نہیں..........میں امریکہ میں واقع افریقی زیورات کے ایک سٹور میں گئی، وہاں بھی ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا میں اس وجہ سے یہاں آئی ہوں کہ میں مسلمان ہوں۔ میں نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس وقت کس طرح کا ردعمل ظاہر کرنا ہے لہٰذا میں نے جواب نہ دینے کو ہی بہتر سمجھا۔

میں نے حجاب کا استعمال انتہائی شعور کے ساتھ شروع کیا ہے کیونکہ میں مردوں سے اپنی عزت کروانا چاہتی ہوں۔ابتدائی طور پر تعلیم نسواں سے منسلک ہونے اور ایک مفکر ہونے کی وجہ سے میں مغرب کے اس نقطہ نظر سے متاثر تھی کہ حجاب عورتوں پر جبر ہے۔لیکن اپنے تجربات کے بعد میں بالآخر اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ یہ نقطہ نظر گمراہ کن اور غلط معلومات کی وجہ سے ہے۔حجاب جبر نہیں اگر اسے اسلام کو سمجھتے ہوئے شعوری طور پر اختیار کیا جائے۔

جب پہلی مرتبہ میں نے حجاب پہنا تو یہ میری زندگی کا سب سے خوش کن تجربہ تھا۔اب مجھے ایک عورت اور ایک شخصیت کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔مجھے معلوم ہوا کہ میرے لباس کے تبدیل ہونے سے لوگوں کا میرے بارے میں تاثر تبدیل ہو گیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ میں نے اپنے بارے میں تاثر کی جنگ جیت لی ہے۔

اب دراصل میں نے اپنی صنف کو ڈھانپ لیا ہے، اپنی نسوانیت کو نہیں۔کیوں کہ صنف کو ڈھانپنے میں ہی دراصل نسوانیت کی آزادی ہے۔ (1)

مردوزن کے درمیان حجاب کی مضبوط دیوار ضروری ہے

....اپنے تجربات کی روشنی میں نومسلمہ گارجینا کے تاثرات

گارجینا نیوری سوان سی یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھی جب وہ مسلمان ہوگئی۔وہ راسخ العقیدہ فرقے سے وابستہ تھی اور تثلیث کی بجائے خدائے واحد کا عقیدہ رکھتی تھی۔چنانچہ یونیورسٹی میں جونہی وہ ایک لبنانی مسلمان سے متعارف ہوئی وہ مسلمان ہوگئی۔قبول اسلام کے حوالے سے تفصیلات کو نظر انداز کرتے ہوئے ذیل میں محترمہ گارجینا کے وہ ایمان افروز تاثرات دیئے جارہے ہیں جن کا اظہار انہوں نے نماز اور اسلامی معاشرت کے حوالے سے کیا ہے۔

''میں نظم وضبط کے حوالے سے نمازوں سے بہت متاثر ہوئی۔پانچوں نمازیں خاص

---

(1) ریڈیئنس میگزین، بحوالہ ''آئین'' جون 2000ء

اوقات میں پڑھی جاتی ہیں ۔دن کی پہلی روشنی میں ، دوپہر کو جب سورج پورے جوبن پر ہوتا ہے، سائے ڈھلنے پر ملگجے اندھیرے میں اور رات کی تاریکی میں ۔ گویا جدید ترین سائنسی حوالے سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ پانچوں نمازیں ہمیں فطرت کے ساتھ ہم آہنگ رکھتی ہیں ۔اس سے مراقبہ اور غور وفکر کا رجحان پیدا ہوتا ہے اور ذہن کی بیٹری نہ صرف چارج ہوتی رہتی ہے بلکہ یہ اپنے مرکز کے ساتھ بھی منسلک رہتا ہے۔

مجھے اسلامی معاشرت کا یہ پہلو بھی بہت اچھا لگا اور اس میں غیر معمولی فوائد نظر آئے کہ مرد وزن کی مخلوط محفلیں برپا نہیں ہونی چاہئیں اور ان کے درمیان حجاب کی مضبوط دیوار حائل ہونی چاہیے ۔اس طرح گویا اسلامی معاشرہ سکون اور قلبی راحت کا بڑا ہی خوبصورت منظر پیش کرتا ہے ۔بیویاں مطمئن ہوتی ہیں کہ کوئی غیر عورت ان کے خاوندوں کو اپنی طرف مائل نہیں کرے گی ۔ اس وقت یورپ اور یورپ سے متاثرہ معاشروں میں صورتحال بڑی ہی گھمبیر ہے ۔مخلوط سوسائٹی کی وجہ سے نہ بیویوں کو خاوندوں پر بھروسہ ہے اور نہ خاوند بیویوں پر اعتماد کرتے ہیں۔

ایک افراتفری اور نفسا نفسی کا عالم ہے جس کی وجہ سے پورے یورپ اور امریکہ میں خاندانی نظام تہہ وبالا ہو کے رہ گیا ہے جبکہ اس کے برعکس مسلمان ملکوں میں بہت سی کمزوریوں اور خرابیوں کے باوجود صورتحال اتنی خراب نہیں بلکہ یورپ کے مقابلے میں کہیں اطمینان بخش ہے ۔

دراصل اللہ تبارک وتعالیٰ خالق حقیقی کی حیثیت سے جانتے تھے کہ جنس کا معاملہ انسانی زندگی میں کیا نزاکتیں رکھتا ہے،اسی لئے اسے جائز حدود میں رکھنے کے لئے قیود عائد کی گئیں اور اگر ان قیود کی پابندی کی جائے تو کوئی بھی معاشرہ ان ناخوشگوار حالات سے بچ سکتا ہے جن سے آج کا یورپ اور دیگر آزاد معاشرے دوچار ہیں ۔

بہر حال میں جب بھی گھر سے باہر نکلتی ہوں ، چہرے پر نقاب باندھ لیتی اور لمبا کوٹ پہن لیتی ہوں ۔ پہلے پہل ذہنی اور جسمانی اعتبار سے یہ عمل بہت مشکل محسوس ہوا کہ میرا تعلق ایک ایسے معاشرے سے تھا جہاں ہر عورت دلکشی اور نمائش پر جان دیتی ہے لیکن آہستہ آہستہ نفس کی اصلاح ہوتی چلی گئی ۔ذہن کا خناس رخصت ہو گیا اور میری روح پاکیزگی اور طہارت اختیار کر گئی ۔اب

الحمدللہ میں مطمئن و مسرور ہوں۔ سڑکوں بازاروں میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتی ہوں اور خلاف معمول جب کوئی لڑکا یا لفنگا مجھے دیکھ کر سیٹی نہیں بجاتا، نہ آوازے کستا ہے تو میں بہت ہی خوش ہوتی اور خدا کا شکر ادا کرتی ہوں جس کی تعلیمات نے مجھے عورت کا وقار اور احترام عطا کیا اور بہت سے فتنوں سے بچالیا"۔ (1)

مجھے نقاب سے کیسے محبت ہوئی؟

برطانوی خاتون صحافی ایوان رڈلے کے تاثرات

آج دنیا میں یہی پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ افغانستان کی طالبان حکومت خواتین پر ظلم کرنے کی سب سے بڑی مثال ہے، لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ جب ایک یورپی عورت ایسے مردوں کے ہاتھوں میں قیدی بنی، جن مردوں سے تمام مغرب اور مغرب زدہ لوگ نفرت کرتے تھے تو ان مردوں کے رویے سے متاثر ہو کر اس یورپی عورت نے اسلام قبول کرلیا۔

ایوان رڈلے 25 سال سے زیادہ تجربہ رکھنے والی ایوارڈیافتہ صحافی خاتون ہیں جو کتابوں "In the Hands of the Taliban" اور "Ticket to Paradise" کی مصنفہ ہیں۔ ایوان ریڈلے پچھلے دس سالوں سے برطانیہ کے نامور اخبارات The Observer، The Sunday Times، The Independent وغیرہ میں کام کر رہی ہیں۔ ان کا نام ستمبر 2001 میں اس وقت ہیڈ لائنز میں آیا جب برطانیہ کے اخبار Daily Express کے لیئے کام کرتے ہوئے بھیس بدل کر ایوان ریڈلے نے افغانستان غیر قانونی طور پر داخل ہونے کی کوشش کی اور نتیجتاً وہ طالبان کی قید میں 11 روز رہیں۔ اپنی قید کے دوران انہوں نے طالبان سے وعدہ کیا کہ وہ رہا ہو کر قرآن کا مطالعہ کریں گی۔ رہائی کے بعد انہوں نے قرآن کا

---

(1) ماھنامہ خواتین میگزین لاہور، نومسلم خواتین نمبر

مطالعہ کیا اور 2003ء کی گرمیوں میں اسلام قبول کرلیا۔ اپنے ایک حالیہ آرٹیکل میں انہوں نے نہایت فصاحت کے ساتھ بتایا ہے کہ انہیں نقاب سے کیسے محبت ہوئی۔ اپنے آرٹیکل میں وہ لکھتی ہیں:

"مغربی سیاستدان اور صحافی حضرات اسلام میں عورتوں پر ظلم وستم کے بارے میں لکھنے کو بہت پسند کرتے ہیں۔ پردے کے اندر موجود خواتین سے حقیقت حال دریافت کیئے بغیر۔ انہیں اس بات کا اندازہ ہی نہیں کہ مسلمان خواتین کو اسلامی سانچے کے اندر کتنی حفاظت اور عزت ملی جس سانچے کی تعمیر 1400 قبل ہوئی۔

پہلے میں برقعے میں ملبوس خواتین کو خاموش اور مجبور مخلوق سمجھتی تھی لیکن اب میں انہیں ہنر مند، انتہائی قابل اور مضبوط خواتین سمجھتی ہوں جن کا آپس میں بہنوں کی طرح کا رشتہ دیکھ کر مغربی تحریک نسواں کی خواتین بھی شرما جائیں۔

میرے نظریات اس وقت تبدیل ہوئے جب میں نے طالبان سے رہائی کے بعد قرآن کا مطالعہ کیا۔

اور نہیں، میں اپنے قابضوں پر فریفتہ نہیں ہوئی تھی۔ اپنی قید کے دوران میں طالبان پر کبھی تھوکتی، کبھی انہیں گالیاں دیتی، کبھی ان پر لعنتیں بھیجتی اور کبھی ان کے دیئے ہوئے کھانے کا انکار کر کے بھوک ہڑتال کر دیتی تھی۔ میں نے ان کا ناک میں اتنا دم کیا ہوا تھا کہ مجھے نہیں معلوم کہ میری رہائی پر میں زیادہ خوش تھی یا وہ لوگ۔

میں یہ سمجھ رہی تھی کہ قرآن کو پڑھنا ذہنی مشق ہوگی لیکن میں یہ دریافت کر کے حیران رہ گئی کہ قرآن واضح طور پر بتاتا ہے کہ روحانیت، تعلیم اور قدر و قیمت میں خواتین مردوں کے مساوی ہیں۔ عورت کی بچہ جننے اور بچوں کی پرورش کرنے کی صفت کو قرآن میں نہایت قدر سے بیان کیا گیا ہے۔ مسلمان خواتین بڑے فخر سے یہ بتاتی ہیں کہ وہ گھر ستن (housewife) ہیں۔

اسلام میں اگر عورت گھر میں ٹک کر بچوں کی پرورش کا انتخاب کرتی ہے تو اس کی میری نگاہ میں بہت تعظیم اور عزت ہے۔

پھر میں نے اسلام کے وراثت، ٹیکس، جائیداد کی ملکیت اور طلاق کے قوانین کا مطالعہ کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اتنے ترقی یافتہ (advanced) ہیں کہ غالباً ہالی وڈ کے وکلاء یہیں سے جذبہ حاصل کرتے ہیں----------

یہ ٹھیک ہے کہ مسلمان عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ ستر کو ڈھانکنے والا لباس پہنے لیکن اس کے علاوہ آج کی عورتوں کو اور بھی بہت سے مسائل درپیش ہیں۔ لیکن آج ہر کسی کو عورتوں کے حجاب پہننے کا مسئلہ نظر آتا ہے۔

دیکھو، یہ لباس میرا بزنس سوٹ ہے۔ یہ لباس اعلان کرتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور اس لیئے میں امید کرتی ہوں کہ میرے ساتھ عزت واحترام سے پیش آیا جائے گا۔

کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ کوئی شخص وال سٹریٹ کے ایگزیکٹو یا واشنگٹن کے کسی بینک کے اعلیٰ عہدے والے کو کہے کہ وہ ٹی شرٹ اور جینز کی پینٹ پہن لے؟ وہ آپ کو بتائے گا کہ اُس کا بزنس سوٹ کام کے دوران اس کی شخصیت کا پتہ دیتا ہے کہ اس کے ساتھ سنجیدگی سے معاملات کئے جائیں۔

لیکن پھر بھی یہاں برطانیہ کے سابقہ وزیر خارجہ جیک سٹرا (Jack Straw) نے نقاب -چہرے کا پردہ جس میں صرف آنکھیں نظر آتی ہیں- کے بارے میں کہا ہے کہ یہ ایک غیر پسندیدہ رکاوٹ ہے۔ آہ، مرد حضرات عورتوں کے کپڑوں کی الماری کے متعلق اپنا منہ بند کرنا کب سیکھیں گے؟

اسی طرح ہمارے ہاں (برطانیہ) کے دو گورنمنٹ کے وزراء گورڈن براؤن (Gordon Brown) اور جان ریڈ (John Reid) نے نقاب کے متعلق نفرت آمیز بیانات دیئے۔ یہ دونوں حضرات سکاٹ لینڈ کی سرحدوں کی طرف سے آئے ہیں جہاں مرد حضرات سکرٹ (skirts) پہنتے ہیں!!

پھر ہمارے ہاں کے کئی اور پارلیمنٹ کے ممبران بھی اس بیان بیازی میں شامل ہو گئے اور

انہوں نے نقاب کو گفتگو میں رکاوٹ قرار دیا۔ یہ کیا ہی واہیات بات ہے۔ اگر یہ دعویٰ سچا ہے تو کوئی مجھے بتا سکتا ہے کہ سیل فونز، گھریلو فون (land lines)، ٹیکسٹ میسجنگ اور فیکس مشینیں روزانہ کیوں استعمال ہو رہی ہیں؟ کیا لوگوں نے ریڈیو سننا چھوڑ دیا ہے؟ کوئی بھی وائرلیس (یعنی سیل فون یا ریڈیو وغیرہ) کو بند نہیں کرتا کیونکہ انہیں دوسری طرف کی پارٹی یا بندے کا چہرہ نظر نہیں آ رہا ہوتا۔

مسلمان بہنوں کی اکثریت جنہیں میں جانتی ہوں اور جو نقاب پہنتی ہیں، وہ مغرب کی گوری نومسلم عورتیں ہیں جو ایسے مردوں کی اپنی طرف توجہ اپنی طرف نہیں چاہتیں ورنہ ایسے مرد شرمناک گفتگو یا حرکات سے باز نہیں آتے۔ معاف کیجئے گا، میں لندن میں دو ایسی مسلمان بہنوں کو بھی جانتی ہوں جنہوں نے مجھے بتایا کہ وہ جنگوں کے خلاف احتجاجی مظاہروں میں نقاب اس لیئے پہنتی ہیں کیونکہ ان سے مردوں کے نشہ والے سگریٹوں کی بدبو برداشت نہیں ہوتی۔

میں کئی برسوں تک تحریک نسواں کی حامی تھی اور اب میں مسلمان خواتین کے حقوق کی علمبردار ہوں۔ فرق صرف یہ ہے کہ مسلمان عورتوں کے حقوق کے علمبردار مغرب کی تحریک نسواں کے علمبرداروں سے بھی زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ ہم سب ان بھیانک مقابلہ ہائے حسن سے نفرت کرتے ہیں۔ ہم نے اپنی ہنسی کو روکنے کی بھرپور کوشش کی، جب میڈیا نے خواتین کے مقابلہ حسن میں مس افغانستان کو تیراکی کے لباس (bikini) میں رکھا اور میڈیا نے یہ ڈھنڈورا پیٹا کہ یہ چیز افغانستان میں خواتین کی آزادی کے معاملے میں ایک عظیم قدم ہے۔

میں افغانستان کئی بار جا چکی ہوں اور میں آپ کو بتا سکتی ہوں کہ کابل کے ملبے سے میں نے کوئی نوکری کرنے والی (career women) خواتین نکلتی نہیں دیکھیں۔ میری افغان بہنیں مجھے کہتی ہیں کہ ان کی خواہش ہے کہ مغرب کے سر سے برقعے سے نفرت کا جنون اترے۔ ایک بہن نے کہا: "مجھے کیریئر والی عورت میں تبدیل نہ کرو۔ میرے خاوند کو پہلے کوئی نوکری دلواؤ۔ مجھے بتاؤ کہ میں اپنے بچوں کو اغواء ہونے کے خوف سے بے خطر ہو کر اسکول کس طرح

بھیجوں۔ مجھے ٹیبل پر لا کر تحفظ اور روٹی دیدو۔"

جوان مسلم لڑکیاں حجاب اور نقاب کو ایک سیاسی علامت اور ایک مذہبی فریضہ سمجھتی ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ وہ خواتین پردہ کر کے دنیا کو یہ پیغام دیتی ہیں کہ انہیں مغربی طرز زندگی مثلاً شراب نوشی، جنسی بے راہ روی، منشیات کا استعمال وغیرہا منظور ہے۔

اسلام میں برتری کا حصول تقویٰ کے ذریعے ہوتا ہے۔ خوبصورتی، دولت، قوت، عہدے یا جنس کی بنا پر نہیں۔

اب آپ ہی مجھے بتائیں کہ عورتوں کی آزادی کس چیز میں زیادہ ہے؟ اپنی سکرٹ (skirt) کو چھوٹائی اور اپنے جسم کو کتنی مقدار میں نمائش کے لیئے عریاں کرنا معیار آزادی ہے یا عورتوں کو ان کے کیرکٹر، علم اور ذہانت کی بنا پر رکھا جائے؟

فلمی رسالے اور میگزین، ہم خواتین کو یہ درس دیتے ہیں کہ اگر ہم دراز قد، دبلی اور خوبصورت نہیں ہونگی تو ہم سے محبت نہیں کی جائے گی۔ ٹین ایج میگزینوں کی پڑھنے والی لڑکیوں پر بوائے فرینڈ بنانے کا پریشر شرمناک حد تک شدید ہوتا ہے۔

اسلام مجھے بتاتا ہے کہ علم حاصل کرنا میرا حق ہے اور یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں (مذہبی) علم حاصل کروں۔ چاہے میں اکیلی ہوں یا شادی شدہ.................

دراصل مغربی سیاستدان اسلام سے بھی پچھلے زمانوں میں جی رہے ہیں اور انہیں ماڈرن اور مہذب بننے کی ضرورت ہے۔ ایسے مردوں نے اصل میں نقاب پہن رکھا ہے اور ہمیں یہ چاہیے کہ ہم ایسے لوگوں کے چہروں سے نفرت کا نقاب نوچ ڈالیں تا کہ لوگ اسلام کا اصل چہرہ دیکھ سکیں۔" (1)

---

(1) Ridley, Yvonne (Tuesday, 31 October, 2006) yvonneridley.org (http://yvonneridley.org/yvonne-ridley/articles.html)

میں نے تیراکی کے لباس کو چھوڑ کر نقاب کو کیوں اختیار کیا

...........خواتین کی آزادی کی نئی علامت:

سارہ بوکر (Sarah Bokker) سابقہ ایکٹرس، ماڈل گرل، فٹنس ٹیچر اور سیاسی کارکن ہیں۔ سارہ بوکر امریکہ کی سفید فام عورت ہیں جن کی پرورش عیسائی گھرانے میں ہوئی۔ آجکل سارا "The March for Justice" کی ڈائریکٹر ہیں اور "The Global Sisters Network" تنظیم کے بانیوں میں سے ہیں۔ جب 11 ستمبر 2001 کے واقعات کے بعد سارہ بوکر نے اسلام قبول کیا تو ان کے بہت سے مداحوں کے لیئے یہ شدید حیرانگی کی بات تھی۔ درج ذیل سطور میں سارہ بوکر نے تیراکی کے لباس (bikini) سے نقاب کے سفر کو بیان کیا ہے:

"میں ایک امریکی عورت ہوں جو امریکہ کی سرزمین کے دل میں پیدا ہوئی۔ بڑے شہروں میں پروان چڑھنے والی ہر لڑکی کی طرح میری نگاہوں کا مرکز بھی گلیمر کی زندگی تھی۔ بالآخر میں نے امریکی ریاست فلوریڈا کے شہر میامی (Miame) کے جنوبی ساحل نقل مکانی کر لی جو کہ گلیمر کی زندگی چاہنے والوں کی پسندیدہ جگہ تھی ----------------

جیسے جیسے میرے طرز زندگی اور میرے اندر کی روحانی تشنگی کے درمیان کی خلیج بڑھتی گئی تو میں نے پارٹیوں میں شرکت اور شراب نوشی کی بجائے مراقبوں، فلاحی کاموں اور عیسائیت سے ہٹ کر دوسرے مذاہب کا مطالعہ شروع کیا لیکن بالآخر مجھے احساس ہوا کہ یہ چیز صرف عارضی ڈھارس ہے۔ کوئی موثر علاج نہیں۔

اسی اثنا میں 11 ستمبر 2001ء کا سانحہ پیش آیا۔ جب میں نے میڈیا پر اسلام اور اسلامی کلچر کے خلاف صلیبی یلغار کا مشاہدہ کیا تو مجھے پتہ چلا کہ اسلام بھی کوئی چیز ہے۔ اس وقت میرے ذہن میں اسلام کے متعلق یہی تصور تھا کہ ان کی عورتیں برقعے میں قید ہوتی ہیں۔ یہ لوگ بیویوں کی پٹائی کرتے ہیں، انکے حرم ہوتے ہیں اور یہ دہشت پسند لوگ ----------------

ایک دن مجھے ایک ایسی کتاب ملی جس کو مغرب میں منفی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔یعنی قرآن کریم۔میں نے محسوس کیا کہ بغیر کسی ترجمان یا مذہبی لیڈر کے قرآن سیدھا ہمارے دل اور روح سے خطاب کرتا ہے۔بالآخر میں نے حقیقت کو پالیا اور میں نے اسلام قبول کرلیا۔

میں نے مسلمان عورتوں کے لباس کے مشابہ ایک خوبصورت لمبا گاؤن اور سر کا سکارف خریدا اور انہیں پہن کر میں فلوریڈا کے انہی گلی محلوں میں چلنے پھرنے لگی جہاں چند دن پہلے تک میں نیکر،تیراکی کے لباس یا مغربی بزنس کے لباس پہلے چلتی پھرتی تھی۔گو کہ سب لوگ،چہرے اور دکانیں سب وہی تھے،صرف ایک چیز مختلف تھی۔اب میں وہ نہیں تھی جو پہلے تھی اور نہ میرے اندر کا سکون جو مجھے عورت ہونے کی حیثیت سے پہلے دفعہ محسوس ہوا تھا۔مجھے احساس ہوا کہ زنجیریں ٹوٹ گئی ہیں اور اب میں آزاد ہوں۔اچانک میرے کاندھوں سے بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا۔اب مجھے اپنا وقت شاپنگ کرنے،اپنے بال سنوارنے اور ورزش کرنے میں ضائع کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔بالآخر میں آزاد ہوگئی تھی.................

گو کہ میں حجاب میں مطمئن تھی لیکن پھر مجھے نقاب کے متعلق تجسس شروع ہوا کیونکہ میں نے دیکھا کہ مسلمان خواتین کی بڑھتی ہوئی تعداد نقاب لے رہی ہے..........ڈیڑھ دو سال گزر گئے اور پھر میں نے اپنے مسلمان خاوند کو کہا کہ میں نقاب شروع کرنا چاہتی ہوں۔میرے خاوند نے میرے فیصلے کی تائید کی اور میرے ساتھ بازار جا کر میرے لیئے کالے رنگ کا گاؤن (برقعہ) اور نقاب خریدا جس سے میرا پورا چہرہ چھپ جاتا تھا سوائے میری آنکھوں کے۔

میں اس بات کو کھلی منافقت سمجھتی ہوں کہ جب بعض (اسلامی) حکومتیں خواتین کے لباس کی حدود مقرر کرتی ہیں تو مغربی حکومتیں اور نام نہاد حقوق کی تنظیمیں (so-called human rights groups)خواتین کے دفاع کے نام پر فوراً میدان میں آجاتی ہیں لیکن جب خواتین کو حجاب یا نقاب پہننے کی وجہ سے ان کے حقوق،نوکری اور تعلیم سے محروم کردیا جاتا ہے تو یہ ''آزادی کے جیالے''(freedom fighters)اپنی بغلیں جھانکنے لگ جاتے ہیں۔آج

حجاب یا نقاب کرنے والی خواتین کی بڑی تعداد کو نوکری اور تعلیم سے نہ صرف ڈکٹیٹر حکومتوں مثلاً تیونس، مراکش اور مصر میں روکا جاتا ہے بلکہ مغربی جمہوریتیں مثلاً فرانس، ہالینڈ اور برطانیہ بھی ان سے خائف ہیں۔

میں مسلمان خواتین کو یہ نصیحت کرتی ہوں کہ وہ اپنے خاوندوں کی اچھا مسلمان بننے میں ہر ممکن مدد کریں اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں۔ اپنے بچوں کی ایسے مثالی مسلمان کے طور پر تربیت کریں کہ وہ کل کو انسانیت کے لیئے مینارۂ نور ثابت ہوں۔ ہمارا حجاب اور نقاب لینے کا جو حق ہے اسکے لیئے جدوجہد کریں اور اپنے خالق یعنی اللہ کی ہر ممکن طریقے سے رضامندی حاصل کریں اور نقاب اور حجاب لینے کے جن احساسات سے ہم گزرے ہیں، ان کے متعلق ان مسلمان خواتین کو بتائیں جنہیں اس کی کوئی خبر نہیں۔

نقاب پہننے والی خواتین کی اکثریت جنہیں میں جانتی ہوں، وہ مغربی خواتین ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا، ان میں سے کچھ کی تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی۔ کچھ دوسری خواتین ہیں جو اپنے خاندان کی مخالفت کے باوجود نقاب پہنتی ہیں۔ ہم سب نقاب کرنے والی خوتین میں جو بات مشترک ہے وہ یہ ہے کہ ہم میں سے ہر کسی کا یہ ذاتی انتخاب ہے اور ہم یہ اختیار چھوڑنا نہیں چاہتیں..........

مجھے آج بھی اپنے فیصلے پر کوئی افسوس نہیں کہ میں نے فلوریڈا کے ساوتھ بیچ میں تیراکی کے لباس اور مغرب کی گلیمر کی زندگی کو اس لیئے چھوڑا تا کہ میں اپنے خالق کی مرضی کے مطابق زندگی گزاروں اور انسانوں میں ایک انسان کی حیثیت سے رہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے نقاب کا انتخاب کیا اور اسی لیئے میں مرتے دم تک اپنے نقاب پہننے کے حق کا دفاع کرتی رہوں گی۔ آج نقاب خواتین کی آزادی کا جدید نشان ہے۔ (1)

---

(1) Bokker, Sara (Jan. 10, 2007) "Why I Shed Bikini for Niqab: The New Symbol for Women's Liberation" (http://www.albalagh.net/women/0097.shtml)

باب 13

اسلام: خواتین کا نجات دہندہ

انسانی تاریخ میں اسلام خواتین کا سب سے بڑا محسن ہے۔اسلام کے قوانین حجاب خواتین کو آزادی، تحفظ اور پناہ گاہ مہیا کرتے ہیں۔اس حقیقت کو بعض تحریک نسواں کی حامی مسلمان خواتین بھی تسلیم کرتی ہیں۔آسیہ جی بار، جو الجزائر کی نامور ناول نگار، مترجم اور فلم میکر (Filmmaker) ہیں، تحریک نسواں کی علمبردار ہیں۔وہ اپنی کتاب "Women of Islam" میں تحریر کرتی ہیں: ”مغربی دنیا میں باہر کی پبلک زندگی پر زور دیا جاتا ہے لیکن ایک مسلمان کے لیئے اس کے گھر کے اندر کی فیملی کی زندگی سب سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔لفظ ”حرم“ جس کو مغربی دنیا میں خوب بدنام کیا گیا ہے، وہ ہمارے ہاں سب سے زیادہ قابل احترام جگہ ہوتی ہے، جہاں ایک مسلمان مرد اپنی سب سے زیادہ محترم اور قیمتی متاع یعنی اپنی بیوی کو رکھتا ہے ....اور جدید دور کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ فیملی سسٹم ٹوٹتا جا رہا ہے اور خاندان کا مرکز و محور عورت ہوتی ہے اسلیئے عورت ہی سب سے زیادہ اس طوفان کا سامنا کر رہی ہے۔“

مسلمان خاندان کا سربراہ مرد ہوتا ہے لیکن اس کا مرکز ماں ہوتی ہے۔ماں کے بغیر گھر ایک ویرانہ ہوتا ہے۔مرد اور عورت کے باہمی تعاون سے گھر شیاطین جن و انس کے خلاف قلعہ بن جاتا ہے۔

---

(1) Djebar, Assia (1961). Women of Islam. London, Andre Deutsch, Ltd.

مردوں کو عورتوں کا قوّام بنایا گیا ہے:

قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ (سورہ النساء –آیت ۳۴)

(مردوں کو عورتوں پر قوّام بنایا گیا ہے)

قوّام کا مطلب ہے کسی کی حفاظت و نگرانی کرنے والا، بندوبست کرنے والا، کسی کا محافظ (protector and maintainer)۔اللہ تعالیٰ نے مردوں کو یہ صلاحیت اور ذمہ داری سونپی ہے کہ وہ اپنے بیوی بچوں کو تحفظ دیں، ان کا ہر طرح سے خیال رکھیں اور ان کے نان نفقے کا بندوبست کریں۔اس ذمہ داری کی تکمیل کے لیئے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو بعض صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں جو گھر سے باہر کام کرنے کے لیئے نہایت موزوں ہیں۔ان صفات میں خطرہ مول لینا، مردانہ خود اعتمادی، جنگجو پن (aggressiveness)، طاقت اور عہدے کے حصول کی خواہشیں شامل ہیں۔اسلام نے مرد کو یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ وہ عورت کی بحیثیت بیٹی، بہن، ماں یا بیوی کے نگہبانی کرے، اس کے کھانے، لباس اور سر چھپانے کی جگہ کا بندوبست کرے۔اسے بہترین تعلیم دے، ہر خطرے سے اس کی حفاظت کرے۔طویل سفر میں اس کے ساتھ سفر کرے۔ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو بعض ایسی صلاحیتیں ودیعت کی ہیں جن میں وہ عورتوں سے کہیں زیادہ تیز ہوتے ہیں مثلاً نشانہ بازی، فن تعمیر اور سمت معلوم کرنے کی صلاحیتیں۔اس سلسلے میں Virginia Tech کے محققین کی ریسرچ ابتدائی ابواب میں بیان ہو چکی۔اسی طرح فرانس کے سائنسدانوں نے بہت ابتدائی عمر کے بچوں اور بچیوں کے درمیان خلائی اور تعمیری صلاحیتوں کا موازنہ کیا۔اس تحقیق کا عنوان تھا:

"Are boys better than girls at building a tower or a

bridge at 2 years of age?" (1)

انہوں نے دریافت کیا کہ دو سال کی ابتدائی عمر میں بھی کھیلنے والے بلاکس سے پُل بنانے کی صلاحیت میں لڑکے لڑکیوں سے 3 گنا زیادہ ماہر ہوتے ہیں۔

ایسی صلاحیتوں کی مردوں کو ضرورت ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے باہر کی دنیا میں اپنی فیملی کے لیئے نان نفقے کا بندوبست کرنے کے لیئے کام کاج کرنا ہوتا ہے۔

راستے ڈھونڈنے اور سمجھنے کے معاملے میں بھی مردوں اور عورتوں میں بہت گہرا فرق پایا جاتا ہے۔ سفر کرتے ہوئے مرد حضرات با آسانی کمپاس (Compass) کی سمتیں یعنی مشرق، مغرب، جنوب اور شمال استعمال کر لیتے ہیں جبکہ خواتین کو راستے اسی صورت میں سمجھ آتے ہیں جب انہیں راستوں پر واقع واضح نشانات یا مقامات کے متعلق بتایا جائے۔ ایسا آخر کیوں ہے؟ جرمن سائیکاٹرسٹ جورج گران (Georg Gron) اور اسکے معاون سائنسدانوں نے یونیورسٹی آف الم (University of Ulm) میں اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیئے تجربات کیئے۔ انہوں نے مرد اور عورت رضا کاروں کو لیبارٹری میں بنائی گئی بھول بلیوں (maze) میں سے راستہ تلاش کرنے کو کہا اور اس دوران ان کے دماغوں کو MRI Scan کے ذریعے پڑھا گیا۔ ان نتائج میں سائنسدانوں نے دریافت کیا کہ خواتین راستے معلوم کرنے کے دوران دماغ کے اعلیٰ حصے "Cerebral cortex" کو استعمال کرتی ہیں کیونکہ اعلیٰ حصے ہوتے ہیں لیکن ان حصوں کا اصل کام سوچنا سمجھنا ہوتا ہے۔ اور وہ راستے میں مخصوص (specialized) سمتیں معلوم کرنے کا کام کرتا ہے اور ہپوکیمپس دماغ کا وہ بنیادی حصہ ہوتا ہے جو خلائی سمتیں معلوم کرنے میں مخصوص (specialized) ہوتا ہے۔ (2)

---

(1) Labarthe, Jean Christophe (1997). "Are Boys Better Than Girls at Building a Tower or a Bridge at 2 Years of Age?" Archives of Diseases of Childhood 77: 140-144.

(2) Grön, George, et al. (2000) "Human brain activation during navigation: Gender-dependent neural networks as substrate of performance." Nature Neuroscience 3: 404-408.

چنانچہ مرد حضرات راستے معلوم کرنے اور نقشوں کو سمجھنے میں بہت مہارت رکھتے ہیں۔ ان سائنسی تحقیقات کی روشنی میں رسول کریم ﷺ کی مشہور حدیث اچھی طرح سمجھ آتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو عورت اللہ اور روز آخرت پر یقین رکھتی ہے اسے ایک دن اور ایک رات کا سفر بغیر کسی محرم رشتہ دار مرد کے نہیں کرنا چاہیے۔''(بخاری-مسلم)

گھر کے معاملات کا انتظام کرنے اور عورتوں کی حفاظت کرنے کے معاملے میں مردوں کی اہلیت اور خود اعتمادی کو سمجھنے میں مخالف جنس کی طرف مائل افراد (transgender individuals) پر کی گئی تحقیقات بہت معاون ثابت ہوئی ہیں۔ Transgender مرد اور عورتیں وہ لوگ ہوتے ہیں جو جنسی شناخت کی بیماری (Gender identity disorder) کا شکار ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے اندر بیک وقت زنانہ احساسات اور مردانہ احساسات موجود ہوتے ہیں۔ اگر ایسے لوگوں کی نفسیاتی بیماری اس حد تک پہنچ جائے کہ ان کے لیئے اپنی موجودہ صنفی حالت کے ساتھ روزمرہ کے کام کرنا مشکل ہو جائیں تو ان کی میڈیکل تشخیص کی جاتی ہے۔ بحیثیت ایک سائنسدان کے ڈاکٹر لیونارڈ سیکس نے دعویٰ کیا ہے کہ transgender لوگوں کے نفسیاتی تجربات ہمیں صحیح معنی میں ایک ہی انسان کے اندر زنانہ احساسات اور مردانہ احساسات کے متعلق بتا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر لیونارڈ نے ایک نوجوان لڑکے جیمز بوئلن (James Boyln) کا کیس پیش کیا ہے جو کہ یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ ایک لڑکی ہے جو مردانہ جسم میں قید ہے۔ بالآخر 40 سال کی عمر میں اس کی جنس کی تبدیلی کی سرجری ہوئی اور اس کے بعد اسے علاج کے طور پر زنانہ ہارمون ایسٹروجن (estrgen) کے انجکشن لگانے شروع کر دیئے گئے (female hormone therapy)۔ اس نے اپنا نام جیمس سے بدل کر جینیفر بوئلن (Jennifer Boylon) رکھ لیا۔ پانچ سال کے بعد جینیفر بوئلن نے ایک کتاب تصنیف کی جس میں اُس نے پہلے ایک مرد کی حیثیت سے اور پھر ایک عورت

کی حیثیت سے اپنے احساسات قلمبند کیے۔ جنیفر نے لکھا:

"The first thing I lost when I started taking estrogen was the sense of invulnerability and confidence I had always had as a man. As a guy, much of the turbulence of life just bounced off me, like a pebble hitting a windshield. As a woman, though, things tend to get under my skin. My sorrows and joys tend to lie very close to the surface now..." (1)

”جب مجھے زنانہ ہارمون کے انجکشن لگنا شروع ہوئے تو پہلی چیز میں نے کھوئی وہ میرے اندر کی مضبوطی کا احساس اور خود اعتمادی تھی جو مجھے ایک مرد ہونے کی حیثیت سے حاصل تھی۔ جب میں مرد تھی تو زندگی کی اکثر پریشانیاں مجھے پریشان نہیں کرتی تھیں۔ جس طرح ایک چھوٹا پتھر گاڑی کے سامنے کے شیشے سے ٹکرا کر دور گرتا ہے۔ جب میں عورت میں تبدیل ہوئی تو اب چھوٹی باتیں بھی مجھے پریشان کر دیتی ہیں۔ اب میں اپنے غموں اور خوشیوں کو بہت قریب سے محسوس کرتی ہوں۔“

پہلے مرد اور پھر ایک عورت کی حیثیت سے جنیفر بولن کی سرگزشت ہمیں مردوں اور عورتوں کے اس دنیا کو مختلف انداز سے سمجھنے اور محسوس کرنے کے متعلق بہت کچھ بتاتی ہے۔ قرآن کے مطابق مردوں کو عورتوں کا قوام بنایا گیا ہے اور اس کی یہی وجہ ہے کیونکہ خطرات مول لینا، مردانہ خود اعتمادی اور ناقابل تسخیر ہونے کا احساس مرد کی سرشت میں داخل ہوتے ہیں اور انہی صفات کی باہر کی دنیا کا مقابلہ کرنے اور بیوی بچوں کی حفاظت میں ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عمرانی تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ مردانچی ہونے والی بیوی میں خوبصورتی کو تلاش کرتے

---

(1) Boylan, Jennifer Finney (Sept. 2003). "Altered State: Living over 40 Years as a Man, Then Becoming a Woman, Still Didn't Answer All the Questions about the Opposite Sex." Allure 150-152.

ہیں جبکہ اپنے ہونے والے خاوند کے انتخاب کے معاملے میں خواتین سب سے زیادہ اہمیت مرد کے معاشی اور معاشرتی مقام (soci-economic status) کو دیتی ہیں۔ عورتیں اس مرد میں کشش محسوس کرتی ہیں جو ہر لحاظ سے مضبوط ہو۔ یہی بات کوین یونیورسٹی (Gueen's University) کے دو عمرانی سائنسدان رابرٹ مانٹگانری (Robert Montgonerise) اور خاتون ڈیبرہ ہیوم (Deborah Hume) نے سینکڑوں رضا کاروں کے انٹرویوز میں دریافت کی۔ یہ تحقیق "Evolution & Human Behavior" رسالے کے مارچ 2001ء کے شمارے میں چھپی۔

مزید برآں، ڈاکٹر ڈاؤن سیٹڈ نے اپنی کتاب "What Woman Want - What Man Want" میں ایک تحقیق بتائی جس میں انہوں نے پچاس میڈیکل طالبعلموں، لڑکوں اور لڑکیوں کے تفصیلی انٹرویوز کیے۔ ان انٹرویوز میں 85% مردوں نے اپنی شریک سفر کے انتخاب میں ظاہری حسن کو اہمیت دی لیکن عورتوں میں صرف 10% نے اپنے ہونے والے خاوند میں اس صنف کو اہم سمجھا۔ مزید برآں، ان خواتین میں ایک عورت بھی ایسی نہیں تھی جس نے اپنے سے کم پیسہ کمانے والے مرد سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہو۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ تقریباً ایک تہائی میڈیکل کالج کی انٹرویو دینے والی لڑکیوں نے بتایا کہ وہ ایسے مرد سے شادی کرنا چاہتی ہیں جو انہیں حفاظت، خبر گیری اور پناہ کا احساس دے۔ عورتوں اور مردوں کی نیچر کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی چیز قرآن نے بیان کی ہے۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۝ (سورہ النساء:۳۴)

(مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں)۔

دو عورتوں کی شہادت، ایک مرد کے برابر؟

ماڈرنسٹ مسلمان اور غیر مسلم یہ اعتراض اکثر اٹھاتے ہیں کہ اسلام میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر کیوں ہے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرالو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔" (سورہ البقرہ-282)

اس طرح حدیث نبوی ﷺ میں ہے:

شهادة المراة مثل نصف شهادة الرجل

(بخاری، کتاب الحیض)

(عورت کی گواہی مرد کے مقابلے میں آدھی ہے)

مندرجہ بالا آیت قرآنی یا حدیث کا یہ منشاء نہیں کہ عورت ہر لحاظ سے مرد کی آدھی ہے۔ حقیقت میں اسلام عورت کو مردوں کے ناجائز پریشر سے بچانا چاہتا ہے۔ یہ فرق دراصل عورت کے اپنے حالات، مزاج، فطرت اور اسکی دماغی ساخت کی وجہ سے عورت میں پایا جاتا ہے اور اسی کی حفاظت کی خاطر اسلام نے یہ حکم دیا ہے۔ اسلام عورتوں اور مردوں کے مابین فرق کا ہر مقام پر خیال رکھتا ہے چاہے وہ حیاتیاتی (biological) فرق ہو یا نفسیاتی (psychological)۔

جدید سائنسی تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے دماغ کی ساخت پیدائش سے ہی مختلف ہوتی ہے جیسا کہ اس کتاب میں جابجا ثابت کیا گیا ہے۔ ماہر نفسیات جولین سلورمین (Julian Sivlerman) نے نوٹ کیا ہے کہ بے شمار سائنسی تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے مابین توجہ دینے کے انداز (attentional styles) میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔ سلورمین کے مطابق مردوں میں یہ اہلیت ہوتی ہے کہ محدود اشیاء پر وہ توجہ مرکوز کر سکیں۔ چنانچہ مردوں کے تجزیاتی اور منطقی ذہن کے لیئے یہ بہت آسان ہوتا ہے کہ وہ

معاملے کے غیر ضروری حصوں کو چھانٹ دیں اور توجہ ہٹانے والی چیزوں (distractions) کو نظر انداز کر دیں۔ اسکے برعکس زنانہ دماغ کچھ اسطرح کا واقع ہوا ہے کہ وہ بنیادی نکتوں پر توجہ مرکوز کرنے کی بجائے معاملے کی مجموعی تصویر (bigger picture) کو جذب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ (1)

دائیں اور بائیں دماغوں کو علیحدہ کرنے والی جھلی (corpus collosum) کی ساخت کی وجہ سے مردوں کا دماغ آسانی سے کسی ایک چیز پر توجہ مرکوز کر سکتا ہے (unifocal mind) مردوں کے پاس سرنگ والی نگاہ (tunnel vision) ہوتی ہے جو کہ کسی جرم کے منظر کو بیان کرنے یا کسی معاشی دستاویز کی تفصیلات کو سمجھنے میں بہت مددگار ثابت ہوتی ہے کیونکہ ایسا دماغ تفصیلات پر فوکس (detail-oriented) کرتا ہے۔ اسکے برعکس خواتین کے دائیں اور بائیں دماغ کے درمیان مردوں سے کہیں زیادہ معلومات کی آمد و رفت (communication) ہو رہی ہوتی ہے جسکے نتیجے میں عورتوں کے دماغ بہت سے معاملات میں ایک ہی وقت میں توجہ دے رہے ہوتے ہیں (یعنی multifocal brains) یہی وجہ ہے عورتوں میں یہ اہلیت ہوتی ہے کہ وہ بہت سے کام ایک ہی وقت میں کر سکتی ہیں لیکن اس کی قیمت دماغ کو کم توجہ (less attention) کی صورت میں دینی پڑتی ہے۔ اپنی توجہ کا فوکس وسیع ہونے کی وجہ سے یہ بات بہت ممکن ہوتی ہے کہ خواتین کا دماغ جرم کے منظر (crime scene) یا معاشی معاہدے کی تمام تفصیلات کو نوٹ نہ کر سکے۔ چنانچہ زنانہ دماغ کی ساخت کی وجہ سے قرآن نے دو عورتوں کو ایک ساتھ گواہی دینے کا حکم دیا ہے تاکہ اگر ایک عورت گواہ واقعے کی بعض تفصیلات کو نوٹ نہ کر سکی ہو تو دوسری عورت وہ بھولی ہوئی تفصیلات (missed gaps of information) اس عورت کو یاد دلا دے۔

اب اُن تفصیلات کی طرف آتے ہیں جو غیر مسلم یا ماڈرنسٹ مسلمان یا NGO مسلمان

---

(1) Silverman, Julian (1970) "Attentional styles and the study of sex differences" Mostofsky, D. (ed.) Attention: Contemporary Studies and Analysis (2002). New York, Appleton-Century-Croft, pp. 61-98.

لوگوں کو بتانا بھول جاتے ہیں یا لوگوں سے چھپاتے ہیں۔ سب سے اہم بات جو یہ لوگ چھپاتے ہیں یا بھول جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت میں بعض معاملات ایسے بھی ہیں جن میں ایک عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے نہ صرف برابر ہوتی ہے بلکہ کئی معاملات میں تو عورت کی گواہی مردوں کی گواہی سے بھی زیادہ وزنی اور اہم سمجھی جاتی ہے۔ اسی کے متعلق امام شعبیؒ نے فرمایا تھا:

من الشهادات مالا يجوز فيه الا شهادة النساء. (المغني-كتاب الشهادات)

(شہادت کی بعض قسمیں ایسی ہیں کہ جن میں صرف عورتوں ہی کی گواہی جائز ہے)

مثال کے طور پر لعان کے معاملے میں اگر خاوند اپنی بیوی پر بدکاری کا الزام لگائے اور عورت جج کے سامنے پانچ مرتبہ قسم کھائے کہ وہ معصوم ہے تو اس عورت کی شہادت کو مرد کی شہادت سے زیادہ اہمیت دی جائے گی اور جج دونوں کے درمیان علیحدگی کروا دے گا تاکہ اُس عورت کو ایسے شخص کے ساتھ نہ رہنا پڑے جس نے اُس پر بدچلنی کا الزام لگایا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھیں سورہ النور آیت ٦ تا ٩)

پھر عورتوں کے مخصوص معاملات میں صرف عورتوں ہی کی شہادت معتبر ہے۔ وہاں مرد کی گواہی کی نہ تو ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی فائدہ۔ مثلاً رضاعت کے مسائل۔ رسول کریم ﷺ نے رضاعت کے سلسلے میں صرف ایک عورت کی شہادت قبول کر کے عقبیٰ بن حارث اور انکی بیوی ام یحییٰ بنت وحاب میں جدائی کروادی یا یہ مسئلہ کہ عورت بالغ ہے یا نہیں، عورت کے امراض کے شہادت، حمل کی مدت کا تعین وغیرہ۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عائشہؓ ام المومنین اکیلی خاتون کی شہادت حدیث کے معاملے میں قبول کی جاتی ہے اور کبھی کسی مسلمان نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ حضرت عائشہؓ نے 2220 احادیث حضورؐ سے روایت کی ہیں جن میں آپؓ اکیلی گواہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ علمائے حدیث نے کبھی کوئی حدیث اس وجہ سے رد نہیں کی کہ اسکو روایت کرنے والی کوئی عورت ہے۔ یہ چیز عورتوں کی گواہی کی اہمیت کو ثابت کرتی ہے۔

نقاب میں عورتوں کی آزادی

نقاب خواتین کی آزادی میں رکاوٹ نہیں ڈالتا بلکہ اُن کو حقیقی آزادی بخشتا ہے۔ نقاب عورتوں کے ضرورت کے تحت باہر نکلنے کو آسان بناتا ہے۔اسلام عورتوں کو پبلک مقامات پر جانے کی اجازت دیتا ہے بشرطیکہ عورت اسلام کے حجاب اور نقاب کے احکامات کی پابندی کرے۔رسول کریم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

قَد اَذِنَ اللّٰهُ لَكُنَّ اَن تَخرُجنَ لِحَوَائِجِكُنَّ. (بخاری) (1)

(اے عورتو! اللہ تعالٰی نے تم کو کام کاج کے لئے باہر نکلنے کی اجازت دی۔)

یہی وجہ ہے کہ تاریخی لحاظ سے اسلامی معاشروں میں نقاب کو ہمیشہ مسلمان خواتین کی آزادی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔اسی وجہ سے لونڈیاں چہرے کے پردے کے حکم سے مستثنیٰ ہوتی تھیں کیونکہ ان کے پاس آزادی نہیں ہوتی تھی اور چہرے کا پردہ آزاد عورتوں کی علامت ہے۔ آج مغربی میڈیا پر مسلمان عورت کے پردے کیخلاف پراپیگنڈے کے باوجود برقعے اور نقاب میں ملبوس خواتین کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔حال ہی ہے امریکہ کی مشی گن سٹیٹ یونیورسٹی کے شعبۂ عمرانیات کی محقق خاتون فلارنس میکارتھی (Florence McCarthy) نے بنگلہ دیش کے قصبوں کی مسلمان خواتین پر تحقیق کی۔اس نے وہاں پر یہ مشاہدہ کیا کہ برقعہ اور شرعی پردے پر عملدرآمد وہاں پر عام ہے۔بہت سی خواتین نے سروے میں فلارنس کو بتایا کہ انہیں یاد ہے کہ برقعہ ان کی زندگی ہی میں مقبول ہوا (اسلام کے احیاء کی لہر کی وجہ سے) جو زیادہ سے زیادہ پچاس سال پہلے کی بات ہے۔اس سے پہلے صرف شہروں کی اونچے طبقے کی خواتین برقعہ لیا کرتی تھیں۔فلارنس میکارتھی کے مطابق بنگلہ دیش کی خواتین میں برقعے اور نقاب کی مقبولیت کی وجہ ان خواتین کے اندر اس احساس پیدا ہونا ہے کہ برقعے کی وجہ سے گھر سے باہر ان کی آزادی

---

(1) بخاری، کتاب النکاح، باب خروج النساء لحوائجھن

میں اضافہ ہوا ہے۔" (1)

یہ رجحان کسی ایک ملک تک محدود نہیں۔ ماہرین علم عمرانیات ڈبلیو ایل سلوکم (W.L.Slocum)، جمیلہ اختر اور ابرار فاطمہ ساہی نے ایک تحقیق لاہور کے چھ دیہاتوں پر کی اور اُسے پنجاب یونیورسٹی "Social Sciences Research" نے 1960ء میں طبع کیا۔ اس تحقیق میں انہوں نے مسلمان خواتین کی سماجی زندگی کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے اپنی تحقیق کے خلاصہ میں لکھا:

"Observation of purdah is a symbol of prestige and fashion in Punjabi villages." (2)

(پنجاب کے دیہاتوں میں خواتین میں پردے پر عمل دراصل عزت اور فیشن کی علامت سمجھا جاتا ہے)

چند سال پہلے امریکہ کے مقبول ترین اخبار نیویارک ٹائمز کے 25 اکتوبر 2002ء کے شمارے میں سعودی عرب کی خواتین پر ایک تحقیق چھپی۔ جسکا عنوان تھا: "Saudis in Bikinis" اس تحقیق کا مصنف نکولس کرسٹاف (Nicholas Kristof) ہے جس کے دل میں اسلام کے لیئے زہر بھرا ہوا ہے اور اس نے مضمون میں جگہ جگہ اپنی خباثت کا اظہار بھی کیا ہے لیکن مضمون نگار اس بات پر اپنا سر پیٹ کر رہ گیا ہے کہ جب اس نے سعودی عرب کی باپردہ مسلمان خواتین کے انٹرویوز کیئے اور ان کے سامنے نقاب اور برقعے کی برائیاں کیں تو اس نے دیکھا کہ تقریباً سبھی سعودی خواتین پردہ کرنے پر خوش ہیں بلکہ پراعتماد ہیں۔

---

(1) McCarthy, F. E. (1967). Bengali Village Women: Mediators between Tradition and Development. (unpublished M.A. thesis) East Lansing, Michigan State University, Department of Sociology.

(2) Slocum, W. L., Akhtar, Jamila and Fatima Sahi, Abrar (1960). Village Life in Lahore District: A Study of Selected Sociological Aspects. Lahore: Social Sciences Research Centre, University of Punjab. p.23

لاما می ایک خاتون جو خوراک کی ڈاکٹر ہے، نے انٹرویو میں کہا: ''میں اپنا جسم اور اپنا چہرہ ڈھانپتی ہوں اور میں خوش ہوں کہ میں ایک مذہبی لڑکی ہوں جو خدا کے احکامات پر عمل کرتی ہے۔ میں کھیلیں کھیل سکتی ہوں اور ریسٹورانٹس میں جا سکتی ہوں اور جو چاہوں پہن سکتی ہوں لیکن مردوں کے سامنے نہیں۔ میں اپنی ٹانگیں اور اپنا جسم مردوں کو کیوں دکھاؤں؟ کیا یہی اصل آزادی ہے؟'' (1)

شہر ریاض کی بہت سی سعودی خواتین نے مضمون نگار نکولا کو انٹرویو کے دوران یہی بات بتائی کہ ''سعودی خواتین ہی اصل میں آزاد خواتین ہیں۔ جنسی استحصال سے آزاد، عریاں فلم اور میڈیا سے آزاد، اپنے اجسام کو گاڑیوں اور کوکا کولا کے اشتہاروں میں استعمال ہوتا دیکھنے سے آزاد۔ یہ دراصل مغربی عورت ہے جسے مردوں نے اپنے ہاتھوں کا کھلونا بنالیا ہے۔'' (1)

مسلمان خواتین کو برقعے کے اندر تخلیئے اور پوشیدگی (Sense of Privacy) کا احساس ہوتا ہے۔ انہیں برقعے میں آزادی محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً کو یونیورسٹی کی محقق خاتون حنا پاپا نک (Hanna Papanek) جس نے پردے کے سسٹم پر انڈیا، بنگلہ دیش اور پاکستان کے خطے میں کئی سال ریسرچ کی۔ اسلامی پردے کے متعلق لکھتی ہے:

''برقعہ خواتین کے لیئے اس بات کو ممکن بناتا ہے کہ وہ تخلیے اور پوشیدگی میں رہتے ہوئے گھر سے باہر نکل سکیں۔ برقعے کو ایک ایسی شے سمجھا جا سکتا ہے جو آزادی کی خاطر وجود میں آئی اور اکثر خواتین کی اس کے متعلق یہی رائے ہے کہ آزادی بخشتا ہے۔ برقعہ اس بات کا ایک واضح سماجی سگنل ہوتا ہے کہ اس کو پہننے والی ایک خلوت نشین عورت ہے۔ البتہ برقعے کی مخصوص قسم انسان کے معاشی طبقے، دولت، معاشرتی رتبے اور علاقے کی نمائندگی کرتی ہے...... ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو سڑک پر چلنے والے شخص کو برقعے اور نقاب میں ملبوس خواتین کہ جن کی شخصیت

---

(1) Kristof, Nicholas D. (October 25, 2002). "Saudis In Bikinis." The New York Times

پردے کے اندر مستور ہوتی ہے، بالکل ایسے لگتی ہیں جیسے سڑک پر چلنے والے راہ گیر میں گاڑیوں میں سوار لوگ نظر آتے ہیں (یعنی وہ شخص انہیں نہیں دیکھ سکتا لیکن گاڑیوں میں سوار انہیں دیکھ سکتے ہیں)۔" (1)

مسلمان عورت کا سیاہ رنگ کا برقعہ اور کعبے کا سیاہ رنگ کا غلاف

تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ مذہب اسلام نے عورت کی شخصیت اور روحانی وجود کو تسلیم کیا اور اسے احترام کا مقام دیا۔ مسلمان عورت کے پردے کو اسی پیرائے میں سمجھا جا سکتا ہے۔ کالے رنگ کے برقعے اور نقاب میں ملبوس عورت حکم شریعت ماننے کی وجہ سے تقدس واحترام میں کعبۃ اللہ کے کالے غلاف سے مشابہ نظر آتی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو بعض غیر مسلم مفکرین کی نگاہوں سے بھی اوجھل نہ رہ سکی۔ ایک غیر مسلم فرٹز مائر (Fritz Meir) نے ایک مرتبہ اپنے شاگردوں کو اس سلسلے میں بتایا:

"کعبۃ اللہ دراصل قدیم ترین دور کی علامت ہے اور کسوئی (غلاف کعبہ) ایک کالا برقعہ جو کعبہ ہر وقت اوڑھے رہتا ہے دراصل ایک نقاب ہے اور اس نقاب کو اٹھا کر ہی ہم حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔ کعبے کے نقاب کا سیاہ رنگ ایک مذہبی عالم کے لیئے ایک طرح کی پر اسراریت ہوتا ہے جبکہ وہ اس کے گرد چکر لگا رہا ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔" (2)

یہاں پر مائر کا مشاہدہ بالکل صحیح ہے کیونکہ دنیا کے تقریباً تمام کلچرز میں سیاہ رنگ

---

(1) Papanek, Hanna (1973 (Jun)). "Purdah: Separate Worlds and Symbolic Shelter." Comparative Studies in Society and History 15(3): 289-325.

(2) Meier, F. (1955) "The Mystery of the Ka'aba: Symbol and Reality in Islamic Mysticism", in Joseph Campbell (ed.) The Mysteries: Papers from the Eranos Yearbooks, London

پراسراریت (mystery) کی عکاسی کرتا ہے۔اسلامی معاشروں میں ہم عام طور پر دیکھتے ہیں کہ مردوں کے لباس سفید رنگ کے ہوتے ہیں جبکہ سیاہ رنگ کا لباس (برقعہ یا عبائے کے ساتھ نقاب) ۔مسلمان عورتوں کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ سیاہ رنگ نسوانیت اور قیمتی شے کی پراسراریت کی علامت ہوتا ہے اور یہی رنگ غلاف کعبہ کا بھی ہے۔

غلاف کعبہ (کسوئی) کے سیاہ رنگ سے مسحور ہو کر روس کے جدید آرٹ کے عظیم مصور کازیمیر مالی وچ (Kasimir Malevich) یاد آجاتا ہے کہ جب اس نے اپنی مشہور پینٹنگ Black Square بنائی تو وہ دراصل کعبے کی تصویر تھی اور غالباً کازمیر کو خود بھی علم نہیں تھا کہ یہ کعبے کی تصویر ہے۔ یہ تصویر اس نے وجدان سے بنائی اور اسے جدید دور کی انتہاء کی علامت (Absolute Symbol of Modernity) قرار دیا بلکہ کہا کہ یہ سب کہانیوں کی انتہاء (The End of All Stories) ہے۔یہی نہیں بلکہ اس روسی مصور نے بتایا کہ "Black Square" کی پینٹنگ بناتے ہوئے اس پر عجیب قسم کی ہیبت طاری ہوگئی تھی لیکن جب وہ اس پینٹنگ (Painting) کے اختتام پر پہنچا تو اسے ایک عجیب قسم کے سکون کا احساس ہوا جس احساس کو اس نے اپنی زندگی کا حاصل قرار دیا۔

مالیوچ کے انہی احساسات پر تبصرہ کرتے ہوئے برطانوی سیاح اور مفکر بروس چیٹ ون (Bruce Chatwin) اپنی کتاب "What am I doing here?" میں لکھتا ہے:

”روسی مصور مالیوچ (Malewich) کی کالے مکعب (Black Square) کی پینٹنگ اسکی جدید دور کی انتہاء، دراصل مکہ میں کالے غلاف (نقاب) میں ملبوس کعبے کی پینٹنگ کے مترادف ہے۔بنجر زمین کی وادی میں واقع ایک مقدس عبادت گاہ جہاں پر خدا کے حضور میں سب لوگ برابر ہوتے ہیں۔“ (1)

الغرض، مسلمان عورت کا سیاہ رنگ کا برقعہ اور نقاب اسے نہ صرف وقار اور ہیبت عطا کرتا

---

(1) Chatwin, Bruce (1990). What am I doing here? New York, Penguin.

ہے بلکہ یہ پیغام بھی دیتا ہے کہ یہ سیاہ رنگ کا برقعہ اور نقاب دقیانوسیت کی نشانی نہیں بلکہ جدید دور کی علامت (absolute symbol of modernity) ہے اور پردہ کرنے والی مسلمان عورت دنیا کی سب سے زیادہ ماڈرن عورت ہے۔

حجاب کی واپسی

مغربی میڈیا کی پردے کے خلاف پرزور مہم کے باوجود آج ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والی مسلمان خواتین چاہے وہ امیر ہوں یا غریب، اب پردے کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ آج مسلمان ممالک میں مسلمان خواتین اور لڑکیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو مکمل حجاب میں دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک صدی پہلے جو مغربیت پسندی کی لہر چلی تھی اس کا رخ اب مڑ چکا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ مسلمان نوجوان ہی ہیں جو اسلامی احیا کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ مزید برآں یہ بات عقل کی سمجھ سے بالاتر ہے کہ آخر کیوں اسلامی احیاء کی لہر انہی مسلمان ممالک کے نوجوانوں میں پھیل رہی ہے جن ممالک کو بزور طاقت مغرب زدہ بنایا گیا۔ اس صورتحال پر پروفیسر جان ایسپوزیٹو اپنی کتاب (Islam the Straight Path) (اسلام ایک سیدھا راستہ) میں بڑے خوبصورت الفاظ میں تبصرہ کرتے ہیں:

"اسلام کی دور جدید کی تاریخ نے ہمارے بہت سے اندازوں کو غلط ثابت کر دیا۔ عام طور پر ہوتا یہی تھا کہ جب عوام کو ماڈرن بنایا گیا تو سوسائٹیاں آہستہ آہستہ سیکولر بن گئیں۔ جدیدیت (Modernization) کا جو عمل ہے یعنی عقل کا استعمال، سائنس اور ٹیکنالوجی، ان چیزوں سے سیکولرزیشن سے بہت مدد ملتی ہے۔ مسلمانوں کی موجودہ دور کی مذہبی بیداری نے تاریخ کے اس ارتقائی نظریے کو غلط ثابت کر دیا۔ مذہبی بیداری ان ممالک میں زیادہ دیکھی گئی۔ جن کو ماڈرن بنانے کی سب سے زیادہ کوششیں کی گئی۔ مزید برآں ٹیکنالوجی اور جدید تعلیم بجائے مذہبی ایمان اور عمل کو نیچا دکھانے کے، الٹا مذہب کے حق میں استعمال ہونا شروع ہو گئے۔" (1)

---

(1) Esposito, John L. (1988) Islam: The Straight Path. New York, Oxford Univ. Press.

حجاب کی طرف لوٹنے کا یہ حیرت انگیز عمل مسلم اور غیر مسلم دونوں ممالک میں یکساں ہے۔ ممتاز عالم دین اور سائیکالوجسٹ ڈاکٹر مالک بدری جب 1959ء میں انگلینڈ میں اپنی PhD مکمل کر رہے تھے تو انہوں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا "میرے بہت سے مسلمان دوستوں کی بیویوں نے صرف اس وجہ سے حجاب، لمبے عبائے اور چہرے کو ڈھانپنا چھوڑ کر مغربی انداز اپنا لیا تھا کیوں کہ وہ یہ محسوس کرتی تھیں کہ اس طرح کے لباس میں سڑکوں پر چلتے پھرتے دیکھ کر وہاں کے لوگ انہیں اجنبی، پسماندہ اور قدامت پسند سمجھیں گے۔"

تاہم آج اسلامی بیداری کی اس نئی لہر کے بعد مسلمانوں کا ماڈرنسٹوں کے سامنے رویہ ہرگز معذرت خواہانہ نہیں رہا ہے۔ ڈاکٹر مالک بدری کہتے ہیں "میں شکر یہ ادا کرتا ہوں اس اسلامی بیداری کا کہ اب لنڈن کی آکسفورڈ سٹریٹ میں مکمل باپردہ خاتون کو دیکھ کر کوئی بھی حیران نہیں ہوتا۔" (1)

1995ء میں جب اقوام متحدہ (UNO) (مسلمانوں کے خلاف اتحاد) کی چوتھی بین الاقوامی کانفرنس بیجنگ میں منعقد ہوئی تو وہاں پر موجود ہم جنس پرست خواتین کے ایک گروپ نے یہ جانتے ہوئے کہ ان کا اصل دشمن مسلمان ہی ہیں۔ مسلمان عورتوں کے کیمپوں کا گھیراؤ کر لیا اور اسلام کے خلاف نعرے بازی شروع کر دی۔ اس دوران میں وہ فاحشانہ انداز میں ڈانس بھی کرتی رہیں اور ہم جنسی کے ترغیب دینے والے گانے بھی گاتی رہیں۔ اس کے نتیجے میں ملائیشیا کی مسلمان خواتین نے بھی ان ہم جنس پرست خواتین پر جوابی حملے کیئے اور کہا کہ مسلمان خواتین کی یہ توہین دراصل "استعماری طاقتوں کی اس ہٹ دھرم سوچ کی یادگار ہیں کہ مسلمان خواتین کے چہروں سے نقاب نوچ کر ان کو آزاد کراؤ۔" (2)

---

(1) Badri, Malik (1997). The AIDS Crisis: An Islamic Socio-Culture Perspective. Kaula Lumpur, International Institute of Islamic Thought & Civilization.

(2) The Sun, The Malaysian Daily, September 9, 1995

حال ہی میں خبر رساں ایجنسی رائٹرز (Reuters) نے اپنی 2 نومبر 2009ء کی اشاعت میں اس عنوان کے ساتھ خبر شائع کی "مصر میں چہرے کے پردے پر ہونے والی جنگ" اسلام میں چہرے کے پردے پر طنزیہ اور زہریلا تبصرہ کرنے کے بعد غائبانہ رائٹرز نے اس بات کا اقرار کیا کہ پچھلے سالوں کے مقابلے میں مصر میں اب چہرے کا پردہ پھر سے رائج ہو رہا ہے۔

آج سے 30 سال پہلے خواتین منی سکرٹس اور سلیولیس ٹاپ میں ملبوس قاہرہ یونیورسٹی میں پڑھتی تھیں۔ وہ اسکندریہ کے ساحل سمندر پر مختصر سوم سوٹ میں چہل قدمی کرتی نظر آتی تھیں۔ جب مصر کا معاشرہ نسبتاً آزاد خیال تھا۔

تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اس وقت سکارف یا حجاب کی حیثیت سٹیٹس کی نشان دہی کرتی تھی اور یہ کہ پردہ کم آمدنی والے گھروں میں زیادہ رائج تھا۔ اپر کلاس اور مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والی خواتین اول تو پردہ کرتی ہی نہیں تھیں اور اگر کرتی بھی تھیں تو بطور فیشن کے۔ چہرے کے پردے کا اس وقت نہیں تھا لیکن اب وہ پھر سے رائج ہو رہا ہے۔ لمبے لہراتے ہوئے عبائے میں ملبوس خواتین اب کثیر تعداد میں مصر کے مشہور شاپنگ سینٹرز میں چہل قدمی کرتی ہوئی جاتی ہیں۔

مصر ہی ایک واحد ملک نہیں جہاں پر حجاب کی واپسی کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ مشی گن سٹیٹ یونیورسٹی کی فلورنس ای میکارتھی نے بنگلہ دیش کے دیہاتوں میں رہنے والی خواتین پر ریسرچ کی تو انہوں نے یہ نتیجہ برآمد کیا کہ خواتین میں برقعہ (چہرے کے نقاب کے ساتھ) اور خلوت نشینی اختیار کرنے کی شرح میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ بہت سی دیہاتی خواتین کو یاد ہے کہ برقعہ ان کی زندگی میں 50 سال پہلے عام ہوا جبکہ اس سے پہلے یہ اپر کلاس کی خواتین میں رائج تھا۔ میکارتھی کے نزدیک ان دیہاتی خواتین میں برقعے کی مقبولیت کی وجہ یہ تھی کہ یہ خواتین گھر سے باہر اپنے آپ کو برقعے میں زیادہ محفوظ اور آزاد محسوس کرتی تھیں۔"

اسی طرح حال ہی میں امریکہ کے ٹائم میگزین نے اپنے 16 اکتوبر 2006ء کی اشاعت میں ایک رپورٹ شائع کی جس کا عنوان تھا: "پاکستان کی نوجوان نسل میں اسلامی لہر کی بیداری"۔ مصنف نے پاکستان میں پنجاب یونیورسٹی کی فضا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

"پنجاب یونیورسٹی کے 1800 ایکٹر پر پھیلے ہوئے کیمپس کا دورہ کرتے ہوئے آپ وہاں کے سٹوڈنٹس میں کسی قسم کی بیہودگی یا چھچھوراپن نہیں پائیں گے۔میوزیکل کنسرٹس پر پابندی لگادی گئی ہےاور ڈرائنگ ہال میں مرد اور خواتین علیحدہ علیحدہ بیٹھتے ہیں۔بہت سی خواتین طالبات مکمل چہرے کے پردے کے ساتھ کلاسز اٹینڈ کرتی ہیں۔سب سے زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ مذہب کی اس سخت فضا کو قائم رکھنے والے اس یونیورسٹی کے پروفیسر حضرات یا انتظامیہ نہیں بلکہ طلباء طالبات ہیں۔" (1)

یونیورسٹی میں اسلامی جمعیت طلبہ سب سے بڑی قوت ہے جو نہ صرف طلباء کے رسوم و رواج کو متاثر کرتی ہے بلکہ یونیورسٹی کے ہر شعبہ پر اثر انداز ہے۔آگے چل کر ٹائم میگزین کا مضمون نگار لکھتا ہے۔

"پنجاب یونیورسٹی کے 24000 طلبہ و طالبات میں سے 2400 کا تعلق IJT سے ہے۔جمعیت کا ارکان سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ مذہبی زندگی گزاریں گے اور قرآن کے نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کے (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) پر عمل کریں گے۔بہت سوں کے لیے اس کا مطلب خشک زاھدانہ زندگی گزارنا ہے۔ممبران باقاعدگی سے دروس کے لیے ملتے ہیں اور ہر مہینے میں کم از کم ایک مرتبہ پوری رات عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں۔کلاس سے باہر مرد اور عورتوں کے آزادنہ اختلاط سے مکمل اجتناب کیا جاتا ہے"۔ (1)

اسی طرح ممبئی کے ایم ایچ لکھداوالہ اسلامک وائس فروری 2001ء کے شمارے میں لکھتے ہیں: "چاہے والدین کا دباؤ ہو یا اپنی سہیلیوں سے مقابلہ یا ذاتی انتخاب،آج پردہ،حجاب یا برقعہ پھر سے مقبولیت حاصل کر رہا ہے اور ممبئی کی لڑکیوں میں حجاب کو ایک مثالی لباس (Ideal costume) سمجھا جاتا ہے جو کہ معاشرے میں برابری (Social Leveler) پیدا کرتا

(1) Baker, Aryan (Lahore) (Oct. 16, 2006). "No Dates, No Dancing: Why Pakistan's university students are embracing the fundamentalist life." Time U.S.A.: 53-54.

ہے"۔لکھداوالہ مزید لکھتے ہیں "پردہ جو کبھی معیوب سمجھا جاتا تھا اب خاص طور سے بڑھتی ہوئی نسل میں بہت مقبولیت حاصل کر رہا ہے۔" (1)

اپنے دعوے کے ثبوت کے طور لکھداوالہ نے ممبئی سے بہت سی نوجوان مسلمان لڑکیوں کے انٹرویو لیے جو یہاں پیش کئے جا رہے ہیں۔

انیزہ - تھرڈ ایئر سٹوڈنٹ، مہاراشٹر کالج:

کوئی یہ سوچ سکتا ہے کہ برقعہ اسے محدود کرتا ہے یا اس کا پہننے والا ایک قیدی ہے۔ وہ گرمیاں کافی سخت ہوتی ہیں جس میں ہم حجاب پہنتی ہیں۔ لڑکوں کے ہاتھوں لڑکیوں کی چھیڑ چھاڑ کوئی نئی بات نہیں اور غالباً ہر لڑکی کسی نہ کسی مقام پر اس کا شکار ہوتی ہے۔ یہی وہ موقع ہوتا ہے جہاں حجاب اس کی مدد کرتا ہے۔

عابدہ خان - رضوی کالج آف آرکیٹکچر:

میرا یہ معمول تھا کہ میں جیسے ہی بس سٹاپ پر پہنچتی تھی، میں اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دیا کرتی تھی لیکن میں نے آہستہ آہستہ محسوس کیا کہ چہرے کا نقاب مجھے گندی نگاہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

کویتا - زینت بیگ کی کلاس فیلو:

زینت بیگ مینجمنٹ کی کلاس میں واحد مسلمان لڑکی ہے۔ اس کے کلاس فیلو اس کو پردہ کرنے کی وجہ سے طنز کا نشانہ بنایا کرتے تھے لیکن جب اس نے انہیں چہرے کے پردے کے فوائد

---

(1) Lakdawala, M.H. (Feb. 2001). "Hijab is Back in Mumbai". Islamic Voice. Mumbai: Vol. 15-02 (170).

بتائے تو ان کا رویہ یکسر بدل گیا۔اس کے علاوہ کویتا کو اس کی ہندو کلاس فیلو نے بتایا "میں نے محسوس کیا ہے کہ حجاب والی عورت کے ساتھ مردوں کا رویہ بہت عزت واحترام والا ہوتا ہے اور اگر مجھے ذاتی طور پر اختیار دیا جائے تو میں بہت شوق سے چہرے کے پردے کا انتخاب کروں گی کیونکہ اسی طرح میں باہر لڑکوں کی چھیڑ چھاڑ سے محفوظ رہ سکوں گی۔"

تبسم - طب یونانی میڈیکل کالج:

پردہ اپنے اوپر سے مردوں کی توجہ ہٹانے کا پیغام ہوتا ہے۔پردہ عورت کو خاص قسم کا احساس تحفظ دیتا ہے اور یہ تاثر دیتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ لڑکی کا باپ اور بھائی قریب ہی موجود ہوں۔

یاسمین سعید - برہانی کالج:

یہ عام نفسیات کی بات ہے کہ ایک مرد نقاب والی لڑکی کو چھیڑنے کی کوشش نہیں کرے گا کہ کیا پتا نقاب کے پیچھے ایک عمر رسیدہ خاتون ہوں تو یہ اس مرد کے لیے سب سے بھیانک خواب ہوگا۔

شہناز - پوسٹ گریجویٹ سٹوڈنٹ ممبئی کالج:

حفاظت کے نقطہ نظر کے علاوہ حجاب کا ایک اور فائدہ بھی ہے اور وہ یہ کہ یہ معاشرتی فرق کو ختم کرتا ہے۔کون بتا سکتا ہے کہ اس حجاب کے نیچے آپ نے دس ہزار کا یا سو روپے کا سوٹ پہنا ہے۔

فرحانہ - پوسٹ گریجویٹ سٹوڈنٹ-ممبئی کالج:

اس بات کا ذکر کرنا ضروری نہیں ہے کہ حجاب کے نیچے پہننے والے کپڑے آسانی سے گندے بھی نہیں ہوتے اور کسی کو یہ بھی پتا نہیں چلتا کہ آپ نے اپنا پسندیدہ لباس کتنی دفعہ پہنا ہے۔

رابعہ - سٹوڈنٹ ممبئی یونیورسٹی:

پردہ کرنے کے علاوہ مجھے حجاب کرنے کا یہ پہلو بھی پسند ہے کہ یہ آپ کو چہرے سمیت سر سے لے کر پاؤں تک ڈھانپ لیتا ہے اور اس طرح آپ سورج کی الٹراوائلٹ شعاعوں (ultraviolet rays) سے بھی بچ جاتے ہیں اور یہ ماحول کی آلودگی (pollution) سے بچاؤ کا بھی بہترین طریقہ ہے اور آپ کو نا اثر کرنے والی گریسی (Sun Screen) سن سکرین کا استعمال بھی نہیں کرنا پڑتا۔

باب:14

اختتامی کلمات

اِس کتاب میں پیش کیے گئے قرآن وحدیث کے دلائل اور جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں قارئین کو یہ سمجھنے میں مشکل نہیں ہو گی کہ اسلام کا معاشرتی نظام دنیا کے باقی تمام نظاموں سے اعلیٰ واقع ہوا ہے۔اسلامی تعلیمات میں عورتوں پر کوئی ظلم نہیں۔حقیقت یہ ہے کہ روئے زمین پر عورتوں کے لیے سب سے زیادہ رحمدل women friendly مذہب صرف اسلام ہے۔اسلام میں عورت کی آزادی مغربی معاشرے میں عورت کو دی گئی آزادی سے کئی گنا اعلیٰ ہے کیونکہ اسلام عورت کو عزت، وقار اور مساوات کے ساتھ جینے کا موقع دیتا ہے۔کوئی عورت اس وقت تک حقیقی آزادی نہیں حاصل کر سکتی جب تک وہ مردوں کی نگاہوں یا ٹکٹکی (male gaze)یا معاشرے کے استحصال سے آزاد نہ ہو جائے۔حقیقی اسلامی حجاب خواتین کو آزادی کی فضا مہیا کرتا ہے جسکے اندر وہ آسانی سے معاشرے میں اپنے فرائض ادا کر سکتی ہیں اور معاشرے کے بعض مرد بھیڑیئے اپنی ہوس ناک نگاہوں سے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔آج مغربی میڈیا اور روشن خیال منافقین اسلام کے معاشرتی احکامات پر اعتراضات کرنے میں بہت جلدی دکھاتے ہیں حالانکہ اسلام مرد اور عورت کے مقاصد کو پاکیزہ رکھنے کے لیئے معاشرے کے ہر درجے میں دونوں جنسوں کا آزادانہ اختلاط روکتا ہے۔معاشرے میں کرپشن اور فحاشی کو روکنے کے معاملے

میں اسلام کا طریقہ برائی کو جڑ سے ختم کرنے (nip the evil in the bud) کا ہے۔ معاشرے میں فحاشی کو روکنے کے لیئے اسلام عملی حل پیش کرتا ہے۔اسلامی معاشرے میں نامحرم مردوں اور عورتوں کے خلوت یا تنہائی میں رہنے (illegetimate seclusion) پر پابندی لگاتا ہے۔اسلام برائی کو جڑ سے ختم کرتا ہے کیونکہ اخلاقی حادثوں (moral disasters) کی ہمیشہ کوئی نہ کوئی شروعات ہوا کرتی ہیں۔ اسلام ایسے معاشرتی صورتیں پیدا ہی نہیں ہونے دیتا جن کے نتیجے میں ایسی شروعات ہوں۔اگر آج کی مغربی خواتین یا روشن خیال مسلم خواتین اسلامی حجاب کو اختیار کرلیں تو نوکریوں پر یا پبلک میں جنسی ضرر رسانی (sexual harassment) کے واقعات تقریباً ختم ہوجائیں اور اس طرح سے عورتوں کے استحصال کو سوسائٹی میں ختم کیا جاسکتا ہے۔

اس کتاب میں ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلامی قوانین اور تعلیمات کی مخالفت دراصل جدید سائنس کی مخالفت ہے جیسا کہ سائنس نے واضح طور پر ثابت کردیا ہے کہ اللہ تعالی نے مرد اور عورت دونوں صنفوں کو بالکل مختلف بنایا ہے اور اس فرق کو ہمیں سراہنا چاہیے دبانا نہیں چاہیے۔ یہ بڑی ستم ظریفی ہے کہ خود مسلم ممالک میں "روشن خیال" مسلم علماء (ڈش علماء یا ٹی وی علماء) سیکولر مفکرین اور معذرت خواہ مسلمانوں کو جدید قسم کی تحریک نسواں (neo-feminism) اور دماغوں میں جنسی فرق کی سائنس (science of brain sex) کے متعلق کوئی خبر نہیں۔ مصر اور ترکی کی مذہب دشمن حکومتوں سے لیکر مشرق وسطی میں نئے پھوٹنے والے تحریک آوارگی نسواں کے علمبردار یا بنگلہ دیش کی تسلیمہ نسرین یا مراکش کی فاطمہ مرنیسی سبھی کا حال یہ ہے کہ وہ پچھلے وقتوں کے سائنسی علم کے دور میں جی رہے ہیں بلکہ سو رہے ہیں اور اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ مردوں، عورتوں کے درمیان جو صنفی فرق پائے جاتے ہیں انہیں بدلا جاسکتا ہے۔تاہم تحریک نسواں والے یا یواین او کے سوشل انجینئرنگ پروگرام والے کتنا بھی ایڑی چوٹی کا زور لگائیں

لیکن انسانی فطرت کو بدلا نہیں جا سکتا۔ دونوں صنفوں کے فرق صرف مختلف بیرونی جسم تک محدود نہیں ہوتے بلکہ مردوں اور عورتوں کے دماغوں کی ساخت ہی مختلف انداز سے بنی ہوئی ہے۔ اِس کتاب میں کلینکل سائیکالوجی اور بیالوجی کے میدان سے اس کے ثبوت میں بے شمار مثالیں دی گئی ہیں۔

یہاں کتاب کے اختتام پر امریکہ کے نامور مفکر ڈاکٹر لیونارڈ سیکس (Leonard Sax, MD, Ph.D) کے درج ذیل الفاظ پیش کیئے جاتے ہیں جو اُن لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں جنہیں اسلام کے نامحرم مردوں،عورتوں کے آزادانہ اختلاط (free mixing) پر پابندی کے حکم کے متعلق ذرا برابر بھی شک ہے۔ اپنی کتاب "Why Gender Matters?" میں ڈاکٹر لیونارڈ درج ذیل نتیجے پر پہنچے:

"ہوسکتا ہے کہ آج سے سو سال بعد ہمارے مفکرین اور علماء اکیسویں صدی کی ابتداء کے کلچر کی بربادی کا جائزہ لیں اور یہ نتیجہ نکالیں کہ ہماری معاشرتی عمارت کے گرنے کی بنیادی وجہ ہمارے بچوں کی پرورش میں ان کی جنس (gender) کا خیال نہ رکھنا ہے۔ نہ صرف ہمارے سکولوں میں (کو ایجوکیشن کی صورت میں) بلکہ ہماری نسلوں میں غیر مخلوط سرگرمیوں کو خیر باد کہنے سے، اور یک صنفی گروہی سرگرمیوں کو تقریباً ختم کر دینے کی وجہ سے .... یعنی لڑکیوں کا عورتوں اور لڑکوں کا مردوں کے ساتھ سرگرمیوں میں حصہ لینا۔ میں سوچتا ہوں کہ وہ مستقبل کے مؤرخین اس بارے میں کیا کہیں گے کہ ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہونے میں کتنی دیر لگی، کاش ہم سمجھ جاتے کہ مرد اور عورت کا فرق اہم ہے۔" (1)

---

(1) Sax, Leonard M.D., Ph.D. (2005). Why Gender Matters. New York, Broadway.

کیا آپ معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں؟

اصلاحِ معاشرہ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگوں تک حق بات پہنچائی جائے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہٖ (صحیح مسلم)

"جو شخص، کسی نیک کام کی طرف، کسی دوسرے شخص کی راہنمائی کرے گا، اُسے نیک کام کرنے والے کے برابر اجر اور ثواب دیا جائے گا۔"

آیئے اصلاحِ معاشرہ کے کام میں دینِ اسلام کی مدد کریں۔ جو لوگ بھی آپ کی کوششوں سے ہدایت حاصل کریں گے اور آپ کی دی ہوئی کتابوں کی وجہ سے جس گھر میں جو اچھے اثرات ہوں گے، آپ اُس اجر میں برابر کے شریک ہوں گے۔ ڈاکٹر گوہر مشتاق کی اصلاحِ معاشرہ کے موضوع پر درج ذیل کتابوں کے سیٹ کو خرید کر اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو تحفے میں دیں:

1----- موسیقی، اسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں

2----- ایک آنکھ والا دجال

3----- انسانی دل اور قبولِ اسلام۔ ایک مذہبی اور سائنسی تجزیہ

4----- معرکۂ روح و بدن

5----- پردہ: عقلمند خواتین کا انتخاب

6----- داڑھی کی اہمیت قرآن وسنت اور جدید سائنس کی روشنی میں

7 ----- دجالی دور اور مسلم نوجوان

دعوتی اور تبلیغی مقاصد کے لئے پورا سیٹ یا بڑی تعداد میں کتابیں خریدنے پر خصوصی رعایت۔

تفصیلات کے لئے درج ذیل پتہ پر رابطہ کریں۔

مکتبہ خواتین میگزین، لاہور، فون نمبر: 0321-4708024

423-5435667